کنز الدّارین

فی

حلِ تفسیرِ الجلالین

سورۂ بقرہ

جلدِ اوّل

مفتی محمد شاہد علی مصباحی
دار القضا المرکز الاسلامی دار الفکر بہرائچ شریف (یوپی)

شعبۂ نشر و اشاعت المرکز الاسلامی دار الفکر بہرائچ شریف یوپی
کتب خانہ امجدیہ دہلی

PDF BY

Zubair Raza Qadri

Manzari

Bareilly Shareef M.9759645636

نوٹ= اسمیں صرف پارہ ۲ مکمل ہے ۔

کتابوں میں لکھے ہوئے تھے مگر یہودی و نصاریٰ نے ان میں تصرف کر کے کچھ کا کچھ لکھ دیا اور حقیقت کو چھپالیا، حضرت مفسر نے پہلے قول کو اختیار کیا ہے کیونکہ بہت پہلے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ جس کے پیش نظر پہلا قول ہی مراد لینا انسب ہے۔

قوله: تقدم مثله۔ یعنی اس جیسی آیت پہلے گزر چکی ہے اور مکرر لانے کی وجہ یہود و نصاریٰ کی انتہائی درجہ کی غباوت ہے اور یہ مقتضائے حال کے مطابق ہے کہ جب سامع غبی ہو تو اس کے سامنے تکرار کلام اس کے حال کا تقاضا ہوتا ہے لہٰذا یہ تکرار بے فائدہ نہیں جس سے تحصیل حاصل کا شبہ پیدا ہو۔

﴿سَيَقُوْلُ السُّفَهَاءُ﴾ اَلْجُهَّالُ ﴿مِنَ النَّاسِ﴾ اَيِ الْيَهُوْدِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿مَا وَلّٰهُمْ﴾ اَيُّ شَيْءٍ صَرَفَ النَّبِيَّ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) وَالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوا عَلَيْهَا﴾ عَلٰى اِسْتِقْبَالِهَا فِي الصَّلٰوةِ وَ هِيَ بَيْتُ الْمَقْدِسِ وَ الْاِتْيَانُ بِالسِّيْنِ الدَّالَّةِ عَلَى الْاِسْتِقْبَالِ مِنَ الْاِخْبَارِ بِالْغَيْبِ ﴿قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ﴾ اَيِ الْجِهَاتُ كُلُّهَا فَيَأْمُرُ بِالتَّوَجُّهِ اِلٰى اَيِّ جِهَةٍ شَاءَ لَا اِعْتِرَاضَ عَلَيْهِ ﴿يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ﴾ هِدَايَتَهٗ ﴿اِلٰى صِرَاطٍ﴾ طَرِيْقٍ ﴿مُّسْتَقِيْمٍ﴾ دِيْنِ الْاِسْلَامِ اَيْ وَ مِنْهُمْ اَنْتُمْ دَلَّ عَلٰى هٰذَا ﴿وَ كَذٰلِكَ﴾ كَمَا هَدَيْنَاكُمْ اِلَيْهِ ﴿جَعَلْنٰكُمْ﴾ يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ ﴿اُمَّةً وَّسَطًا﴾ خِيَارًا عُدُوْلًا ﴿لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَنَّ رُسُلَهُمْ بَلَّغَتْهُمْ ﴿وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ اَنَّهٗ بَلَّغَكُمْ.

ترجمہ: ﴿اب کہیں گے بے وقوف﴾ جہلا ﴿لوگ﴾ یہود اور مشرکین ﴿کس چیز نے پھیر دیا مسلمانوں کو﴾ یعنی کس چیز نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مومنین کو پھیر دیا ﴿ان کے اس قبلہ سے جس پر تھے﴾ نماز میں اس کا استقبال کرتے تھے اور وہ بیت المقدس ہے اور سین کے ساتھ لانا جو استقبال پر دلالت کرتا ہے اخبار بالغیب سے ہے ﴿آپ فرمادیجئے پورب پچھم سب اللہ ہی کا ہے﴾ یعنی ساری سمتیں تو وہ جدھر چاہے متوجہ ہونے کا حکم دے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا ﴿ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے﴾ اپنی ہدایت ﴿سیدھے راستہ کی طرف﴾ یعنی دین اسلام کی طرف اور تم بھی (اے مسلمانو!) انھیں میں سے ہو، اس پر دلالت کرتا ہے۔ [اگلا جملہ] ﴿اور اسی طرح﴾ جیسا کہ ہم نے تمہاری رہنمائی کی دین اسلام کی جانب ﴿ہم نے بنا دیا تمہیں﴾ اے امت محمدیہ ﴿بہترین امت﴾ نیکوکار، عادل ﴿تاکہ تم گواہ بنو لوگوں پر﴾ قیامت کے دن کہ ان کے انبیاء نے انھیں تبلیغ فرمادی تھی ﴿اور یہ رسول تم پر گواہ ہوں﴾ کہ انھوں نے تمہیں تبلیغ فرمادی ہے۔

توضیح و تشریح: قوله: اليهود و المشركين۔ یہ اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ آیت میں لفظ "من الناس" ماقبل میں وارد لفظ "السفهاء" کا بیان ہے جو بہائم سے احتراز کے لئے آیا ہے کیونکہ بہائم پر بھی سفہاء کا اطلاق ہوتا ہے اور یہاں اس سے مراد یہود و مشرکین ہیں، یہود نے تو یہ اعتراض کیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مؤمنین نے بیت المقدس کو چھوڑ کر کعبہ کو قبلہ کیوں بنایا؟ اور مشرکین کہتے تھے کہ حضور اپنے اصحاب کے ساتھ مکہ میں تھے تو خانۂ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے پھر مدینہ میں آ کر بیت المقدس کی طرف رخ کر لیا اور پھر خانہ کعبہ کو ہی قبلہ بنایا، گویا مسلمان اپنے معاملہ

میں خود حیران ہیں کہ کدھر رخ کریں اور کدھر نہ کریں۔ قرآن نے ان معترضین کو بے وقوف کہا جس کی علت آگے آتی ہے۔

قوله: ای شئ الخ یہ اشارہ ہے ما کے استفہامیہ ہونے کی طرف، آگے مفسر علام نے والاتیان بالسین الخ سے بیان فرمایا ہے کہ یہ آیت اخبار بالغیب سے ہے کیونکہ یہ آیت نزول اور تلاوت میں تحویل قبلہ والی آیت پر مقدم ہے لہٰذا تحویل قبلہ کے بعد ہونے والے اعتراضات کی اطلاع تحویل سے پہلے دے دینا غیبی خبروں میں سے ہے۔

قوله: ای الجهات کلها الخ یہ لفظ مشرق ومغرب کا معنی مراد ہے یعنی ایسا نہیں کہ صرف مشرق ومغرب اللہ کا ہے باقی شمال وجنوب کسی اور کا، بلکہ اس سے مراد جہات ستہ اور پوری کائنات ہے، جیسے بولا جاتا ہے ''کنیا کماری سے کشمیر تک ہندوستان ایک ہے'' اور مراد ہوتا ہے پورا ہندوستان، دراصل معترضین کے اعتراض کا یہ خدائی جواب ہے کہ مشرق ومغرب یعنی ہر جانب اور ہر سمت خدا کے نزدیک یکساں ہے کسی سمت اور جہت میں کوئی خصوصیت نہیں اور چونکہ خدائے وحدہ لاشریک ہر جہت اور ہر شئی کا مالک ہے لہٰذا وہ جس جہت کو چاہے عبادت کرنے والوں کے لئے مخصوص کرے کسی کو اعتراض کا کوئی حق نہیں، یہود اور مشرکین اتنی آسان سی بات بھی نہیں سمجھ سکے اسی لئے قرآن نے انھیں بے وقوف کہا۔

قوله: کما هدینا کم الیه۔ یہ ذلك کے مشارالیہ کی طرف اشارہ ہے جس کے ذکر کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ مشارالیہ کے تعلق سے یہاں چند احتمالات ہیں اولاً یہ کہ مشارالیہ "یهدی" ہے اور معنی ہے جیسے کہ تمہیں ہدایت دی ایسے ہی تمہیں بہتر امت بنایا، ثانیاً یہ کہ اشارہ "ولٰهم" کی طرف ہو، اس صورت میں معنی ہوگا جیسے تمہیں ہم نے بہتر قبلہ کی طرف پھیرا ایسے ہی تمہیں بہتر امت بنایا۔ ثالثاً یہ کہ مشارالیہ "اصطفینا" ہو معنی ہوگا جیسے ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں چن لیا ایسے ہی تمہیں بہترین امت بنایا، رابعاً یہ کہ مشارالیہ پورا جملہ لله المشرق الخ ہو معنی ہوگا جیسے مشرق ومغرب سب ہی اللہ کا ہے مگر بعض مقامات کو عزت ملی ہے ایسے ہی بندے سب اللہ کے ہیں مگر تمہیں یہ عزت دی کہ سب سے افضل کیا، خامساً یہ کہ اشارہ غیر مذکور چیز کی طرف ہے جیسے کبھی ضمیر بغیر ذکر مرجع آجاتی ہے جب کہ مرجع مشہور ومعروف ہو (تفسیر کبیر) یہاں مفسر علام نے پہلی صورت کو راجح قرار دیا کیونکہ "یهدی" ہی ضمیر سے قریب تر ہے۔

قوله: خیاراً عدولاً۔ یہ لفظ وسطاً کا التزامی معنی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عربی میں "وسط" اس جگہ کو کہتے ہیں جو سب جہات سے مساوی البعد ہو، کسی سے قریب اور کسی سے بعید نہ ہو، پھر مجازاً لفظ وسط کا اطلاق اوصاف حمیدہ پر ہونے لگا کیونکہ اوصاف حمیدہ افراط وتفریط کے بیچ میں ہیں لہٰذا یہاں "امة وسطاً" کا معنی ہوا اوصاف حمیدہ والی امت اب ظاہر ہے جو لوگ اچھے اور عمدہ اوصاف کے حامل ہوں گے وہ بہتر اور عادل ہوں گے لہٰذا امت محمدیہ بہتر اور عادل امت ہوئی، اسی لئے مفسر علام نے "امة وسطا" کی تفسیر خیارا عدولا سے فرمائی۔ (صاوی ملخصاً)

قوله: ان رسلهم بلغتهم۔ یہ مشہود بہ کا اور آگے "انه بلغکم" شہادت رسول کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آخرت میں جب تمام اولین وآخرین جمع ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کفار سے فرمائے گا، کیا تمہارے پاس میری طرف سے ڈرانے اور احکام پہنچانے والے نہیں آئے؟ تو وہ انکار کریں گے اور کہیں گے کوئی نہیں آیا، اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء سے دریافت

فرمائے گا۔ تو وہ عرض کریں گے کہ یہ جھوٹے ہیں، ہم نے انھیں تبلیغ کی، اس پر ان سے اقامة للحجة دلیل طلب کی جائے گی، تو وہ عرض کریں گے کہ امت محمد یہ ہماری شاہد ہے۔ یہ امت پیغمبروں کی شہادت دے گی کہ ان حضرات نے تبلیغ فرمائی، اس پر گذشتہ امت کے کفار کہیں گے، انھیں کیا معلوم؟ یہ تو ہم سے بعد ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ دریافت فرمائے گا تم کیسے جانتے ہو؟ یہ عرض کریں گے یا رب تو نے ہماری طرف اپنے رسول محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھیجا قرآن پاک نازل فرمایا ان کے ذریعہ سے ہم قطعی یقینی طور پہ جانتے ہیں کہ حضرات انبیاء نے فرض تبلیغ علی وجہ الکمال ادا کیا، پھر سید انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آپ کی امت کی نسبت دریافت فرمایا جائے گا حضور ان کی تصدیق فرمائیں گے۔ (صاوی، خزائن العرفان)

فائدہ: (۱) قِبْلَةٌ بروزن فِعْلَةٌ سامنے کی جہت کو کہتے ہیں یا اس حالت کو کہتے ہیں جو کسی چیز کے سامنے ہونے سے پیدا ہوتی ہے، ماخوذ ہے مقابلہ سے، اور قبلہ کو قبلہ بھی اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ نمازی کے سامنے اور نمازی اس کے سامنے ہوتا ہے۔ (کبیر)

(۲) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہجرت سے قبل مکہ مکرمہ میں بھی بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے مگر اس طرح کہ کعبہ کو سامنے رکھتے تھے پھر جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو چونکہ خانۂ کعبہ اور بیت المقدس کی جہتیں بدل گئیں اور دونوں کو سامنے رکھنا ممکن نہ رہا اس لئے کچھ مدت تک صرف بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے پھر تحویل قبلہ کے بعد خانۂ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے لگے، یہی مشرکین عرب کے اعتراض کی وجہ تھی کہ انھوں نے سمجھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اولاً کعبہ کی طرف پھر بیت المقدس کی طرف اور پھر کعبہ کی طرف رخ کیا گویا تعین قبلہ میں حضور اور مؤمنین متحیر ہیں اور اسی لئے بعض مورخین کو بھی شبہ ہوا اور انھوں نے سمجھا کہ تحویل قبلہ دوبار ہوئی ہے، حالانکہ یہ غلط ہے۔ (حقانی)

نماز کے لئے قبلہ کی تعیین کیوں:

نماز کے لئے قبلہ مقرر کرنے کی متعدد حکمتیں مفسرین نے بیان فرمائی ہیں یہاں تفسیر کبیر اور تفسیر حقانی کے حوالے سے دو اہم حکمتیں ذکر کی جاتی ہیں پہلی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو قوتیں عطا فرمائی ہیں۔

(۱) قوت عقلیہ: جو مجردات کا ادراک کرتی ہے۔ (۲) قوت خیالیہ: جو محسوسات میں تصرف کرتی ہے، قوت خیالیہ بسا اوقات معانی مجردہ کے ادراک میں عقلیہ کی مدد کرتی ہے اسی لئے انجینئر وغیرہ جب کوئی عمارت بنانا چاہتے ہیں تو اس کے لئے کوئی صورت معینہ اور شکل معین فرض کر لیتے ہیں جسے عرف میں نقشہ کہا جاتا ہے، یہ اسی لئے ہوتا ہے کہ حس اور خیال معمار کی عقلی خاکہ کے ادراک میں اعانت کرے، اسی طرح جب بندوں کو بوقت عبادت اس خدائے وحدہ لاشریک کی بارگاہ میں حاضر ہونا پڑا جو جسم و جسمانیات سے پاک اور احاطۂ حس و خیال سے باہر ہے تو ضروری ہوا کہ بوقت عبادت خیال جمانے کے لئے کسی ایسے آلۂ حسی کی طرف رخ کر لیا جائے جو خدا کی تجلیات کا مظہر اور اس کے جمال با کمال کا آئینہ دار ہو اسی آلۂ حسی کا نام

قبلہ ہے۔ دوسری یہ کہ حالت اجتماعیہ حالت وحدانیہ سے قوی تر ہوتی ہے دیکھئے ایک یا دو بال میں وہ قوت نہیں ہوتی جو سو پچاس کو ملا کر رسی بٹنے میں ہوتی ہے مسلمانوں میں اسی اجتماعی قوت کو پیدا کرنے کے لئے نماز باجماعت مقرر ہوئی تا کہ اہل محلہ میں اتفاق پیدا ہوا اور اسی لئے جمعہ وحج مقرر ہوئے تا کہ اہل شہر بلکہ پورے روئے زمین کے اہل اسلام متفق و متحد رہیں، چنانچہ اسی مقصد کے حصول کے لئے نماز میں ایک جہت کا مقرر ہونا بھی ضروری ہوا کیونکہ اگر ہر شخص علیحدہ جہت پر نماز پڑھے تو اختلاف ظاہر ہوگا اور اختلاف ظاہری اختلاف باطنی کی دلیل ہے لہٰذا نماز میں سبھوں کو ایک ہی طرف رخ کرنے کا حکم ہوا اور سب کا ایک قبلہ مقرر ہوا تا کہ ظاہری اتفاق سے باطنی اتفاق بھی پیدا ہو۔

﴿وَ مَا جَعَلْنَا﴾ صَيَّرْنَا ﴿الْقِبْلَةَ﴾ لَكَ الْآنَ الْجِهَةَ ﴿الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ﴾ اَوَّلًا وَهِيَ الْكَعْبَةُ وَكَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ اِلَيْهَا فَلَمَّا هَاجَرَ اُمِرَ بِاسْتِقْبَالِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ تَاَلُّفًا لِلْيَهُوْدِ فَصَلّٰى اِلَيْهِ سِتَّةَ اَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا ثُمَّ حُوِّلَ ﴿اِلَّا لِنَعْلَمَ﴾ عِلْمَ ظُهُوْرٍ ﴿مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ﴾ فَيُصَدِّقُهٗ ﴿مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ط﴾ اَيْ يَرْجِعُ اِلَى الْكُفْرِ شَكًّا فِي الدِّيْنِ وَ ظَنًّا اَنَّ النَّبِيَّ فِيْ حَيْرَةٍ مِنْ اَمْرِهٖ وَقَدِ ارْتَدَّ لِذٰلِكَ جَمَاعَةٌ ﴿وَ اِنْ﴾ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ وَ اِسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَيْ وَ اِنَّهَا ﴿كَانَتْ﴾ اَيِ التَّوْلِيَةُ اِلَيْهَا ﴿لَكَبِيْرَةً﴾ شَاقَّةً عَلَى النَّاسِ ﴿اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ط﴾ مِنْهُمْ ﴿وَ مَاكَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ﴾ اَيْ صَلَاتَكُمْ اِلٰى بَيْتِ الْمَقْدِسِ بَلْ يُثِيْبُكُمْ عَلَيْهِ لِاَنَّ سَبَبَ نُزُوْلِهَا السُّوَالُ عَمَّنْ مَاتَ قَبْلَ التَّحْوِيْلِ ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ﴾ اَلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ فِيْ عَدَمِ اِضَاعَةِ اَعْمَالِهِمْ وَ الرَّاْفَةُ شِدَّةُ الرَّحْمَةِ وَقُدِّمَ الْاَبْلَغُ لِلْفَاصِلَةِ.

ترجمہ: ﴿اور نہیں مقرر کیا ہم نے﴾ نہیں کیا ﴿قبلہ﴾ آپ کے لئے اس وقت سمت ﴿جس پر آپ تھے﴾ پہلے اور وہ کعبہ ہے، کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی کی سمت نماز پڑھا کرتے تھے پھر جب آپ نے ہجرت فرمائی تو یہود کی تالیف قلب کے لئے آپ کو بیت المقدس کے استقبال کا حکم دیا گیا جس کی طرف سولہ یا سترہ مہینہ رخ کر کے آپ نے نماز پڑھی پھر پھیر دیئے گئے ﴿مگر اس لئے کہ ہم دیکھ لیں﴾ بظاہر معلوم ہو جائے ﴿کون رسول کی پیروی کرتا ہے﴾ اور ان کی تصدیق کرتا ہے ﴿اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے﴾ یعنی کفر کی طرف لوٹ جاتا ہے دین میں شک کرتے ہوئے اور یہ گمان کرتے ہوئے کہ یہ نبی خود اپنے [قبلہ کے] معاملہ میں حیران ہیں، چنانچہ ایک جماعت اسی وجہ سے مرتد بھی ہوگئی ﴿اور بے شک یہ﴾ ان مخففہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے دراصل "وانہا" ہے ﴿تھا﴾ یعنی کعبہ کی طرف پھرنا ﴿بہت بھاری﴾ لوگوں پر دشوار ﴿مگر ان پر جنہیں اللہ نے ہدایت فرمائی﴾ ان میں سے ﴿اور اللہ کی شان نہیں کہ تمہارا ایمان اکارت کرے﴾ یعنی تمہاری وہ نماز جو بیت المقدس کی سمت ہوئی بلکہ تمہیں اس پر ثواب عطا فرمائے گا، کیونکہ اس کا سبب نزول ہی ان لوگوں کی نمازوں کے متعلق سوال تھا جو تحویل قبلہ سے پہلے فوت ہو چکے تھے۔ ﴿بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر﴾ یعنی مؤمنین پر ﴿بہت ہی مہربان رحم فرمانے والا ہے﴾ ان کے اعمال ضائع نہ کرنے کے تعلق سے اور الرأفۃ کا معنی ہے شدت رحمت، مگر ابلغ کو محض فاصلہ کی رعایت کرتے

ہوئے مقدم کیا گیا۔

توضیح و تشریح: قوله اولاً الخ یہ حذف موصوف کی طرف اشارہ ہے جو مفسر علام کے نزدیک جعل کا مفعول اول ہے اور مفعول ثانی القبلة مقدم ہے، اس تقدیر پر "التی کنت علیها" سے مراد کعبہ معظمہ ہوگا جیسا کہ مفسر علام نے وهی الکعبة سے اشارہ فرمایا، آیت کا معنی ہوگا، اے محبوب ہم نے اس کعبہ کو جس پر آپ (ہجرت سے) پہلے تھے قبلہ نہیں بنایا مگر اسی لئے کہ الخ اس صورت میں لازم آتا ہے کہ قبلہ کی تبدیلی دوبار ہوئی۔ اور یہی بات مفسر علام نے وکان الخ سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر دوسرے مفسرین کے نزدیک جعل کا مفعول اول القبلة ہے اور التی الخ اپنے موصوف محذوف سے مل کر مفعول ثانی ہے، اس تقدیر پر "التی کنت علیها" سے مراد بیت المقدس ہے اور معنی ہے اے محبوب ہم نے قبلہ نہیں بنایا تھا اس بیت المقدس کو جس پر آپ پہلے تھے مگر اسی لئے کہ الخ اس صورت میں ثابت ہوتا ہے کہ تبدیلی قبلہ ایک بار ہوئی، اور یہی زیادہ صحیح ہے اسی پر تفسیر کبیر، تفسیر عزیزی اور تفسیر حقانی وغیرہ نے اعتماد کیا ہے۔

قولہ: علم ظهور یہ ایک شبہ کا جواب ہے، شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ الا لنعلم سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ازلی اور قدیم نہیں بلکہ وہ شئی کے وجود کے بعد اسے جانتا ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ علم الٰہی کی دو قسمیں ہیں ایک معلوم کے موجود ہونے سے پہلے کا علم، یہ قدیم اور ازلی ہے، جس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ دوسرا معلوم کے موجود ہونے کے بعد جس کا نام علم ظہور ہے، اس میں اشیاء کے وجود و عدم سے علم میں فرق ہوتا رہتا ہے، یہاں دوسرا علم مراد ہے معنی ہوگا۔ تاکہ ہم ظاہر کر کے دیکھیں اور مشاہدہ سے معلوم کریں۔

قولہ: ای یرجع الی الکفر الخ یہ اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ یہاں ممن ینقلب علی عقبیه اپنے حقیقی معنی میں نہیں بلکہ اس سے کنایۃً دین حق سے برگشتہ ہو کر کفر کی طرف لوٹ جانا مراد ہے کیونکہ معنی حقیقی (ایڑی کے بل پھرنا) مراد لینا مقتضائے حال کے خلاف ہونے کی وجہ سے ممکن نہیں۔

قولہ: و قد ارتد لذلك جماعة مفسر علام کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ تحویل قبلہ سے بعض مسلمان معاذ اللہ مرتد ہو گئے حالانکہ اس کا ثبوت کسی صحیح روایت سے نہیں، علاوہ ازیں جو دولت ایمان حاصل کر کے صبغۃ اللہ کے رنگ میں رنگ جائے اور حلاوت ایمان پالے اس کا ایمان سے برگشتہ ہونا مستبعد لگتا ہے۔ لیکن مفسر علیہ الرحمہ کے ارشاد کی وجہ یہ ہے کہ آیت کریمہ "ممن ینقلب علی عقبیه" میں بعض مفسرین جیسے صاحب روح البیان اور یہاں مفسر علام نے بھی انقلاب کو ارتداد کے معنی میں لیا ہے اس لئے بعض بظاہر مسلمانوں کے ارتداد کا ذکر فرمایا مگر صحیح یہ ہے کہ یہاں انقلاب سے مراد چھپے ہوئے کافروں کے کفر کا کھل جانا ہے چونکہ منافقین بظاہر مسلمان اور بباطن کافر تھے جو تحویل قبلہ پر اعتراض کر کے ظاہری طور پر بھی کافر ہو گئے اور اپنے پرانے دین کی طرف لوٹ گئے، اسی لئے اسے انقلاب فرمایا۔ (صاوی ملخصاً)

قولہ: ای التولیة الیها۔ چونکہ یہاں کانت کی ضمیر کے مرجع میں چند احتمالات ہیں اولاً یہ کہ کانت کی ضمیر کا مرجع قبلہ ہو، ثانیاً یہ کہ کانت کی ضمیر ماولیٰ کے مصدر تولیۃ کی طرف لوٹ رہی ہو، ثالثاً یہ کہ اس پورے معاملہ کی طرف لوٹ رہی ہو،

مفسر علام نے دوسرے احتمال کو پسند فرمایا اور اس صورت میں معنی ہوگا کہ قبلہ کی تبدیلی اہل کتاب اور مشرکین پر بھاری ہے۔آگے شاقة علی الناس کہہ کر مفسر علام نے اشارہ فرمایا کہ آیت میں کبیرۃ بمعنی ثقیلۃ ہے جیسے کبرت کلمة تخرج میں کبرت، ثقلت کے معنی میں ہے۔

قوله: ای صلاتکم الخ ایمان کی تفسیر صلاۃ سے کرنے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ شہادتین کے بعد صلاۃ ارکان اسلام میں سب سے عظیم تر ہے، دوسری وجہ کی طرف خود مفسر علام نے لان سبب نزولها الخ سے اشارہ فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حی ابن اخطب اور اس کے بعض یہودی رفقاء نے مسلمانوں کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے کہا کہ بیت المقدس کا استقبال دو حال سے خالی نہیں، اگر ہدایت تھا تو اب تم گمراہی کی طرف گئے اور اگر غلط تھا تو اتنے دنوں تک تم گمراہی پر کیوں قائم رہے نیز جو مسلمان تحویل قبلہ سے پہلے انتقال کر گئے جیسے ابی امامہ، سعد بن زرارہ، براء بن عازب وغیرہم ان کی نمازیں ضائع اور برباد ہو گئیں۔اس سے مسلمانوں کو بے چینی لاحق ہوئی اور انھوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا اس پر یہ آیات نازل ہوئیں تو چونکہ سبب نزول میں صلوٰۃ کے متعلق سوال تھا اس لئے ایمانکم کی تفسیر صلاتکم سے فرمائی۔(صاوی ملخصاً)

قوله: و قدم الابلغ للفاصلة۔یہ ایک اعتراض کا جواب ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ رؤف اور رحیم دونوں اگر چہ مبالغہ کے صیغے ہیں مگر پہلا دوسرے سے ابلغ ہے کیونکہ رؤف بنا ہے رافت سے اور رافت خاص اور اعلیٰ درجہ کی رحمت کو کہتے ہیں اور رحیم بنا ہے رحمت سے اور رحمت عام فضل و کرم کو کہتے ہیں لہٰذا قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ ترقی من الادنیٰ الی الاعلیٰ کے لحاظ سے لفظ رحیم پہلے اور لفظ رؤف بعد میں ہوتا، جواب یہ ہے کہ اگر چہ قیاس کا مقتضی ترقی من الادنی الی الاعلیٰ ہے مگر آیت سابق (الی صراط مستقیم) کا فاصلہ میم ہے اس لئے محض رعایت فاصلہ کے لئے رحیم مؤخر ہے اور فاصلہ کہتے ہیں آیت کے آخری حرف کو جیسے شعر کے لئے قافیہ ہوتا ہے۔

﴿قَدْ﴾ لِلتَّحْقِيقِ ﴿نَرٰى تَقَلُّبَ﴾ تَصَرُّفَ ﴿وَجْهِكَ فِىْ﴾ جِهَةِ ﴿السَّمَآءِ ج﴾ مُتَطَلِّعًا اِلَى الْوَحْيِ وَ مُتَشَوِّقًا لِلْاَمْرِ بِاِسْتِقْبَالِ الْكَعْبَةِ وَ كَانَ يَوَدُّ ذٰلِكَ لِاَنَّهَا قِبْلَةُ اِبْرَاهِيْمَ وَ لِاَنَّهٗ اَدْعٰى اِلٰى اِسْلَامِ الْعَرَبِ ﴿فَلَنُوَلِّيَنَّكَ﴾ نُحَوِّلَنَّكَ ﴿قِبْلَةً تَرْضٰهَا ص﴾ تُحِبُّهَا ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ﴾ اِسْتَقْبِلْ فِى الصَّلٰوةِ ﴿شَطْرَ﴾ نَحْوَ ﴿الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط﴾ اَيِ الْكَعْبَةِ ﴿وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ﴾ خِطَابٌ لِلْاُمَّةِ ﴿فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ﴾ فِى الصَّلٰوةِ ﴿شَطْرَهٗ ط وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ﴾ اَيِ التَّوَلِّيَ اِلَى الْكَعْبَةِ ﴿الْحَقُّ﴾ الثَّابِتُ ﴿مِنْ رَّبِّهِمْ ط﴾ لِمَا فِىْ كُتُبِهِمْ مِنْ نَعْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَنَّهٗ يَتَحَوَّلُ اِلَيْهَا ﴿وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ٥﴾ بِالتَّاءِ اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ مِنْ اِمْتِثَالِ اَمْرِهٖ وَ بِالْيَاءِ اَيِ الْيَهُوْدُ مِنْ اِنْكَارِ اَمْرِ الْقِبْلَةِ ﴿وَ لَئِنْ﴾ لَامُ قَسَمٍ ﴿اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ﴾ عَلٰى صِدْقِكَ فِىْ اَمْرِ الْقِبْلَةِ ﴿مَا تَبِعُوْا﴾ اَىْ لَايَتَّبِعُوْنَ ﴿قِبْلَتَكَ﴾ عِنَادًا ﴿وَ مَا اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ج﴾ قَطْعٌ لِطَمْعِهٖ فِىْ اِسْلَامِهِمْ وَ طَمْعِهِمْ فِىْ عَوْدِهٖ اِلَيْهَا ﴿وَ مَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ط﴾ اَيِ الْيَهُوْدُ قِبْلَةَ النَّصَارٰى وَ بِالْعَكْسِ.

ترجمہ: ﴿بے شک﴾ قد تحقیق کے لئے ہے ﴿ہم دیکھ رہے ہیں بار بار اٹھانا﴾ گھمانا ﴿آپ کے چہرے کا آسمان کی سمت﴾ وحی کے انتظار اور استقبال کعبہ کے حکم کے شوق میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اس لئے پسند تھا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ تھا اور اس لئے بھی کہ اہل عرب کے اسلام لانے میں زیادہ مؤثر تھا ﴿تو ضرور ہم پھیر دیں گے آپ کو﴾ ہم آپ کو پلٹ دیں گے ﴿اس قبلہ کی طرف جسے آپ پسند کرتے ہیں﴾ آپ محبوب رکھتے ہیں ﴿ابھی اپنا منہ پھیر لو﴾ نماز ہی میں متوجہ ہو جاؤ ﴿مسجد حرام کی طرف﴾ یعنی کعبہ کی طرف (اور اے مسلمانو) ﴿تم جہاں کہیں ہو﴾ خطاب امت کو ہے ﴿اپنا منہ کرو﴾ نماز میں ﴿اسی کی طرف اور وہ جنہیں کتاب ملی ہے ضرور جانتے ہیں کہ یہ﴾ یعنی کعبہ کی طرف پھرنا ﴿برحق ہے﴾ ثابت ہے ﴿ان کے رب کی طرف سے﴾ کہ ان کی کتابوں میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف سے یہ بھی ہے کہ آپ کعبہ کی طرف پھر جائیں گے ﴿اور اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ان کاموں سے جو وہ کرتے ہیں﴾ اگر "تا" کے ساتھ [تعملون] ہے تو مؤمنین کا حکم الٰہی پر عمل کرنا مراد ہے اور اگر "یا" کے ساتھ [یعملون] ہے تو یہود کا انکار قبلہ مراد ہے ﴿اور اگر﴾ لام قسمیہ ہے ﴿آپ ان کتابیوں کے پاس ہر نشانی لے کر آئیں﴾ تحویل قبلہ کے معاملہ میں اپنی صداقت پر ﴿پیروی نہیں کریں گے﴾ یعنی وہ اتباع نہیں کریں گے ﴿آپ کے قبلہ کی﴾ عناد کی وجہ سے ﴿اور نہ تم ان کے قبلہ کی پیروی کرو﴾ اس میں ان کے اسلام سے حضور کی امید منقطع کرنا ہے اور آپ کا ان کی طرف رجوع سے انھیں مایوس کرنا ہے ﴿اور وہ آپس میں بھی ایک دوسرے کے قبلہ کے تابع نہیں﴾ یعنی یہود، نصاریٰ کے قبلہ کے اور نصاریٰ یہود کے قبلہ کے تابع نہیں۔

توضیح و تشریح: قوله للتحقیق۔ چونکہ مضارع پر جب لفظ قد داخل ہوتا ہے تو عموماً توقع، تقلیل یا تکثیر کا فائدہ دیتا ہے، مگر یہاں قد توقع یا تقلیل کے لئے نہیں کہ پہلی صورت میں توقع کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگی جو صحیح نہیں اور تقلیل کے لئے ماننا اس لئے درست نہیں کہ ایک دو مرتبہ نظر اٹھانے والے کو مقلب البصر نہیں کہتے البتہ بعض مفسرینؒ نے یہاں قد تکثیر کے لئے مانا ہے مگر یہ ضعیف ہے۔ کما اشار الیه الصاوی بکلمة التمریض لہٰذا یہاں قد کا برائے تحقیق ہونا متعین ہو گیا اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں کہ بسا اوقات مضارع پر بھی قد تحقیقیہ داخل ہوتا ہے جیسے قد یعلم اللّٰه المعوقین (تحقیق کہ جانتا ہے اللہ تعالیٰ رکاوٹ ڈالنے والوں کو) یہاں قد برائے تحقیق ہے۔ مگر خیال رہے کہ یہاں قد تحقیقیہ اعتماد دلانے کے لئے نہیں بلکہ اظہار محبت کے لئے ہے کہ اعتماد وہاں دلاتے ہیں جہاں سامع کو متکلم کے کلام پر اعتماد نہ ہو اور یہاں ایسا نہیں۔

قوله: متطلعا الی الوحی الخ یہ حال محذوف کی طرف اشارہ ہے یعنی آپ اس حال میں آسمان کی طرف بار بار چہرہ اٹھاتے ہیں کہ آپ کو استقبال کعبہ کے حکم کا شوق اور وحی کا انتظار ہے، اس مقام پر تفسیر کبیر وغیرہ نے فرمایا کہ تحویل قبلہ سے پہلے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل سے فرمایا کہ میری مرضی ہے کہ کعبہ ہمارا قبلہ بنا دیا جائے، حضرت جبرئیل نے عرض کی کہ میں تو مامور ہوں اور آپ محبوب لہٰذا دعا فرمائیں، یہ کہہ کر آسمان پر گئے حضور علیہ السلام ان کے انتظار میں آسمان کی طرف دیکھتے تھے، تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

قولہ: و کان یود ذلك الخ یہاں سے مرضی رسول کی دو وجہوں کا بیان ہے یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم استقبال کعبہ کے متمنی اس لئے تھے کہ کعبہ آپ کے جد امجد حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کا قبلہ تھا اور چونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ملت ابراہیمی کے ناشر و شارح ہیں اس لئے آپ کی خوشی اس میں تھی کہ کعبہ آپ کا قبلہ ہو جائے علاوہ ازیں کعبہ معظمہ کا قبلہ ہونا اہل عرب کو اسلام کی طرف مائل کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ تھا۔ اس لئے بھی حضور استقبال کعبہ کے متمنی تھے۔

قولہ: نحولنك۔ یہ اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ یہاں لفظ نولی متعدی بیک مفعول ہے جس کے معنی صرف عن الشئ یا صرف الی الشئ کے ہوں گے، لہٰذا یہاں نولی کا مفعول ك ہوگا اور لفظ قبلة منصوب بنزع الخافض ہوگا اور اگر نُوَلّی متعدی بدو مفعول ہو تو ك مفعول اول ہوگا اور قبلة مفعول ثانی اس صورت میں فلنولینك کا معنی ہوگا فلنعتینك یہ دراصل رب تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وعدہ فرما رہا ہے کہ ''اے محبوب ہم آپ کو آپ کے پسندیدہ قبلہ کی طرف پھیر دیں گے'' پھر اگلے جملہ میں ایفائے عہد فرماتے ہوئے کعبہ کی طرف پھر جانے کا حکم صادر فرمایا۔

قولہ: نحو۔ یہ شطر کا معنی مراد ہے چونکہ لفظ شطر مشترک ہے دو مختلف معنوں میں ایک معنی ہے نصف و جزو شئی، دوسرا معنی ہے جہت و طرف، مفسر علام نے لفظ نحو سے اشارہ فرمایا کہ یہاں شطر کا دوسرا معنی مراد ہے۔ اور آیت میں وجہ بمعنی ذات ہے کہ نماز میں کعبہ کی طرف پوری ذات کو پھیرنا واجب ہے نہ کہ صرف چہرے کا۔

قولہ: ای الکعبة۔ یہ اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ یہاں مسجد حرام سے مراد عین کعبہ ہے یعنی اے محبوب آپ اپنے چہرے کو عین کعبہ کی طرف پھیر لیں، چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میزاب رحمت کی طرف رخ پھیر لیا، (صاوی) صحیح یہ ہے کہ عین کعبہ کی طرف رُخ کرنا صرف ان نمازیوں کے لئے واجب ہے جو کعبہ کے پاس حاضر ہوں دور والوں کے لئے چونکہ عین کعبہ کی طرف رُخ کرنا متعذر ہے اس لئے ان کے لئے جہت کعبہ کی طرف رُخ کرنا کافی ہے جس کی علامت یہ ہے کہ اگر کعبہ معظمہ سے ایک خط جنوب شمال میں نکالا جائے اور دوسرا نمازی کے سامنے سے کھینچا جائے جو کعبہ سے مشرقی مغربی جہت میں ہو اور پھر دونوں خطوں میں تقاطع ہو جائے تو استقبال کعبہ کا تحقق ہو جائے گا اور یہ جہت نمازی کو کفایت کرے گی یہی امام اعظم اور جمہور کا مذہب ہے اور اسی کو شوافع نے بھی ترجیح دی ہے۔ (کبیر) چنانچہ علامہ زمخشری اور صاحب مدارک وغیرہ نے آیت میں کعبہ کی بجائے مسجد الحرام فرمانے کی علت بھی یہی بیان کی ہے کہ کعبہ سے دور رہنے والوں کے لئے نماز میں عین کعبہ کی نہیں بلکہ مسجد حرام یعنی جہت کعبہ کی رعایت ضروری ہے۔

قولہ: بالتاء الخ یعنی یعلمون میں ایک قرأت تعلمون ہے جو ابن عامر، حمزہ اور کسائی کی ہے اس صورت میں اس آیت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے تسلی اور مؤمنین کے لئے جہت کعبہ میں ادائے نماز پر عطائے ثواب کی بشارت ہے اور یعلمون پڑھنے کی صورت میں اس آیت میں یہود کے لئے تحویل قبلہ پر معترض ہونے کی وجہ سے سزا کی وعید اور زجر و توبیخ ہے۔ (بیضاوی ملخصاً)

قولہ: لام قسم۔ یہ ترکیب نحوی کی طرف اشارہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ لام توطیہ قسم ہے۔ ان حرف شرط ہے

اور اتیت الخ فعل شرط ہے۔ آگے ماتبعوا الخ جواب قسم ہے اور جواب شرط محذوف ہے، کیونکہ نحو کا مشہور قاعدہ ہے کہ اگر قسم اور شرط جمع ہو جائیں تو ان میں جو متاخر ہوتا ہے اس کا جواب حذف کر دیا جاتا ہے۔

قوله: قطع لطمعه الخ یہ لف ونشر مرتب ہے کہ پہلا جملہ راجع ہے ما تبعوا قبلتك کی جانب اور دوسرا یعنی و طمعهم الخ راجع ہے وما انت الخ کی جانب، حاصل اس تفسیر کا یہ ہے کہ چونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ آرزو تھی کہ مخالفین آیات ومعجزات دیکھ کر کسی طرح گمراہی سے نکل کر راہ راست پر آجائیں بالخصوص تحویل قبلہ کے بارے میں مگر مخالفین کا انکار ان کی شقاوت ازلی کی وجہ سے حد سے تجاوز کر گیا تھا، ادھر مخالفین میں عام لوگوں کو جہالت کی وجہ سے یہ امید لگی تھی کہ حضور دوبارہ بیت المقدس کی طرف پھر جائیں گے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تسلی دی اور ان کی جانب سے کعبہ کو قبلہ ماننے کی جو حضور کو امید تھی اسے منقطع فرما دیا کہ مخالفین نادانی اور جہالت کی وجہ سے نہیں بلکہ جان بوجھ کر محض بغض وحسد کی وجہ سے حق سے چشم پوشی کر رہے ہیں، لہٰذا آپ ان کی طرف سے کعبہ کو قبلہ ماننے کی امید نہ رکھیں کہ وہ آپ کے قبلہ کو ماننے والے نہیں، ساتھ ہی جو مخالفین یہ امید لئے بیٹھے تھے کہ حضور دوبارہ بیت المقدس کو قبلہ مان لیں گے انہیں اس سے مایوس فرما دیا۔

قوله: ای الیهود الخ یہ الذین اوتوا الکتب کے مصداق کی طرف اشارہ ہے یعنی آیت میں اہل کتاب سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں اور دونوں کا قبلہ الگ الگ ہے یہود کا قبلہ بیت المقدس ہے اور نصاریٰ کا قبلہ مطلع شمس ہے۔ (صاوی)

فوائد: (۱) کعبہ عربی زبان میں چوکور مکان کو کہتے ہیں، چونکہ خانۂ کعبہ چوکور ہے اس لئے تسمیۃ المحاط باسم المحیط کے طور پر اسے کعبہ کہتے ہیں۔ (صاوی)

(۲) کعبہ شریف کو مسجد حرام کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی حرمت خدا کی طرف سے مقرر ہوئی ہے یا اس لئے کہ وہاں معاصی اور قتل وظلم کی سخت ممانعت ہے۔ (حقانی)

(۳) زمین میں سب سے پہلے جس مسجد کی بنیاد رکھی گئی وہ مسجد حرام ہے۔

(نزہۃ القاری جلد ۶ ص ۵۱۹، دائرۃ البرکات، گھوسی)

(۴) قبلہ بنائے کعبہ کا نام نہیں بلکہ وہ فضا ہے اور اس بناء کی محاذات میں ساتویں زمین سے عرش تک قبلہ ہی ہے، لہٰذا اگر وہ عمارت وہاں سے اٹھا کر دوسری جگہ رکھ دی گئی اور اب اس عمارت کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی نہ ہوگی یا کعبہ معظمہ کسی ولی کی زیارت کو گیا اور اس فضا کی طرف نماز پڑھی گئی تو ہو گئی۔ (بہار شریعت حصہ ۳، ص ۴۳، فاروقیہ، دہلی)

تحویل قبلہ کب کہاں اور کس نماز میں ہوئی:

تحویل قبلہ، ہجرت کے کتنے دنوں کے بعد ہوئی۔ اس بارے میں چھ اقوال ہیں: دو سال، سترہ مہینے، سولہ مہینے، دس مہینے، نو مہینے دو مہینے کے بعد، مہینہ کون تھا اس بارے میں چار اقوال ہیں: جمادی الآخرہ، رجب، شعبان، ذوالقعدہ صحیح اور راجح

یہ ہے کہ ہجرت کے سولہ مہینے تین دن پر پندرہ رجب دوشنبہ کو تحویل ہوئی، یہی امام احمد نے ابن عباس سے روایت کی ہے۔امام واقدی نے فرمایا یہی اثبت ہے، علامہ عینی اور علامہ ابن حجر نے اسے صحیح کہا اور اسی پر جمہور کا جزم ہے۔(نزہۃ القاری، جلد دوم، ۳۹۲، دائرۃ البرکات، گھوسی)

پھر تحویل قبلہ کس مسجد میں ہوئی اس سلسلہ میں مفسرین ومحدثین کا اتفاق ہے کہ مسجد بنوسلمہ میں ہوئی مگر کس نماز میں ہوئی اس میں اختلاف ہے بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز عصر میں ہوئی، مواہب اللدنیہ میں ابوسعید بن المعلی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز ظہر میں ہوئی جب کہ بخاری، مسلم، نسائی میں حضرت ابن عمر سے جو روایت ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نماز فجر میں ہوئی، علامہ ابن حجر عسقلانی نے ان روایات میں یہ تطبیق دی ہے کہ صحیح یہ ہے کہ تحویل قبلہ کی آیت بنی سلمہ کی مسجد میں نماز ظہر کی حالت میں اتری تھی اسی لئے اس مسجد کا نام مسجد قبلتین ہے اور مسجد نبوی میں تحویل کے بعد پوری پوری نماز عصر پڑھی گئی اور قباء میں تحویل کے بعد پہلی نماز فجر پڑھی گئی۔(فتح الباری جلد اول ص ۱۳۱، مطبوعہ مکتبہ اشرفیہ، دیوبند)

لہٰذا دیوبندی شارح یعنی صاحب کمالین کی یہ تحقیق کہ تحویل قبلہ ہجرت سے چھ ماہ بعد نصف رجب کو ظہر کی نماز سے پہلے ہوئی صحیح نہیں ہے، یوں ہی مسلم اور تفسیرات احمدیہ کی روایات کے درمیان تفسیر نعیمی کی یہ تطبیق کہ تبدیلی قبلہ فرض ظہر کے بعد سنت ظہر میں ہوئی، قابل غور ہے کیونکہ یہ صحیح روایات اور تحقیق محققین کے خلاف ہے۔

﴿وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاءَ هُمْ﴾ اَلَّتِیْ یَدْعُوْنَكَ اِلَیْهَا ﴿مِنْۢ بَعْدِ مَاجَآءَ كَ مِنَ الْعِلْمِ لا﴾ اَلْوَحْیِ ﴿اِنَّكَ اِذًا﴾ اِنِ اتَّبَعْتَهُمْ فَرَضًا ﴿لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ o﴾ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ﴾ اَیْ مُحَمَّدًا ﴿كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ط﴾ بِنَعْتِهٖ فِیْ كِتَابِهِمْ قَالَ ابْنُ سَلَامٍ لَقَدْ عَرَفْتُهٗ حِیْنَ رَاَیْتُهٗ كَمَا اَعْرِفُ ابْنِیْ وَ مَعْرِفَتِیْ لِمُحَمَّدٍ اَشَدُّ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ) ﴿وَ اِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ﴾ نَعْتَهٗ ﴿وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ o﴾ هٰذَا الَّذِیْ اَنْتَ عَلَیْهِ ﴿اَلْحَقُّ﴾ كَائِنًا ﴿مِنْ رَّبِّكَ فَلَاتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ﴾ اَلشَّاكِّیْنَ فِیْهِ اَیْ مِنْ هٰذَا النَّوْعِ فَهُوَ اَبْلَغُ مِنْ لَا تَمْتَرْ.

ترجمہ: ﴿اور [اے سننے والے کسے باشد] اگر تو ان کی خواہشوں پر چلا﴾ جس کی طرف وہ تجھ کو بلاتے ہیں ﴿بعد اس کے کہ تجھے علم مل چکا﴾ یعنی وحی ﴿تو اس وقت تو ضرور﴾ اگر تو بالفرض ان کی اتباع کر بیٹھے ﴿ستمگار ہوگا جنہیں ہم نے کتاب عطا فرمائی وہ پہچانتے ہیں انہیں﴾ یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ﴿جیسے وہ پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو﴾ آپ کی تعریف سے جو ان کی کتاب میں ہے حضرت عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ بے شک میں نے حضور کو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا جیسے اپنے بیٹے کو پہچانتا ہوں بلکہ حضور کو بیٹے سے بڑھ کر پہچانتا ہوں، (اسے بخاری نے روایت کی) ﴿اور بے شک ان میں کا ایک گروہ حق چھپاتا ہے﴾ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف ﴿جان بوجھ کر﴾ کہ آپ جس طریقہ پر ہیں ﴿یہ حق ہے﴾ ثابت ہے ﴿تمہارے رب کی طرف سے تو خبردار تو شک نہ کرنا﴾ اس میں شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا یعنی تم اس قسم سے ہونا ہی نہیں لہٰذا یہ طرز تعبیر لفظ لا تمتر سے ابلغ ہے۔

توضیح و تشریح: قوله: التی یدعونك الیها۔ اس سے مراد بیت المقدس کی طرف پھرنا ہے کہ یہی یہود کی خواہش تھی اور اسی میں ان کی رضا تھی کہ مسلمان کعبہ کی بجائے بیت المقدس کو قبلہ مانیں اور ان کی اس خواہش کو ھوا سے اس لئے تعبیر فرمایا کہ اصطلاح میں ھوا وہ عقیدہ کہلاتا ہے جسے انسان باطل سمجھتے ہوئے اختیار کرے، چونکہ یہود حق جان کر بھی کعبہ کو قبلہ ماننے سے انکار کررہے تھے اور بیت المقدس ہی کو قبلہ ماننے پر مصر تھے اس لئے اسے ہوا سے تعبیر فرمایا، مگر خیال رہے کہ اس آیت میں بظاہر خطاب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے لیکن مراد امت ہے۔ (ابن کثیر) محض مضمون کی اہمیت کے باعث حضور علیہ السلام کی طرف نسبت کی گئی ہے۔

قولہ: الوحی۔ اس آیت میں بھی چونکہ بظاہر خطاب حضور سے ہے اور مراد امت ہے لہٰذا اس آیت میں علم سے مراد تحویل قبلہ کا دائمی حکم ہے جو ثابت ہے وحی الٰہی سے، مگر خیال رہے یہاں تینوں آیتوں میں اتبعت، ماجاءك اور انك میں خطاب کس سے ہے؟ اس سلسلہ میں تین اقوال ہیں بعض نے کہا کہ یہاں خطاب صرف حضور علیہ السلام سے ہے، بعض نے کہا کہ نبی اور امت دونوں سے اور ایک قول یہ ہے کہ صرف امت سے خطاب ہے یہی زیادہ صحیح ہے۔ (تفسیر نعیمی) لیکن مفسر علام کے نزدیک پہلا قول صحیح ہے اسی لئے علم کی تفسیر وحی سے فرمائی اور آنے والی تفسیر بھی اسی قول کے مطابق ہے۔ اس قول پر تینوں مقامات پر خطاب تذکیر وتنبیہ پر محمول ہوگا۔ (خازن)

قولہ: ای محمداً۔ یعرفونه کی ضمیر کے مرجع کے تعلق سے تین احتمالات ہیں پہلا یہ کہ ضمیر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف لوٹ رہی ہے، دوسرا احتمال یہ ہے کہ کعبہ معظمہ کی طرف لوٹ رہی ہے، تیسرا احتمال یہ کہ تبدیلی قبلہ کی طرف، پہلا احتمال چونکہ زیادہ قوی ہے کہ آگے بیٹوں کی معرفت سے تشبیہ دی جارہی ہے، لہٰذا مفسر علام نے اسی احتمال کو پسند فرمایا اور ماقبل میں و ماانت بتابع میں حضور کا ذکر ہوچکا ہے اس لئے ادھر ضمیر لوٹانے میں کوئی حرج بھی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

قولہ: و معرفتی لمحمد اشد جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سلام سے اس کی وجہ دریافت فرمائی کہ آپ کو حضور کی شناخت بیٹے کی شناخت سے زیادہ کیسے ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ بیٹے کی شناخت ظنی ہے کہ بیوی میں تو خیانت کا احتمال ہے مگر حضور کی معرفت یقینی ہے کہ آپ کی نبوت کی خبر اللہ تعالیٰ نے دی ہے اور اللہ تعالیٰ کی خبر سے زیادہ سچی کوئی اور خبر نہیں ہوسکتی، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی پیشانی چوم لی۔ (صاوی، روح المعانی)

خیال رہے یہاں آیت میں تشبیہ المفرد بالمفرد ہے کہ ایک شی یعنی معرفت عقلیہ (حضور کی معرفت) کو دوسری شی یعنی معرفت حسیہ (بیٹے کی معرفت) سے تشبیہ دی گئی ہے اور وجہ شبہ عدم اشتباہ ہے۔

قولہ: کائنا۔ یہ اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ آیت میں من ربك کا متعلق کائناً محذوف ہے جو حال واقع ہے الحق سے، اور الحق مبتداء محذوف کی خبر ہے اصل میں ھو الحق ہے، یہاں ترکیب میں دوسرے احتمالات بھی ہیں۔

قولہ: فھو ابلغ من لاتمتر، فلاتکونن من الممترین تین وجوہ سے بنسبت لاتمتر ابلغ ہے اوّل یہاں بظاہر خطاب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے مگر کنایۃً امت کو خطاب ہے اور کنایہ حقیقت سے ابلغ ہوتا ہے۔ دوم

لاتکونن نون تاکید کی وجہ سے مؤکد ہے اور لاتمتر غیر مؤکد، اور ظاہر ہے مؤکد غیر مؤکد سے ابلغ ہوتا ہے، سوم لاتکونن میں نہی عام ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امر حق میں جو بھی شک کرے گا وہ خسارے میں پڑے گا، اور یہ فائدہ لاتمتر سے حاصل نہیں بلکہ اس سے بسا اوقات یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ شک صرف مخاطب کے لئے نقصان دہ ہے۔

شبہات کا ازالہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معرفت کو بیٹے کی معرفت سے تشبیہ دینے میں چند شبہات پیدا ہوتے ہیں اوّل یہ کہ جب بیٹے کی معرفت ظنی ہے تو حضور کی معرفت بدرجۂ اولیٰ ظنی ہونی چاہیے، کیونکہ مشبہ بہ کے مقابلہ میں مشبہ کمزور ہوتا ہے جیسے زید کالاسد میں زید بہرحال اسد سے کمزور ہے۔

دوم تشبیہ صرف بیٹوں سے کیوں دی؟ بیٹیوں کا ذکر کیوں نہ فرمایا؟ سوم تشبیہ ذات سے کیوں نہیں دی گئی؟ یعنی کما یعرفون ابنائھم کی بجائے کما یعرفون انفسھم کیوں نہیں فرمایا؟ کہ اپنی پہچان زیادہ قوی ہوتی ہے۔ جوابات حسب ترتیب یوں ہیں: (۱) یہاں نفس بنوت یعنی بیٹے کا بیٹا ہونا ملحوظ نہیں بلکہ بیٹے کی ذات اور اس کی صورت ملحوظ ہے یعنی جیسے آدمی اپنے بچے کی شکل دیکھ کر، اس کی آواز سن کر اور اس کی چال ڈھال دیکھ کر بلاتردد پہچان لیتا ہے کہ یہ میرا بچہ ہے، اسی طرح حضور کی شکل وشباہت اور آپ کی رفتار وگفتار سے آپ کی نبوت ظاہر ہے جس پر نظر پڑتے ہی اہل کتاب نے یقینی طور پہ آپ کو پہچان لیا کیونکہ آپ کے اوصاف پچھلی کتابوں میں موجود ہیں اور چونکہ یہ اوصاف اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا اور ان کا اعلان انبیاء نے کیا لہٰذا ان کے حق ہونے میں کوئی اشتباہ نہیں، اس تفصیل سے واضح ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معرفت بیٹے کی معرفت سے قوی ہے۔ (روح المعانی ملخصاً)

(۲) بیٹا بیٹی سے اشہر ہوتا ہے کہ اسے باپ کے علاوہ دوسرے لوگ بھی پہچانتے ہیں کہ یہ فلاں کا بیٹا ہے مگر بیٹی کو دوسرے نہیں پہچانتے، نیز بیٹا سے ربط وضبط بہ نسبت بیٹی کے زیادہ ہوتا ہے کہ بسا اوقات بیٹی باپ کی نظروں سے برسوں غائب رہتی ہے اس لئے بسا اوقات دور سے دیکھ کر بیٹی کو نہیں پہچانا جاسکتا ہے، اس سے ظاہر ہوا کہ بیٹی کی معرفت بیٹا کی معرفت سے کمزور ہے جس کی وجہ سے تشبیہ میں بیٹی کا ذکر نہ فرمایا (ایضاً) (۳) ذات سے تشبیہ اس لئے نہ دی کہ شروع ولادت میں انسان کو اپنی پہچان نہیں ہوتی بلکہ ہوش سنبھالنے پر ہوتی ہے مگر بیٹے کی ولادت ہی سے باپ اسے پہچانتا اور اس کے نام واوصاف سے واقف ہوتا ہے لہٰذا بیٹے کی معرفت اپنی ذات کی معرفت سے قوی ہے۔ (روح البیان)

﴿وَ لِكُلٍّ﴾ مِنَ الْاُمَمِ ﴿وِجْهَةٌ﴾ قِبْلَةٌ ﴿هُوَ مُوَلِّيْهَا﴾ وَجْهَهٗ فِيْ صَلٰوتِهٖ وَ فِيْ قِرَاْءَةٍ مُوَلَّاهَا ﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ط﴾ بَادِرُوْا اِلَى الطَّاعَاتِ وَ قَبُوْلِهَا ﴿اَيْنَ مَاتَكُوْنُوا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ط يَجْمَعُكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيُجَازِيْكُمْ بِاَعْمَالِكُمْ ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ وَّ مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ﴾ لِسَفَرٍ ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ اِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○﴾ بِالتَّاءِ وَ الْيَاءِ تَقَدَّمَ مِثْلُهٗ وَ كَرَّرَهٗ لِبَيَانِ تَسَاوِيْ حُكْمِ السَّفَرِ وَغَيْرِهٖ ﴿وَ مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ لا﴾ كَرَّرَهٗ لِلتَّاكِيْدِ ﴿لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ﴾

الْیَهُوْدِ اَوِ الْمُشْرِکِیْنَ ﴿عَلَیْکُمْ حُجَّةٌ ۙ﴾ اَیْ مُجَادَلَةٌ فِی التَّوَلِّیْ اِلٰی غَیْرِهَا اَیْ لِیَنْتَفِیَ مُجَادَلَتُهُمْ لَکُمْ مِنْ قَوْلِ الْیَهُوْدِ یَجْحَدُ دِیْنَنَا وَ یَتَّبِعُ قِبْلَتَنَا وَ قَوْلِ الْمُشْرِکِیْنَ یَدَّعِیْ مِلَّةَ اِبْرَاهِیْمَ وَ یُخَالِفُ قِبْلَتَهٗ ﴿اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ﴾ بِالْعِنَادِ فَاِنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا تَحَوَّلَ اِلَیْهَا اِلَّا مَیْلًا اِلٰی دِیْنِ اٰبَائِهٖ وَ الْاِسْتِثْنَاءُ مُتَّصِلٌ وَ الْمَعْنٰی لَایَکُوْنُ لِاَحَدٍ عَلَیْکُمْ کَلَامٌ اِلَّا کَلَامُ هٰؤُلَاءِ ﴿فَلَا تَخْشَوْهُمْ﴾ تَخَافُوْا جِدَالَهُمْ فِی التَّوَلِّیْ اِلَیْهَا ﴿وَاخْشَوْنِیْ﴾ بِامْتِثَالِ اَمْرِیْ ﴿وَ لِاُتِمَّ﴾ عَطْفٌ عَلٰی لِئَلَّا یَکُوْنَ ﴿نِعْمَتِیْ عَلَیْکُمْ﴾ بِالْهِدَایَةِ اِلٰی مَعَالِمِ دِیْنِکُمْ ﴿وَ لَعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝﴾ اِلَی الْحَقِّ ﴿کَمَا اَرْسَلْنَا﴾ مُتَعَلِّقٌ بِاُتِمَّ اَیْ اِتْمَامًا کَاِتْمَامِهَا بِاِرْسَالِنَا ﴿فِیْکُمْ رَسُوْلًا مِّنْکُمْ﴾ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ﴿یَتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِنَا﴾ الْقُرْاٰنَ ﴿وَ یُزَکِّیْکُمْ﴾ یُطَهِّرُکُمْ مِنَ الشِّرْکِ ﴿وَ یُعَلِّمُکُمُ الْکِتٰبَ﴾ اَلْقُرْاٰنَ ﴿وَ الْحِکْمَةَ﴾ مَا فِیْهِ مِنَ الْاَحْکَامِ ﴿وَ یُعَلِّمُکُمْ مَّا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝ؕ فَاذْکُرُوْنِیْ﴾ بِالصَّلٰوةِ وَ التَّسْبِیْحِ وَ نَحْوِهٖ ﴿اَذْکُرْکُمْ﴾ قِیْلَ مَعْنَاهُ اُجَازِیْکُمْ وَ فِی الْحَدِیْثِ عَنِ اللّٰهِ مَنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ نَفْسِهٖ ذَکَرْتُهٗ فِیْ نَفْسِیْ وَ مَنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ مَلَأٍ ذَکَرْتُهٗ فِیْ مَلَأٍ خَیْرٍ مِنْ مَلَئِهٖ ﴿وَ اشْکُرُوْا لِیْ﴾ نِعْمَتِیْ بِالطَّاعَةِ ﴿وَ لَا تَکْفُرُوْنِ ۝﴾ بِالْمَعْصِیَةِ. (اٰیة ۱۸، ۲ ع)

حل اللغات: ﴿الامم﴾ جماعتیں، لوگوں کا گروہ واحد الامة ﴿بادروا الی الطاعات﴾ نیکیوں کی جانب ایک دوسرے پر سبقت کرو، جلدی کرو ﴿فیجازیکم﴾ تمہیں بدلہ دے گا، از مجازاۃ ﴿مجادلۃ﴾ جھگڑنا، کٹ حجتی کرنا، ﴿یجحد﴾ از جحداً و جحوداً (ف) جھٹلانا، باوجود علم کے انکار کرنا ﴿ما تحول الیها الا﴾ اس کی طرف نہیں پھرے مگر ﴿جدالهم﴾ ان کی کٹ حجتی ﴿معالم﴾ راستہ کی نشانیاں واحد معلم ﴿مافیه من الاحکام﴾ اس میں جو احکام ہیں ﴿اجازیکم﴾ میں تمہیں بدلہ دوں گا ﴿الملأ﴾ جماعت، اشراف قوم جن سے دلوں میں ہیبت طاری ہو ﴿المعصیة﴾ نافرمانی جمع المعاصی۔

ترجمہ: ﴿اور ہر ایک کے لئے﴾ امتوں میں سے ﴿توجہ کی ایک سمت ہے﴾ قبلہ ہے ﴿وہ اسی کی طرف منہ کرتا ہے﴾ اپنا رخ اپنی نماز میں اور ایک قرأۃ میں مولاها ہے ﴿پس آگے بڑھ جاؤ دوسروں سے نیکیوں میں﴾ سبقت لے جاؤ نیکیاں کرنے اور ان کے قبول کرنے میں ﴿تم کہیں ہو اللہ تم سب کو اکھٹا لے آئے گا﴾ تمہیں قیامت کے دن جمع فرمائے گا پھر تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ دے گا ﴿بے شک اللہ جو چاہے کرے ہر چیز پر قادر ہے اور جہاں سے بھی آپ نکلیں﴾ سفر کے لئے ﴿تو موڑ لیا کریں اپنا رخ مسجد حرام کی طرف اور بے شک یہی حق ہے آپ کے رب کی طرف سے اور اللہ تمہارے کاموں سے غافل نہیں﴾ تعلمون تا اور یا کے ساتھ ہے ایسی آیت گزر چکی ہے اور اس کی تکرار سفر و حضر کے حکم کی برابری بیان کرنے کے لئے ہے۔ ﴿اور جہاں سے بھی آپ نکلیں تو موڑ لیا کریں اپنا رخ مسجد حرام کی طرف اور اے مسلمانو! تم جہاں کہیں ہو اپنا منہ اسی کی طرف کرو﴾ اسے تاکید کے لئے مکرر فرمایا ﴿تاکہ نہ رہے لوگوں کو﴾ یہود یا مشرکین کو ﴿تم پر کوئی حجت﴾ یعنی غیر کعبہ کی طرف رخ پھیرنے کے سلسلہ میں کوئی جھگڑا نہ رہے یعنی تم سے اب ان کی یہ کٹ حجتی ہی ختم ہو جائے گی جو یہود کہتے

ہیں کہ ہمارے دین کو جھٹلاتے ہیں اور ہمارے قبلہ کا اتباع کرتے ہیں اور جو مشرکین کہتے ہیں کہ ملت ابراہیم پر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان کے قبلہ کی مخالفت کرتے ہیں ﴿مگر جو ان میں ناانصافی کریں﴾ عناد کی وجہ سے کہ وہ تو کہیں گے کہ آپ کعبہ کی طرف نہ پھرے مگر اپنے آبائی دین کی طرف میلان کی وجہ سے اور استثناء متصل ہے اور معنی ہوگا اب کسی کو آپ پر اعتراض کی گنجائش نہ رہے گی سوائے ان لوگوں کے اعتراض کے ﴿توان سے نہ ڈرو﴾ کعبہ کی طرف پھرنے کے سلسلہ میں ان کی کٹ حجتی سنے نہ ڈرو ﴿اور مجھ سے ڈرو﴾ میرے حکم کی اطاعت کرکے ﴿تاکہ میں پورا کروں﴾ یہ لئلایکون پر عطف ہے ﴿اپنا انعام تم پر﴾ دین کی نشانیوں [احکام] کی طرف رہنمائی کرکے ﴿اور کسی طرح تم ہدایت پاؤ﴾ راہ حق کی جانب ﴿جیسا کہ بھیجا ہم نے﴾ یہ متعلق ہے اتم کا، اصل میں یوں ہے اتم اتـمـامـا کاتمامها بارسالنا ﴿تمہارے پاس ایک رسول تم میں سے﴾ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ﴿کہ تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے﴾ قرآن ﴿اور تمہیں پاک کرتا ہے﴾ تمہیں شرک سے پاک فرماتے ہیں ﴿اور تمہیں کتاب سکھاتا ہے﴾ قرآن ﴿اور پختہ علم﴾ اس میں جو احکام ہیں ﴿اور تمہیں وہ تعلیم فرماتا ہے جس کا تمہیں علم نہ تھا تو میری یاد کرو﴾ نماز اور تسبیح وغیرہ سے ﴿میں تمہارا چرچا کروں گا﴾ کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے میں تمہیں جزادوں گا اور حدیث قدسی میں ہے کہ جس نے مجھے اپنے دل میں یاد کیا میں بھی اسے ایسے ہی یاد کرتا ہوں اور جو مجھے مجمع عام میں یاد کرے تو میں اس سے بہتر مجمع میں اسے یاد کرتا ہوں ﴿اور میرا شکرادا کرو﴾ میری نعمت کا شکر اطاعت کے ذریعہ ﴿اور میری ناشکری نہ کرو﴾ نافرمانی کرکے۔

توضیح و تشریح: قـولـه: من الامم یہ لفظ کل کے مضاف الیہ محذوف کی طرف اشارہ ہے جس کے عوض مضاف پر تنوین آئی ہے، آگے حضرت مفسر نے لفظ قبلة سے لفظ وجهة کے اسم تام ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے جس سے صرفی قاعدہ کے لحاظ سے پیدا ہونے والے ایک شبہ کا ازالہ بھی ہوگیا، جس کا حاصل یہ ہے کہ معتل کے قاعدہ نمبر۲ کے مطابق وجهة کی واؤ گر جانی چاہئے جیسے کہ زنة اور عـدة سے گرگئی جواب یہ ہے کہ واؤ یا تو فعل سے گرتی ہے یا فعل کی اتباع میں مصدر سے اور یہ نہ فعل ہے نہ مصدر بلکہ مقصد اور قبلہ کے معنی میں اسم مکان یعنی اسم تام ہے اور زنة وعـدة مصدر ہیں اور اگر اسے مصدر مانا جائے تو واو خلاف قیاس اصل پر دلالت کرنے کے لئے ہے۔ (صاوی)

خیال رہے یہ آیت بھی تحویل قبلہ پر ہونے والے اعتراضات کا ایک مسکت جواب ہے کہ مسلمانوں سے پہلے جتنی امتیں گزری ہیں سب کے لئے ایک ایک سمت عبادت کے لئے مقرر تھی۔ لہٰذا اگر پیغمبر اسلام نے اپنے رب کے حکم سے کعبہ کو اپنی امت کا قبلہ مقرر فرمادیا تو یہ کوئی انوکھی بات نہیں جس پر اعتراض کیا جائے بلکہ حکمت الٰہی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ کعبہ جسے ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام کے مقدس ہاتھوں نے تعمیر کیا ملت ابراہیمی کے علمبردار اور نسل اسمٰعیل کے نبی کا قبلہ ہو۔

(تفسیر ضیاء القرآن ملخصاً)

اس مقام پر علامہ آلوسی قدس سرہ نے ایک قول یہ بھی نقل فرمایا کہ ہر ایک کا قبلہ الگ ہے ملائکہ مقربین کا قبلہ عرش اعظم ہے، روحانیین کا قبلہ کرسی، کروبین کا قبلہ بیت المعمور، قبلۂ انبیاء (نبی اسرائیل) بیت المقدس حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا

قبلۂ جسم کعبہ معظمہ اور آپ کا کعبۂ روح اللہ تعالیٰ اور خود اللہ تعالیٰ کا قبلہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں (یعنی حضور پر اللہ تعالیٰ کی نظر کرم ہر وقت رہتی ہے) (روح المعانی)

قولہ: وجهه الخ یہ مولیها کے مفعول ثانی محذوف کی طرف اشارہ ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ مولی (بالکسر) اسم فاعل ہے اور اس کی ضمیر لفظ کل کی جانب لوٹتی ہے، ھـــا مفعول اول اور وجہہ محذوف مفعول ثانی ہے اس میں دوسری قرأۃ مولاھا (بالفتح) ابن عامر کی ہے اس تقدیر پر یہ اسم مفعول کا صیغہ ہوگا لہٰذا نائب فاعل مفعول اول اور ھا مفعول ثانی ہوگا، پہلی تقدیر پر آیت کا معنی ہوگا۔ ہر گروہ کے لئے ایک قبلہ ہے جس کی طرف وہ رخ کرتا ہے۔ اور دوسری تقدیر پر معنی ہوگا ہر گروہ کا ایک قبلہ ہے جس کی طرف وہ پھیرا جاتا ہے۔

قولہ: لسفر۔ اس تفسیر سے ظاہر ہے کہ حالت سفر میں مطلقاً استقبال قبلہ ضروری ہے خواہ فرض ہو یا نفل مگر صحیح یہ ہے کہ حالت سفر میں استقبال قبلہ صرف فرض اور واجب نمازوں میں ضروری ہے اور نوافل میں اگر عذر معقول ہو تو استقبال قبلہ شرط نہیں مثلاً نفل نماز اگر سواری پر پڑھ رہا ہو تو استقبال شرط نہیں نہ نماز شروع کرتے وقت اور نہ حالت نماز میں بلکہ سواری جدھر جا رہی ہو ادھر ہی نمازی کا رخ ہونا ضروری ہے اور اگر ادھر رخ نہ ہو تو نماز جائز نہیں۔

(ردالمحتار جلد ۱، ص ۶۵۴ بحوالہ بہار ۴، ص ۱۷، فاروقیہ)

قولہ: کرره لبیان الخ اس عبارت سے اور آگے کرره للتاکید سے اس شبہ کا ازالہ مقصود ہے کہ بلاغت کے لحاظ سے کلام میں تکرار محض جائز نہیں اور یہاں آیات میں تکرار ہے، ازالہ کا حاصل یہ ہے کہ یہاں پہلی آیت میں حالت سفر کا حکم بیان فرمایا ہے کہ سفر میں نمازی قبلہ کی طرف رخ کرے، لہٰذا یہ شبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ حالت اقامت کا حکم کچھ اور ہوگا، اس شبہ کو دور کرنے کے لئے دوسری آیت میں سفر و حضر میں حکم کی مساوات کو بیان فرمایا اور چونکہ نسخ قبلہ بڑی اہمیت کا حامل تھا کہ اسلام میں پہلا نسخ تھا لہٰذا اس حکم کی غرابت کے پیش نظر بطور تاکید تیسری آیت نازل فرمائی، اس سے واضح ہو گیا کہ یہاں تکرار بے فائدہ نہیں کہ بلاغت کے خلاف ہو۔ (صاوی وحقانی ملخصاً)

قولہ: الیهود و المشرکین۔ یہ الناس کا معنی مراد ہے چونکہ یہود اور مشرکین دونوں ہی کو مسلمانوں پر اعتراض تھا جس کا بیان مفسر علام نے من قول الیهود سے کیا ہے، لہٰذا یہاں الناس سے معترضین یعنی یہود اور مشرکین ہی مراد ہیں، آگے حجۃ کی تفسیر مجادلۃ سے کرکے مفسر علام نے اشارہ فرمایا ہے کہ یہاں اس سے قوی دلیل نہیں بلکہ اعتراضات فاسدہ مراد ہیں دراصل یہاں اس آیت میں تحویل قبلہ کی ایک حکمت کا بیان مقصود ہے جس سے معترضین کا منہ بند ہو، اس طرح کہ مشرکین کا اعتراض یہ تھا کہ مسلمان ملت ابراہیمی پر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور قبلۂ ابراہیمی کی مخالفت، اور یہود کا اعتراض تھا کہ مسلمان ہر معاملہ میں ہمارے مخالف ہیں مگر قبلہ کے معاملہ میں ہمارے تابعدار ہیں تحویل قبلہ کے بعد مشرکین کا اعتراض رفع ہو گیا کہ قبلہ ابراہیمی کی طرف مسلمانوں نے بحکم خدا رخ کر لیا اور یہود کا اعتراض بھی ختم ہو گیا کہ مسلمان قبلہ میں بھی ان کے موافق نہ رہے۔

قـولـه: و الاستثناء متصل الخ یہ اس شبہ کا ازالہ ہے کہ تحویل قبلہ سے پہلے مسلمانوں پر اعتراض کرنے والے ظالم نہیں تھے بلکہ تحویل کے بعد جو معترضین ہیں وہی ظالم ہیں، ازالہ کا حاصل یہ ہے کہ آیت میں استثناء متصل ہے یعنی تحویل سے پہلے اعتراض کرنے والے بھی ظالم ہیں اور تحویل کے بعد اعتراض کرنے والے بھی جیسے "مـا جـاء نی قوم الا زید" میں استثناء متصل ہے کہ زید قوم ہی کا ایک فرد ہے۔ البتہ حکم میں قوم کے ساتھ نہیں، اسی طرح آیت میں استثناء متصل کا مطلب یہی ہے کہ تحویل سے پہلے اور اس کے بعد اعتراض کرنے والے دونوں ظالم ہیں۔ البتہ تحویل سے پہلے اعتراض کرنے والوں کا منہ تو بند ہو گیا مگر انہیں میں کچھ ظالمین ایسے ہیں جواب بھی اعتراض سے باز نہ آئیں گے اور وہ از راہ عنادیوں کہیں گے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم محض اپنے آباء واجداد کے دین کی طرف میلان کی وجہ سے بیت المقدس چھوڑ کر خانۂ کعبہ کی طرف پھر گئے وغیر ذلك۔

قوله تخافوا جدالهم الخ یہ فلا تخشوهم کا مفہوم ہے یعنی غیر منصف اور جھگڑالو قسم کے لوگ بیجا اعتراض سے باز آنے والے نہیں مگر وہ کسی کے نفع ونقصان کے مالک بھی نہیں لہٰذا ان کے اعتراضات سے صرف نظر کر کے محض میری اطاعت میں لگے رہو کہ یہی فلاح دارین کا سبب ہے، اس آیت میں اشارہ اس امر کی طرف بھی ہے کہ اہل حق نکتہ چینی کرنے والوں کی زبان طعن سے محفوظ نہیں ہو سکتے بہر صورت ان پر اعتراض ضرور ہوگا، لہٰذا دین حق کے خدام اور مبلغین کو چاہئے کہ وہ کار خیر پر اعتراضات سے کبیدہ خاطر نہ ہوں اور سارے اعتراضات سے بے پرواہ ہو کر اللہ جل جلالہ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا جوئی میں لگے رہیں کہ اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے۔

قـولـه: عـطف علی لئلایکون. لئلایکون پر عطف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تحویل قبلہ کی متعدد حکمتیں ہیں مؤمن اور منافق کے درمیان امتیاز ہونا، یہود اور مشرکین کے اعتراضات کو دفع کرنا، کعبہ کو قبلہ بنا کر اتمام نعمت کرنا، راہ حق پر گامزن رکھنا (صاوی)

قـولـه: متعلق باتم الخ اتم سے متعلق ہونے کی صورت میں اصل عبارت یوں ہوگی و لا تـم نعمتی علیکم فی امر القبلة او فی الاٰخرة بالثواب کما اتممتها علیکم فی الدنیا بارسال رسول منکم (بیضاوی) البتہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ تحویل قبلہ سے ہی بندوں پر نعمت الٰہی پوری ہوگئی جب کہ سورۂ مائدہ کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حجۃ الوداع میں پوری ہوئی جیسا کہ ارشاد ہے: "الیـوم اکـملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی" لہٰذا دونوں آیتیں بظاہر متضاد معلوم ہوتی ہیں، جواب اس کا یہ ہے کہ یہاں نعمت سے نعمت قبلہ کا اتمام مراد ہے کہ ایک قبلہ سے افضل واشرف کی طرف تبدیلی ہوئی اور سورۂ مائدہ میں ارکان دین واحکام شرعیہ کی تکمیل مراد ہے کہ اس کے بعد کوئی حکم منسوخ نہ ہوا لہٰذا دونوں آیتوں میں تضاد نہیں۔ (صاوی وعزیزی)

قـولـه: مافیه من الاحکام. یعنی فقہ اور قرآن کے باطنی علوم جن کا احاطہ غیر نبی کے لئے مشکل تر ہے، آگے کی آیت یعنی یعلمکم الخ عطف العام علی الخاص ہے۔

خیال رہے یہاں آیت میں یعلمکم کا صیغہ دومرتبہ وارد ہے جس سے بظاہر تکرار کا شبہ پیدا ہوتا ہے مگر حقیقتاً تکرار نہیں کہ دونوں مقامات پر دوقسم کے علوم مراد ہیں چنانچہ عارف ربانی قاضی ثناء اللہ پانی پتی اس مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ یعلم کا تکرار اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ تعلیم دوسری جنس سے ہے۔ (کتاب وحکمت سے الگ نوعیت کی) اور غالباً اس سے مراد علم لدنی ہے جو قرآن کے باطن اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منور سینہ سے حاصل ہوتا ہے جس کے حصول کا ذریعہ انعکاس ہے۔(یعنی قلب صافی پر انوار وتجلیات الٰہی کا پڑنا) (تفسیر مظہری بحوالہ ضیاء القرآن)

قولہ: بالصلوٰۃ الخ ذکر کی تفسیر صلوٰۃ سے اس لئے فرمائی کہ نماز ذکر کی تمام اقسام کو جامع ہے جس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ ذکر یا تو زبان سے ہوگا یا اعضاء وجوارح سے یا قلب سے اور نماز میں یہ سارے اذکار موجود ہیں اس طرح کہ قرأۃ، تکبیر، تسبیح، دعاء ذکر باللسان ہیں، رکوع وسجود ذکر بالجوارح ہیں خشوع وخضوع ذکر بالقلب ہیں۔ دراصل یہاں ذکر کی تاکید اس لئے فرمائی کہ اسی کے ذریعہ تزکیۂ قلب ہوتا ہے جس کے بعد قلب انعکاس تجلیات الٰہی کے لائق بنتا ہے اور اس پر ماہتاب نبوت کی شعائیں منعکس ہوتی ہیں چنانچہ عارف باللہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی اس مقام پر لکھتے ہیں (ترجمہ) چونکہ ان معارف کے حاصل ہونے کا ذریعہ صرف القاء اور انعکاس ہے اور کثرت ذکر ومراقبہ سے ہی دل میں یہ صلاحیت پیدا ہوتی ہے کہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پرنور سینہ سے بلاواسطہ یا بالواسطہ فیضان والقاء قبول کرسکے اس لئے حکم دیا کہ میرا ذکر کیا کرو۔(تفسیر مظہری بحوالہ ضیاء القرآن)

قولہ: و فی الحدیث عن اللہ الخ یہ پوری حدیث قدسی صحیح مسلم شریف میں بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یوں ہے۔ (ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اللہ عزوجل فرماتا ہے میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں جس وقت وہ میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں، اگر وہ اپنے دل میں میرا ذکر کرے تو میں تنہا اس کا ذکر کرتا ہوں، اگر وہ جماعت میں میرا ذکر کرے تو میں اس سے بہتر جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں اگر وہ بقدر ایک بالشت میرے قریب ہو تو میں بقدر ایک ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہوں اور اگر وہ بقدر ایک ہاتھ میرے قریب ہو تو میں بقدر چار ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہوں، اگر وہ میرے پاس چل کر آئے تو میں دوڑتا ہوا اس کے پاس آتا ہوں۔ (باب الحث علی ذکر اللہ تعالیٰ)

اس حدیث میں چند امور قابل غور ہیں اوّل رب فرماتا ہے ''میں اپنے بندہ کے گمان کے ساتھ ہوں'' ثانی فرماتا ہے ''جب بندہ میرا ذکر کرے تو میں اس کے ساتھ ہوں'' ثالث فرماتا ہے ''بندہ اپنے نفس میں میرا ذکر کرے تو میں اپنے نفس میں اس کا ذکر کرتا ہوں'' رابع فرماتا ہے ''میں بقدر ایک ہاتھ بندہ کے نزدیک ہوتا ہوں، خامس فرماتا ہے ''اگر بندہ چلتا ہوا آئے تو میں دوڑتا ہوا آتا ہوں'' مذکورہ سب معانی اللہ تعالیٰ کے لئے محال ہیں کہ ان سے باری تعالیٰ کے لئے جسم وجسمانیت کا ثبوت ہوتا ہے حالانکہ وہ جسم وجسمانیت سے پاک ہے، اسی طرح اس حدیث کا ایک ٹکڑا ہے کہ بندہ میرا ذکر جماعت میں کرے تو میں اس سے افضل جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں'' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فرشتے انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں کیونکہ اگر صحابہ نے مثلاً حضور کی مجلس میں اللہ کا ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ ان کا ذکر فرشتوں کی مجلس میں کرتا ہے جنھیں وہ خود افضل فرما رہا ہے۔

اب حدیث پاک کا مطلب حسب ترتیب ملاحظہ ہو بندہ کے گمان کے ساتھ ہونے کا مطلب قاضی عیاض نے یوں بیان کیا کہ جب بندہ مغفرت طلب کرے تو میں اس کی مغفرت کر دیتا ہوں اور جب توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول کر لیتا ہوں اور جب کچھ طلب کرے تو اس کو عطا کر دیتا ہوں، ذاکر کے ساتھ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ میری رحمت، میری توفیق، میری ہدایت اور میری اعانت اس کے ساتھ ہوتی ہے اور نفس میں ذکر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب بندہ میرا تنہا ذکر کرے تو میں اس کو اس عمل کی ایسی جزا دیتا ہوں جس پر کوئی مطلع نہیں ہوتا، یونہی بندہ سے بقدر ایک ہاتھ قریب ہونے یا بندے کی طرف دوڑنے کی توجیہ یہ ہے کہ جو شخص عبادت کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا ہے تو میں اپنی توفیق، رحمت اور اعانت اس کے قریب کر دیتا ہوں اور وہ جس قدر زیادہ عبادت کرتا ہے میں اس قدر زیادہ اس پر اپنی رحمت بہاتا ہوں اور عبادت سے کہیں زیادہ اجر عطا کرتا ہوں۔ (یحییٰ بن شرف نووی شرح مسلم جلد ۲، ص ۳۴۱، اشرفی بکڈپو، دیوبند)

اسی طرح افضل جماعت میں ذکر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان عموماً اللہ کا ذکر اس جماعت میں کرتا ہے جس میں انبیاء علیہم السلام نہیں ہوتے، لہٰذا یہ حدیث عام اور غالب احوال پر محمول ہے، رہا یہ کہ انبیاء علیہم السلام فرشتوں سے افضل ہیں تو اس پر دلیل قرآن مجید کی بہت ساری آیات ہیں ان میں سے ایک یہ ہے: "ان اللہ اصطفی اٰدم و نوحا و اٰل ابراھیم و اٰل عمران علی العالمین" (اٰل عمران) بے شک اللہ نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام جہانوں پر فضیلت دی۔ اس سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو تمام جہانوں پر فضیلت دی اور تمام جہانوں میں فرشتے بھی داخل ہیں۔ (ایضاً)

شوافع کا استدلال: شوافع نے آیت کریمہ "فاستبقوا الخیرات" سے یہ استدلال کیا ہے کہ عشاء کے سوا ہر نماز اول وقت میں پڑھنا مستحب ہے کیونکہ اس آیت میں بھلائی کی طرف جلدی کرنے کا حکم ہے اور نماز چونکہ بھلائی ہے لہٰذا اس میں بھی جلدی ہونی چاہئے، اس کے علاوہ بھی شوافع کی دوسری دلیلیں ہیں تفصیل تفسیر کبیر میں ہے، مگر مذہب حنفی میں مغرب اور سردی کے موسم میں ظہر کے علاوہ ہر نماز دیر سے پڑھنا مستحب ہے۔

شوافع کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ "فاستبقوا الخیرات" کا معنی یہ ہے کہ نماز کا وقت آتے ہی اس کی تیاری میں لگ جاؤ اور اس وقت دنیوی کاروبار میں مشغول نہ رہو اور پھر نماز کے انتظار میں بیٹھنا زیادہ ثواب ہے، گویا حنفی دو ثواب پاتے ہیں اوّل انتظار کا ثانی نماز کا، رہی نماز کی ادائیگی میں دیری تو اس کے متعلق عرض ہے کہ وقت مستحب تک نماز کو مؤخر کرنا دیر میں داخل نہیں اور جن روایتوں میں اول وقت نماز پڑھنے کا حکم ہے وہاں وقت مستحب کا اول مراد ہے نہ کہ پورے وقت کا۔
(تفسیر عزیزی و تفسیر نعیمی)

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا﴾ عَلَی الْاٰخِرَةِ ﴿بِالصَّبْرِ﴾ عَلَی الطَّاعَةِ وَ الْبَلَاءِ ﴿وَ الصَّلٰوةِ﴾ خَصَّهَا بِالذِّکْرِ لِتَکَرُّرِهَا وَ عَظْمِهَا ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ٥﴾ بِالْعَوْنِ ﴿وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ هُمْ ﴿اَمْوَاتٌ بَلْ﴾ هُمْ ﴿اَحْیَآءٌ﴾ اَرْوَاحُهُمْ فِیْ حَوَاصِلِ طُیُوْرٍ خُضْرٍ تَسْرَحُ فِی الْجَنَّةِ حَیْثُ شَاءَ

نٌ حَدِيۡثٌ بِذٰلِكَ ﴿وَ لٰكِنۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ٥﴾ تَعۡلَمُوۡنَ مَاهُمۡ فِيۡهِ ﴿وَ لَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَيۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ﴾ لِلۡعَدُوِّ ﴿وَ الۡجُوۡعِ﴾ اَلۡقَحۡطِ ﴿وَ نَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ﴾ بِالۡهَلَاكِ ﴿وَ الۡاَنۡفُسِ﴾ بِالۡقَتۡلِ وَ الۡاَمۡرَاضِ وَ الۡمَوۡتِ ﴿وَ الثَّمَرَاتِ ط﴾ بِالۡجَوَائِحِ اَیۡ لَنَخۡتَبِرَنَّكُمۡ فَنَنۡظُرَ اَتَصۡبِرُوۡنَ اَمۡ لَا ﴿وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيۡنَ﴾ عَلَى الۡبَلَاءِ بِالۡجَنَّةِ هُمۡ ﴿اَلَّذِيۡنَ اِذَا اَصَابَتۡهُمۡ مُّصِيۡبَةٌ﴾ بَلَاءٌ ﴿قَالُوۡا اِنَّا لِلّٰهِ﴾ مِلۡكًا وَ عَبِيۡدًا يَفۡعَلُ بِنَا مَايَشَاءُ ﴿وَ اِنَّاۤ اِلَيۡهِ رَاجِعُوۡنَ٥ ط﴾ فِی الۡاٰخِرَةِ فَيُجَازِيۡنَا فِی الۡحَدِيۡثِ مَنِ اسۡتَرۡجَعَ عِنۡدَ الۡمُصِيۡبَةِ اَجَرَهُ اللّٰهُ فِيۡهَا وَ اَخۡلَفَ عَلَيۡهِ خَيۡرًا وَ فِيۡهِ اَنَّ مِصۡبَاحَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ طَفِیَٔ فَاسۡتَرۡجَعَ فَقَالَتۡ عَائِشَةُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهَا اِنَّمَا هٰذَا مِصۡبَاحٌ فَقَالَ كُلُّ مَا سَاءَ الۡمُؤۡمِنَ فَهُوَ مُصِيۡبَةٌ رَوَاهُ اَبُوۡ دَاوٗدَ فِیۡ مَرَاسِيۡلِهٖ ﴿اُولٰٓئِكَ عَلَيۡهِمۡ صَلَوٰتٌ﴾ مَغۡفِرَةٌ ﴿مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَ رَحۡمَةٌ قف﴾ نِعۡمَةٌ ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُهۡتَدُوۡنَ٥﴾ اِلَى الصَّوَابِ.

ترجمه: ﴿اے ایمان والو! مدد طلب کیا کرو﴾ آخرت کے لئے ﴿صبر سے﴾ طاعت اور مصیبتوں پر ﴿اور نماز سے﴾ نماز کی تخصیص اس کے بار بار ہونے اور معظم ہونے کی وجہ سے ہے۔ ﴿بے شک اللہ صابروں کے ساتھ ہے﴾ مدد کے اعتبار سے ﴿اور جو خدا کی راہ میں مارے جائیں انھیں مردہ نہ کہو بلکہ﴾ وہ ﴿زندہ ہیں﴾ ان کی ارواح سبز پرندوں کے قالب میں ہوتی ہیں جنت میں جہاں چاہیں جاتی ہیں۔ یہ حدیث سے ثابت ہے۔ ﴿ہاں تمہیں خبر نہیں﴾ نہیں جان سکتے کہ وہ کس حال میں ہیں ﴿اور ضرور ہم تمہیں آزمائیں گے کچھ ڈر﴾ دشمن کے ڈر ﴿اور بھوک سے﴾ قحط سالی سے ﴿اور کچھ کمی کرنے سے مالوں میں﴾ ہلاکت کے ذریعہ ﴿اور جانوں میں﴾ قتل اور بیماریوں اور طبعی موت کے ذریعہ ﴿اور پھلوں میں﴾ آفات کے ذریعہ یعنی ہم ضرور تمہیں آزمائیں گے پھر دیکھیں گے کہ تم صبر کرتے ہو یا نہیں ﴿اور خوش خبری سنایئے ان صبر کرنے والوں کو﴾ بلاؤں پر جنت کی ﴿کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑے﴾ بلا تو ﴿کہیں ہم اللہ کے ملک ہیں﴾ اسی کے مملوک اور بندے ہیں ہمارے ساتھ جو چاہے کرے۔ ﴿اور ہم کو اسی کی طرف پھرنا﴾ آخرت میں تو وہ ہمیں جزا دے گا حدیث میں ہے کہ جو مصیبت کے وقت انا للّٰہ الخ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اسے اجر عطا فرمائے گا اور اس مصیبت کے بعد صبر پر اسے بہتری عطا کرے گا، اور حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چراغ گل ہو گیا تو حضور نے انا للّٰہ الخ پڑھا حضرت عائشہ نے عرض کی ''یہ چراغ ہی تو ہے'' حضور نے فرمایا ''جو چیز بھی مومن کو تکلیف دے وہ مصیبت ہے'' ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں اسے روایت کی ہے ﴿یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی درودیں ہیں﴾ مغفرت ان کے رب کی اور رحمت ہے یعنی نوازش ﴿اور یہی لوگ راہ پر ہیں﴾۔ سیدھے راستے پر۔

توضیح و تشریح: قولہ علی الطاعۃ و البلاء۔ یہاں طاعت عام ہے فعل اور ترک دونوں کو یعنی دوامی طور پر اوامر پر عمل اور ایسے ہی نواہی سے پرہیز دونوں ہی طاعت میں داخل ہیں اور بلاء کا علیحدہ ذکر بطور ذکر الخاص بعد العام ہے گویا یہاں صبر کی تین بنیادی قسموں کی طرف اشارہ بھی ہو گیا۔ (۱) صبر علی الطاعۃ بدوام فعلھا (۲) صبر عن المعصیۃ بدوام ترکھا (۳) صبر علی البلاء بحمد اللّٰہ و شکرہ علیھا ان میں اعلیٰ درجہ صبر عن المعاصی کا

ہے، دوسرا درجہ صبر علی الطاعۃ کا ہے اور تیسرے درجے کا صبر صبر علی البلاء ہے، جیسا کہ مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ بلاؤں پر صبر کرنے والے کے تین سو درجے بلند فرماتا ہے ہر دو درجے کے درمیان اس قدر فاصلہ ہے جس قدر زمین وآسمان کے درمیان ہے، اور اطاعت پر دوام برتنے والے صابر کے چھ سو درجے بلند فرماتا ہے اور ہر دو درجے کے درمیان اسی قدر فاصلہ ہے جس قدر آسمان وزمین کے درمیان ہے۔ اور معصیت سے ہمیشہ پرہیز کرنے والے صابر کے نو سو درجے بلند فرماتا ہے ہر دو درجے کے درمیان اسی قدر فاصلہ ہے جس قدر آسمان وزمین کے درمیان (صاوی)

قوله: خصها بالذكر الخ صبر کے ساتھ دیگر عبادات کی بجائے صرف نماز کا ذکر ہوا، اس کی وجہ کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نماز چونکہ بار بار پڑھی جاتی ہے اور یہ افضل العبادات ہے اس لئے یہاں خصوصیت کے ساتھ اسی کا ذکر ہوا اور چونکہ صبر ونماز میں گہرا ربط وتعلق بھی ہے کہ جس طرح مصائب اور آزمائشوں میں کامیابی کے لئے تو صبر کو کلیدی حیثیت حاصل ہے یوں ہی حضور قلبی کے ساتھ نماز میں انہماک سے بھی قلبی سکون میسر ہوتا ہے اور رنج والم کافور ہوتے ہیں اور چونکہ نماز کا عمل بار بار دہرایا جاتا ہے۔ لہٰذا غم انگیز واقعہ کو بھلانے کے لئے یہ ایک مفید اور موثر عمل ہے اس لئے صبر کے ساتھ نماز کا بھی ذکر فرمایا۔

قولہ: بالعون۔ یہ ایک شبہ کا ازالہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کے ساتھ ہے پھر یہاں صابرین کی تخصیص کیوں فرمائی، جواب یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی معیت اوروں کے لئے علم وقدرت کے اعتبار سے ہے کہ ان میں جیسا چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے مگر صابرین کے لئے اللہ کی معیت سے خصوصی معیت مراد ہے یعنی تائید اور نصرت کی معیت کہ وہ اللہ کے محبوب ترین بندے ہوتے ہیں، اور اس معیت کے متعلق قاضی ثناء اللہ پانی پتی تحریر فرماتے ہیں: ترجمہ "اس معیت سے وہ خاص معیت مراد ہے جس کی کیفیت بیان نہیں ہوسکتی اس کی حقیقت صرف عارفین سمجھ سکتے ہیں۔" (تفسیر مظہری)

قولہ: هم۔ یہ اشارہ ہے مبتداء محذوف کی طرف یعنی لفظ اموات خبر ہے اور اس سے قبل هم مبتداء محذوف ہے اور پورا جملہ محل نصب میں ہے کہ "لاتقولوا" کا مفعول بنے گا اور مقتول فی سبیل اللہ کو مردہ کہنے کی ممانعت اس لئے فرمائی کہ ان کی موت حقیقی نہیں بلکہ وہ ایک دنیا سے دوسری دنیا کی طرف انتقال ہے جس کے بعد انھیں روحانی اور جسمانی دونوں طرح کی زندگی حاصل ہوجاتی ہے جو دنیاوی زندگی سے کہیں زیادہ قوی ہوتی ہے۔ (صاوی، روح المعانی)

قولہ: ارواحهم الخ یہ حدیث شہداء کی روحانی وجسمانی زندگی پر بطور دلیل حضرت مفسر نے ذکر کی ہے، مگر اسی حدیث سے بعض ملحدین نے تناسخ اور آواگون پر استدلال کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ نیک لوگوں کی روح مرنے کے بعد کسی خوبصورت جسم میں اور برے لوگوں کی بدصورت جسم میں منتقل ہوجاتی ہے۔ اور یہی ثواب وعذاب ہے اور اسی کا نام تناسخ یا آواگون ہے، حالانکہ مذکور حدیث سے یہ استدلال فاسد ہے کیونکہ تناسخ یا آواگون کی حقیقت یہ ہے کہ مرنے کے بعد روح دوسرے جسم میں سرایت کرکے اس کی حیات نو کا سبب بن جائے اور اس کی پرورش کرے، اور یہ معنی مذکور حدیث سے ثابت نہیں بلکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ شہداء کی ارواح پرندوں میں بمنزلہ سوار ہیں اور پرندے بمنزلہ سواری ہیں اور ان پرندوں کی اپنی الگ روح ہوتی ہے جس سے ان کی حیات ہوتی ہے لہٰذا یہ تناسخ اور آواگون نہیں۔

قولہ: القحط۔ یہ تفسیر الشئ بسببہ کے قبیل سے ہے کہ قحط سالی سے غلہ کی پیداوار رک جائے گی اور غلہ نہ پیدا ہونا بھوک کا سبب ہے تو گویا قحط سالی ہی بھوک کا سبب ہے۔

قولہ: فننظرا تصبرون ام لا۔ یہ آزمائش کی حکمت کا بیان ہے یعنی اللہ تعالیٰ بندوں کو آزمائش میں اس لئے ڈالتا ہے کہ کھرے کھوٹے میں امتیاز پیدا ہو جائے اور ظاہر ہو جائے کہ کون نفس کا پجاری ہے اور کون رب کا، تاکہ انعامات کی عطا پر کسی کے لئے اعتراض کی گنجائش باقی نہ رہے۔

قولہ: علی البلاء بالجنۃ۔ اگرچہ جنت ہر نوع کے صابرین کے لئے ہے مگر یہاں چونکہ بلاؤں کا ذکر ہے اور انھیں بلاؤں پر صبر مطلوب ہے لہٰذا یہاں خصوصیت کے ساتھ صابرین علی البلاء کے لئے ہی جنت کی بشارت ہے اس لئے مفسر علام نے تفسیر میں علی البلاء کی تخصیص فرمائی، آگے لفظ "ھم" سے حضرت مفسر نے اس امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ "الذین" مبتداء محذوف کی خبر اور موضع رفع میں ہے علاوہ ازیں اس میں تین اور وجوہ اعراب ہیں اولاً صابرین کی صفت اور موضع نصب میں ہو، اسی صورت کو صاوی اور حقانی وغیرہ نے احسن کہا، ثانیاً منصوب علی المدح ہو فعل محذوف کی وجہ سے تقدیری عبارت یوں ہوگی امدح الذین الخ ثالثاً مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہو، اس صورت میں خبر اولئك ہوگی۔

قولہ: مغفرۃ۔ صلوٰۃ کی تفسیر مغفرۃ سے اور آگے رحمۃ کی تفسیر نعمۃ سے کر کے حضرت مفسر نے ایک اشکال کا جواب دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ صلوٰۃ کا معنی رحمت ہے اور یہاں صلوٰۃ پر رحمۃ کا عطف ہے، لہٰذا یہ مرادف کا عطف ہوا حالانکہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان مغایرت ہونی چاہئے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں صلوٰۃ بمعنی مغفرت ومحو الذنوب ہے اور رحمت بمعنی عطا وبخشش ہے لہٰذا مرادف کا عطف نہ ہوا بلکہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان مغایرت رہی۔

فوائد: (۱) شہید کے لغوی معنی حاضر یا گواہ کے ہیں اور عرف میں شہید وہ مسلمان عاقل بالغ ہے جو ظلماً مارا جائے اور قاتل پر اس کے قتل سے مال واجب نہ ہوا ہو اور دنیا سے نفع نہ اٹھایا ہو۔ (بہار شریعت حصہ ۴، ص ۱۵۵، فاروقیہ، دہلی)

(۲) شہید کی وجہ تسمیہ سے متعلق علما کے چند اقوال ہیں بعض نے فرمایا کہ ان کو شہید اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ زندہ ہوتے ہیں اور ان کی ارواح اسی وقت جنت میں شاہد (حاضر) ہو جاتی ہیں، بعض نے کہا کہ ان کو شہید اس لئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے ان کے حق میں جنت کی شہادت دیتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کے بدن سے روح نکلتے ہی ان کی روح اس عزت اور اجر وثواب پر شاہد (حاضر) ہو جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے تیار کر رکھی ہے، ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کا ظاہر حال ان کے ایمان اور خاتمہ بالخیر پر شہادت دیتا ہے اس لئے انھیں شہید کہتے ہیں۔ (شرح مسلم للنووی، جلد ۲، ص ۱۴۲ مطبوعہ، اشرفی بکڈپو، دیوبند)

(۳) شہید کی زندگی معنوی روحانی اور جسمانی ہوتی ہے۔ (روح المعانی)

(۴) شہید کی دو قسمیں ہیں (۱) شہید فقہی (۲) شہید حکمی۔ شہید فقہی وہ ہے جس کا ذکر فائدہ نمبر ۱ میں ہوا اس کا حکم یہ

ہے کہ اسے نہ غسل دیں گے نہ کفن بلکہ اسے اس کے خون آلود کپڑے میں دفن کر دیا جائے گا اور شہید حکمی وہ ہے جس پر اگرچہ فقہ کے یہ احکام جاری نہیں مگر آخرت میں اس کو درجۂ شہادت ملے گا جیسے ڈوب کر جل کر یا طلب علم میں مرنے والا (عامۂ کتب تفاسیر)

(۵) شہید کی نماز جنازہ ہمارے نزدیک پڑھی جائے گی خواہ وہ شہید فقہی ہو یا شہید حکمی (تفسیرات احمدیہ)

(۶) استرجع یعنی کسی مصیبت پر صبر کرتے ہوئے انا للّٰہ و انا الیہ راجعون پڑھنا امت محمدیہ کی خصوصیات سے ہے۔ (صاوی)

معتزلہ کا رد: معتزلہ کا گمان ہے کہ میت جماد ہے اس کے لئے حیات نہیں لہٰذا میت کو ثواب یا عذاب کا پہنچنا محال ہے اور اس آیت میں جو شہداء کی حیات کا ذکر ہے وہ مآل کے اعتبار سے ہے یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ شہداء کو زندہ فرمائے گا۔

مگر معتزلہ کا یہ گمان فاسد ہے کیونکہ یہاں آیت میں شہداء کے ساتھ حیات کی تخصیص ہے اگر یہ تخصیص مآل کے اعتبار سے ہو تو باطل ہو جائے گی کہ قیامت کے دن کی زندگی سب کو عام ہے مؤمن و کافر سبھی کو اللہ تعالیٰ ان کے جسم سابق کے ساتھ زندہ فرمائے گا، علاوہ ازیں جب آیت کا ظاہری معنی مراد لینا ممکن ہو تو اس میں تاویل خلاف اصل اور مردود ہے یہاں چونکہ ظاہری معنی مراد لینے میں کوئی استحالہ لازم نہیں آتا لہٰذا آیت کو اس کے ظاہر پر محمول کریں گے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور پھر شہدا سے متعلق یہ آیت ہے۔ عند ربھم یرزقون انھیں ان کے رب کے پاس رزق دیا جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شہداء جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز بھی ہوتے ہیں۔ یہ نصوص تو صرف شہداء سے متعلق ہیں اس کے علاوہ دیگر نصوص و آثار ہیں جن سے عام مؤمنین بلکہ کافرین کے لئے بھی برزخی زندگی کا ثبوت ہوتا ہے مثلاً ایک حدیث شریف میں ہے کہ "قبر جنت کا ایک باغ ہے یا دوزخ کا گڑھا" اس سے واضح ہے کہ مرنے کے بعد بھی جسم سے روح کا یک گونہ تعلق رہتا ہے اور قبر میں جسم کو راحت یا عذاب ملتا ہے۔ تو روح اس کا احساس کرتی ہے ورنہ قبر کا جنت یا دوزخ ہونے کا کیا معنی؟ لہٰذا اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ میت محض جماد نہیں اور یہ کہ مرنے کے بعد کی زندگی علی قدر مراتب سب کے لئے ہے لہٰذا مرنے کے بعد جسم کے معذب یا مثاب ہونے میں کوئی استحالہ نہیں ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ شہداء کی حیات باعتبار مآل نہیں بلکہ جسم سے روح کے نکلنے کے بعد ہی انہیں دوسری زندگی عطا ہو جاتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حیات انبیاء و شہداء میں فرق:

انبیاء اور شہدا کی حیات میں فرق یہ ہے کہ انبیاء کرام کی برزخی زندگی جسمانی، روحانی اور حقیقی ہوتی ہے یعنی جس طرح یہ حضرات دنیاوی زندگی میں تھے کہ ان کی ارواح ان کے اجسام میں رہ کر اجسام کی پرورش کرتی تھیں اور نعمتوں سے ان کے اجسام و ارواح دونوں متمتع ہوتے تھے، اسی طرح وصال کے فوراً بعد انبیاء کرام کی ارواح ان کے اجسام میں لوٹا دی جاتی ہیں اور

جسم وروح کے ساتھ انھیں دوبارہ حقیقی زندگی عطا ہوتی ہے اور دنیاوی زندگی سے زیادہ انہیں تصرفات حاصل ہوتے ہیں اور دنیاوی واخروی نعمتوں سے ان کے اجسام وارواح دونوں متمتع ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وصال کے بعد انبیاء کرام پر مردوں جیسے احکام جاری نہیں ہوتے یعنی ان کی ازواج بدستوران کے نکاح میں رہتی ہیں کسی کو ان سے نکاح کرنا جائز نہیں اور حسب سابق انھیں نان ونفقہ ملے گا جس کی ادائے گی انبیاء کے ترکہ سے ہوگی علی ہذا انبیاء کرام کا ترکہ بھی تقسیم نہیں ہوتا۔

شہداء کرام کی زندگی اس قدر قوی نہیں ہوتی بلکہ ان کی زندگی جسمانی روحانی معنوی ہوتی ہے یعنی جس طرح دنیا میں روح جسم میں رہ کر اس کی پرورش کرتی تھی شہادت کے بعد یہ صورت نہیں رہتی یعنی شہداء کی روحیں ان کے اجسام میں نہیں رہتیں بلکہ بعض کی روحیں سبز پرندوں کی صورت میں متمثل ہو جاتی ہیں اور بعض کی روحیں سبز پرندوں کی پپوٹوں میں اڑتی پھرتی ہیں بعض کی جنت کی کیاریوں میں ہوتی ہیں اور بعض کی روحیں عرش کے نیچے قندیلوں میں لٹکتی رہتی ہیں۔ (یہ سب صورتیں احادیث سے ثابت ہیں) مگر ان کی ارواح کا تعلق اجسام سے بہت قوی ہوتا ہے اسی لئے ان کے اجسام گلتے سڑتے نہیں بلکہ تروتازہ ہوتے ہیں اور چونکہ ان کی زندگی انبیاء کی طرح حقیقی نہیں ہوتی بلکہ معنوی ہوتی ہے اسی لئے ان پر مردوں کے احکام جاری ہوتے ہیں مثلاً ان کی ازواج سے نکاح درست ہے اور ان کی میراث تقسیم ہوتی ہے وغیرہ وغیر چنانچہ انبیاء وشہداء کی حیات میں فرق کرتے ہوئے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں:

''مقام نبوت ورسالت بعد از موت ثابت است وخود انبیاء را موت نبود وایشاں حی وباقی اند وموت ہماں است کہ یکبار چشیدہ اند بعد ازاں ارواح را بہ ابدان ایشان اعادہ کنند وحقیقت حیات بخشند چنانچہ در دنیا بودند کامل تر از حیات شہداء کہ آں معنوی است'' یعنی کمال نبوت ورسالت وصال کے بعد بھی ثابت رہتا ہے۔ خود انبیاء مرتے نہیں بلکہ زندہ وباقی ہیں ان کے لئے موت بس اتنی ہے کہ ایک بار چکھا اور پھر اس کے بعد ان کی روحیں ان کے بدن میں واپس کر دی گئیں اور ان کو وہی اصل زندگی دے دی گئی جیسی کی دنیا میں تھی یہ ان کی زندگی شہیدوں کی زندگی سے کہیں بڑھ کر ہے کہ شہداء کی زندگی معنوی ہوتی ہے۔

(تکمیل الایمان بحوالہ حاشیہ قانون شریعت اول ص ۲۳)

﴿اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ﴾ جَبَلَانِ بِمَكَّةَ ﴿مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ﴾ اَعْلَامِ دِيْنِهٖ جَمْعُ شَعِيْرَةٍ ﴿فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ﴾ اَیْ تَلَبَّسَ بِالْحَجِّ اَوِ الْعُمْرَةِ وَ اَصْلُهُمَا الْقَصْدُ وَ الزِّيَارَةُ ﴿فَلَا جُنَاحَ﴾ اِثْمَ ﴿عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ﴾ فِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِی الْاَصْلِ فِی الطَّاءِ ﴿بِهِمَا﴾ بِاَنْ يَسْعٰی بَيْنَهُمَا سَبْعًا نَزَلَتْ لَمَّا كَرِهَ الْمُسْلِمُوْنَ ذٰلِكَ لِاَنَّ اَهْلَ الْجَاهِلِيَّةِ كَانُوْا يَطُوْفُوْنَ بِهِمَا وَ عَلَيْهِمَا صَنَمَانِ يَمْسَحُوْنَهُمَا وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ السَّعْیَ غَيْرُ فَرْضٍ لِمَا اَفَادَهٗ رَفْعُ الْاِثْمِ مِنَ التَّخْيِيْرِ وَ قَالَ الشَّافِعِیُّ وَغَيْرُهٗ رُكْنٌ وَ بَيَّنَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وُجُوْبَهٗ بِقَوْلِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ السَّعْیَ رَوَاهُ الْبَيْهَقِیُّ وَغَيْرُهٗ وَ قَالَ اِبْدَءُوْا بِمَا بَدَاَ اللّٰهُ بِهٖ يَعْنِی الصَّفَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ ﴿وَ مَنْ تَطَوَّعَ﴾ وَ فِیْ قِرَاءَةٍ بِالتَّحْتَانِيَّةِ وَ تَشْدِيْدِ الطَّاءِ مَجْزُوْمًا وَفِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِيْهَا ﴿خَيْرًا﴾ اَیْ بِخَيْرٍ اَیْ فَعَلَ مَا لَمْ يَجِبْ عَلَيْهِ مِنْ طَوَافٍ وَغَيْرِهٖ ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ

شَاكِرٌ﴾ لِعَمَلِهِ بِالْاِثَابَةِ عَلَيْهِ ﴿عَلِيمٌ﴾ بِهِ.

ترجمہ: ﴿بے شک صفااور مروہ﴾ مکہ مکرمہ کے دو پہاڑ ہیں ﴿اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں﴾ اس کے پسندیدہ دین کی علامات سے ہیں شعائر جمع ہے شعیرۃ کی ﴿تو جو اس گھر کا حج یا عمرہ کرے﴾ یعنی حج یا عمرہ کے عمل میں لگے اور ان دونوں کا لغوی معنی قصد وزیارت ہے ﴿اس پر کوئی حرج﴾ گناہ ﴿نہیں ہے کہ چکر لگائے﴾ اس میں دراصل تاء کا طاء میں ادغام ہوا ہے ﴿ان دونوں کے درمیان﴾ اس طرح کہ سات مرتبہ ان دونوں کے درمیان دوڑے، یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب مسلمانوں نے اس دوڑ کو ناپسند کیا کیونکہ اہل جاہلیت ان دونوں کا چکر لگاتے تھے اور ان پر دو بت رکھے ہوے تھے لوگ ان دونوں کو چھوتے تھے حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ سعی فرض نہیں ہے کیونکہ رفع اثم سے اختیار سمجھ میں آتا ہے اور امام شافعی وغیرہ کے نزدیک وہ رکن ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سعی کے وجوب کو اپنے اس قول سے بیان فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی کو فرض کیا ہے'' بیہقی وغیرہ نے اسے روایت کی ہے مزید ارشاد ہے ''اللہ تعالیٰ نے جہاں سے شروع فرمایا تم بھی وہیں سے شروع کرو یعنی صفا سے'' اسے مسلم نے روایت کی ہے ﴿اور جو کوئی اپنی طرف سے کرے﴾ ایک قرأت میں یاء تحتانیہ اور طاء کی تشدید کے ساتھ مجزوم ہے اس میں بھی تاء کا طاء میں ادغام ہوا ہے ﴿کوئی بھلی بات﴾ خیر بمعنی بخیر ہے یعنی ایسا کام کرے جو اس پر واجب نہ ہو مثلاً غیر واجب طواف وغیرہ ﴿تو اللہ تعالیٰ بڑا قدرداں ہے﴾ اس کے عمل پر ثواب دے کر ﴿خوب جاننے والا ہے﴾ اس کو۔

توضیح و تشریح: قولہ: جبلان بمكة. صفا اور مروہ مکہ کی دو مشہور پہاڑیاں ہیں جو خانۂ کعبہ کے مقابل شرقی جانب ہیں، صفا جنوبی جانب کوہ ابوقبیس کی جڑ میں ہے اور مروہ شمالی جانب کوہ قعیقعان کے آگے ناک کی طرح ہے، ان دونوں کے درمیان تقریباً سات سو ستر گز کی مسافت ہے اب ان دونوں پہاڑیوں پر آبادی ہے اور صفا و مروہ پر صرف سیڑھیوں کے نشان بنادیئے گئے ہیں۔ (حقانی)

قولہ: اعلام دینه. یہ اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ آیت میں کلمۂ جلالت سے پہلے ایک مضاف مقدر ہے اصل عبارت یوں ہے "من شعائر دين الله" شعائر جمع ہے شعیرۃ کی لغوی معنی ہے ''نشانی'' اور اصطلاح شرع میں شعائر اللہ سے مراد دین کی نشانیاں ہیں خواہ وہ مکانات ہوں جیسے کعبہ، عرفات، مزدلفہ، صفا، مروہ، منیٰ، مساجد، بزرگان دین کے مقابر، یا ازمنہ ہوں جیسے رمضان، اشہر حرام، عید فطر، عید اضحیٰ، جمعہ، ایام تشریق، یا دیگر علامات ہوں جیسے اذان، اقامت، نماز با جماعت، نماز جمعہ، نماز عیدین، ختنہ، یہ سب شعائر دین ہیں۔ (خزائن العرفان)

قولہ: و اصلهما القصد و الزيارة. یہ حج اور عمرہ کا لغوی معنی ہے جسے مفسر علام نے لف ونشر مرتب کے طور پہ بیان فرمایا ہے یعنی حج کا معنی ''قصد وارادہ'' ہے اور عمرہ کا معنی ''زیارت'' ہے اور اصطلاح میں ایک خاص عبادت کا نام حج ہے جس کے لئے بیت اللہ شریف کا سات مرتبہ طواف کرنا، صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا اور وقوف عرفہ ایک مخصوص طریقہ پر لازم ہے، اسی طرح عمرہ کا لغوی معنی زیارت ہے اور اصطلاح میں ایک خاص عبادت کا نام ہے جس کے لئے ایک مخصوص

طریقہ پر طواف اور سعی لازم ہے اسی سے معنی لغوی وشرعی کے درمیان مناسبت اور حج وعمرہ کی وجہ تسمیہ بھی ظاہر ہوگئی کہ حج کو حج اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں خانۂ کعبہ تک جانے اور مناسک حج ادا کرنے کا قصد وارادہ ہوتا ہے، اور عمرہ کی وجہ تسمیہ یہ کہ اس میں خانۂ کعبہ کی زیارت ہوتی ہے۔ و اللّٰہ تعالیٰ اعلم.

قوله: نزلت لما کره المسلمون الخ یہ شان نزول ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں صفاومروہ پر دو بت رکھے ہوئے تھے صفا پر جو بت تھا اس کا نام ''اساف'' تھا اور جو مروہ پر تھا اس کا نام نائلہ تھا، یہ دونوں مرد وعورت تھے جنھوں نے کعبہ شریف میں زنا کرلیا تھا عذاب الٰہی سے دونوں اپنی اصلی صورت پر پتھر ہوگئے جنہیں عبرت کے لئے صفا اور مروہ پر رکھ دیا گیا پھر کچھ زمانہ کے بعد مشرکین انہیں پوجنے لگے کہ سعی کے دوران تعظیماً انھیں بھی چھو لیتے تھے عہد اسلامی میں یہ بت توڑ دیئے گئے لیکن چونکہ کفار یہاں مشرکانہ فعل کرتے تھے اس لئے مسلمانوں کو صفاومروہ کے درمیان سعی کرنا گراں گزرا کہ اس میں کفار کے مشرکانہ فعل کے ساتھ کچھ مشابہت ہے تب یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں کی تسلی فرمائی گئی کہ چونکہ تمہاری نیت خالص عبادت الٰہی کی ہے، لہٰذا تم اس میں حرج نہ سمجھو۔ (تفسیر کبیر وعزیزی)

قوله: ان السعی غیر فرض الخ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی رائے ہے اور امام احمد بن حنبل کا بھی ایک قول یہی ہے یہ حضرات آیت کریمہ کے آخری حصہ یعنی "فلا جناح علیه ان یطوف بهما سے سعی کی اباحت پر استدلال کرتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ مذکورہ آیت سے سعی کرنے نہ کرنے کا اختیار متبادر ہوتا ہے کیونکہ جب یوں بولا جاتا ہے کہ مثلاً فلاں کام کرنے میں گناہ نہیں، تو عرف میں اختیار ہی سمجھا جاتا ہے اور اختیار اباحت کی دلیل ہے اور چونکہ مذکورہ آیت کا تعلق صفاومروہ کی سعی سے ہے لہٰذا یہ سعی کے نفل ہونے پر دلیل ہے۔ جمہور کہتے ہیں کہ مذکورہ آیت کا تعلق حج وعمرہ سے ہے سعی سے نہیں، لہٰذا اس سے اباحت سعی پر استدلال درست نہیں۔

قوله: و قال الشافعی وغیره الخ یہ صفاومروہ کی سعی سے متعلق امام شافعی، امام مالک اور امام احمد وغیرہ کے مذہب کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مذکورہ بزرگوں کے یہاں صفاومروہ کی سعی فرض ہے اس کو اگر کسی نے ترک کیا تو جب تک ادا نہ کرے گا بری الذمہ نہ ہوگا، ان حضرات کی دلیل وہ حدیث ہے جسے بیہقی، امام احمد، دار قطنی نے صفیہ بنت شیبہ سے روایت کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو میں نے دیکھا کہ صفاومروہ کے درمیان سعی کررہے ہیں کچھ لوگ حضور کے آگے ہیں اور حضور ان کے پیچھے اس طرح سعی فرمارہے ہیں کہ تیزی سے دوڑنے کی وجہ سے تہبند گھٹنوں کے گرد چکر کھا رہا ہے اور فرمارہے ہیں۔ "اسعوا فان الله کتب علیکم السعی "سعی کرو اس لئے کہ اللہ نے تم پر سعی فرض فرمائی، یہ حدیث فرضیت پر نص ہے، آگے مفسر علام نے وقال سے نسائی کی روایت نقل کرکے اس امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ امام شافعی کے نزدیک سعی میں ابتداء بالصفا واجب ہے جو اسی حدیث سے ثابت ہے کہ صاف فرمایا گیا کہ ''جس کے (ذکر کے) ساتھ اللہ نے ابتداء کی ہے (یعنی صفا سے) اسی سے ابتداء کرو۔

احناف کے یہاں صفا مروہ کی سعی واجب ہے، اس کے ترک سے دم واجب ہوتا ہے اور دم سے انجبار ہوجاتا ہے،

احناف کی دلیل بھی مذکور حدیث ہے احناف کہتے ہیں کہ یہ خبر واحد ہے اور خبر واحد سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی، صرف وجوب ثابت ہوتا ہے، لہٰذا سعی رکن اور فرض نہیں بلکہ واجب ہے، رہی ابتداء بالصفا تو وہ احناف کے یہاں بھی واجب ہے مگر احناف ابتداء بالصفاء کا وجوب فعل نبی سے ثابت کرتے ہیں نہ کہ مذکور حدیث سے کیونکہ اس حدیث سے ابتداء بالصفاء کا وجوب اس وقت ثابت ہوگا جب کہ آیت ان الصفا و المروۃ الخ میں واؤ کو ترتیب کے لئے مانیں حالانکہ واؤ ترتیب کے لئے نہیں کہ آگے ان یطوف بھما سے سعی کا حکم مطلق ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

قولہ: بخیر۔ یہ آیت میں لفظ خیراً کے منصوب بنزع الخافض ہونے کی طرف اشارہ ہے، آگے مفسر علام نے بالاثابة علیه سے لفظ شاکر کے مجازی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہاں معنی حقیقی مراد لینا ممکن نہیں۔

فوائد: (۱) صفا و مروہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ صفا پر حضرت آدم صفی اللہ نے قیام فرمایا تھا اور مروۃ پر امرأۃ یعنی حضرت حوا نے قیام کیا تھا گویا مروہ اصل میں مرأۃ تھا، یعنی ایک بی بی کا جائے قیام کثرت استعمال سے مروۃ ہو گیا۔ (روح البیان)

(۲) صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی حکمت یہ ہے کہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی سنت باقی رہے اور کفار مسلمانوں کی قوت دیکھ کر مرعوب ہوں۔ (بخاری)

(۳) حج اور عمرہ میں یہ فرق ہے کہ حج میں نویں ذوالحجہ کو عرفات میں جانا اور پھر وہاں سے آکر طواف کعبہ کرنا شرط ہے اور عمرہ میں یہ نہیں، اسی طرح حج کے لئے مہینہ اور دن خاص ہیں مگر عمرہ کے لئے کوئی مہینہ اور دن خاص نہیں باقی احرام باندھنے، طواف کرنے اور صفا و مروہ کی سعی میں دونوں برابر ہیں۔ (حقانی)

وَ نَزَلَ فِی الْیَهُوْدِ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ﴾ النَّاسَ ﴿مَا اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَ الْهُدٰی﴾ کَاٰیَةِ الرَّجْمِ وَ نَعْتِ مُحَمَّدٍ ﴿مِنْ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتٰبِ﴾ التَّوْرَاةِ ﴿اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ﴾ یُبْعِدُهُمْ مِنْ رَّحْمَتِهٖ ﴿وَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ o﴾ الْمَلَائِکَةُ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ اَوْ کُلُّ شَیْءٍ بِالدُّعَاءِ عَلَیْهِمْ بِاللَّعْنَةِ ﴿اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا﴾ رَجَعُوْا عَنْ ذٰلِکَ ﴿وَ اَصْلَحُوْا﴾ عَمَلَهُمْ ﴿وَ بَیَّنُوْا﴾ مَاکَتَمُوْهُ ﴿فَاُولٰٓئِکَ اَتُوْبُ عَلَیْهِمْ﴾ اَقْبَلُ تَوْبَتَهُمْ ﴿وَ اَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ o﴾ بِالْمُؤْمِنِیْنَ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ مَاتُوْا وَ هُمْ کُفَّارٌ﴾ حَالٌ ﴿اُولٰٓئِکَ عَلَیْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِکَةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ o﴾ اَیْ هُمْ مُسْتَحِقُّوْا ذٰلِکَ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ النَّاسُ قِیْلَ عَامٌّ وَ قِیْلَ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهَا﴾ اَیِ اللَّعْنَةِ اَوِ النَّارِ الْمَدْلُوْلِ بِهَا عَلَیْهَا ﴿لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ﴾ طَرْفَةَ عَیْنٍ ﴿وَ لَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ﴾ یُمْهَلُوْنَ لِتَوْبَةٍ اَوْ مَعْذِرَةٍ.

ترجمہ: اور یہ آیت یہود کے متعلق نازل ہوئی ﴿بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں﴾ لوگوں سے ﴿ان چیزوں کو جو ہم نے نازل کیں روشن دلیلوں اور ہدایت سے﴾ جیسے آیت رجم اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت ﴿بعد اس کے کہ لوگوں کے لئے ہم اسے کتاب میں واضح فرما چکے ہیں﴾ توریت میں ﴿ان پر اللہ کی لعنت ہے﴾ اپنی رحمت سے انھیں دور فرما دیتا ہے ﴿اور لعنت کرنے والوں کی لعنت﴾ ملائکہ اور مؤمنین کی یا ہر چیز ان پر لعنت بھیجتی ہے ﴿مگر وہ جو توبہ کریں﴾ اس سے

رجوع کرلیں ﴿اور سنواریں﴾ اپنے عمل کو ﴿اور ظاہر کریں﴾ جن چیزوں کو چھپا رکھا ہے ﴿تو میں ان کی توبہ قبول فرماؤں گا اور میں ہی ہوں بہت توبہ قبول فرمانے والا مہربان﴾ مؤمنین پر ﴿بے شک وہ جنھوں نے کفر کیا اور کافر ہی مرے﴾ لفظ کفار حال ہے ﴿یہی وہ لوگ ہیں جن پر لعنت ہے اللہ اور فرشتوں اور سب لوگوں کی﴾ یعنی یہ لوگ دنیا وآخرت میں اسی کے مستحق ہیں، اور ناس سے بعض نے کہا عام انسان مراد ہیں اور بعض نے کہا کہ مؤمنین مراد ہیں ﴿ہمیشہ رہیں گے اس میں﴾ یعنی لعنت یا جہنم میں کہ لعنت کا مدلول وہی ہے ﴿نہ ان پر سے عذاب ہلکا ہو﴾ ایک پل بھی ﴿اور نہ انھیں مہلت دی جائے﴾ توبہ یا معذرت کی۔

توضیح و تشریح: قوله: و نزل فی الیهود یہ آیت کا شانِ نزول ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ علمائے یہود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت شریف اور آیت رجم اور توریت کے دوسرے احکام کو چھپاتے تھے اور پوچھنے پر کچھ کا کچھ بیان کرتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

قوله: الناس اس لفظ سے حضرت مفسر نے یکتمون کے مفعول ثانی کے حذف کی طرف اشارہ کیا ہے اصل عبارت یوں ہے یکتمون الحق عن الناس.

خیال رہے یکتمون، کتم یا کتمان سے بنا ہے جس کا معنی ہے کسی ضروری چیز کو ضرورت کے وقت جان بوجھ کر چھپانا، اس کی دو صورتیں ہیں ایک بصورت اخفا یعنی چیز چھپا ہی لی جائے اور کچھ بھی ذکر نہ کیا جائے، دوسرے یہ کہ اسے ہٹا کر اس کی جگہ دوسری چیز رکھدی جائے علمائے بنی اسرائیل کا چھپانا دونوں قسم کا تھا یعنی اخفا بھی اور تحریف وتبدیل بھی۔

قوله: کایة الرجم الخ یہ لف ونشر غیر مرتب بینات اور هدی کی مثالیں ہیں، آیت رجم ہدیٰ کی مثال ہے توریت میں لکھا تھا کہ جو کوئی زنا کا ارتکاب کرے اسے رجم کردیا جائے اسے علمائے یہود نے مٹا دیا اور اس کی جگہ چند کوڑے کی مار مقرر کردی، چونکہ آیات سے ہدایت حاصل ہوتی ہے اس لئے مفسر علام نے ہدیٰ کی مثال میں کایة الرجم فرمایا، آگے نعت محمد کہہ کر مفسر نے بینات کی مثال دی ہے، بینات جمع ہے بینة کی جس کا معنی ہے بہت کھلی ہوئی چیز، چونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف اس قدر واضح اور روشن ہیں کہ کسی کے چھپائے چھپ نہیں سکتے اس لئے حضور کی نعت شریف بینات میں داخل ہیں۔

قوله: یبعدهم الخ یہ یلعنهم الله کا معنی ہے، لعن کا لغوی معنی ہے دور کرنا اور جب اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہو تو رحمت سے دور کرنا مراد ہوتا ہے، آگے حضرت مفسر نے أو کل شئ الخ سے لاعنون کے مصداق کی طرف اشارہ فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جھوٹوں پر ساری چیزیں لعنت بھیجتی ہیں خواہ جمادات ہوں یا حیوانات حدیث شریف میں فرمایا: "العاصی یلعنه کل شئ حتی الحیتان فی البحر" نافرمانوں پر ساری چیزیں لعنت بھیجتی ہیں یہاں تک کہ سمندر میں مچھلیاں بھی۔ (صاوی)

خیال رہے کہ یہ آیت اگرچہ علمائے بنی اسرائیل کے حق میں نازل ہوئی ہے مگر یہ وعید عام ہے لہٰذا ہر وہ شخص جو ظاہر

کی جانے والی چیزوں کو بلا عذر شرعی چھپائے مثلاً جھوٹے گواہ، بغیر علم کے فتویٰ دینے والے مفتی اور وہابیہ دیابنہ جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف وکمالات کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں یہ سبھی مذکور وعید کے مستحق ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم.

قوله: حال. یہ آیت کے جملہ حالیہ ہونے کے طرف اشارہ ہے، حاصل ترکیب یہ ہے کہ اِنّ حرف مشبہ بالفعل ہے الذین اسم موصول، کفروا فعل بافاعل معطوف علیہ واؤ حرف عطف ماتوا فعل اس میں واؤ ذوالحال ہے آگے واؤ حالیہ ہے ھُمْ مبتدا اور کُفَّارٌ خبر دونوں مل کر بتاویل مفرد ہو کر حال واقع ہیں پھر ذوالحال حال سے مل کر فاعل ہوا، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا معطوف علیہ معطوف سے مل کر صلہ اسم موصول صلہ سے مل کر اِنّ کا اسم ہوا، آگے اولئک مبتداء اپنے مابعد سے مل کر اِنَّ کی خبر ہے۔

قوله: ای ھم مستحقوا ذلک الخ یہ تکرار کے شبہ کا ازالہ ہے. جس کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ آیت سے بظاہر تکرار متبادر ہوتا ہے مگر حقیقتاً تکرار نہیں کہ پہلی لعنت سے مراد بالفعل ہے اور دوسری لعنت سے استحقاق لعنت مراد ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ پہلی لعنت علمائے یہود سے متعلق ہے اور دوسری لعنت تمام کفار کو عام ہے یعنی جو بھی حالت کفر میں مرے وہ لعنت کا مستحق ہے۔ آگے مفسر علام نے ناس کے معنی مراد میں دو احتمال ذکر کیا ہے، اگر عام لوگ یعنی کفار ومشرکین اور مؤمنین سبھی انسان مراد ہیں تو اس لئے کہ قیامت اور دوزخ میں کفار ومشرکین بھی ایک دوسرے کو لعنتیں کریں گے کہ اللہ عز وجل فرماتا ہے۔ ثم یوم القیمة یکفر بعضکم ببعض و یلعن بعضکم بعضا (عنکبوت) اور اگر ناس سے صرف مؤمنین مراد ہیں تو اس لئے کہ حقیقت میں مسلمان ہی انسان ہیں رہے کافرین تو وہ جانور بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں لہٰذا مسلمانوں کی لعنت سارے انسانوں کی لعنت ہوئی۔ (تفسیر کبیر ملخصاً)

قوله: المدلول بها علیها. یہ دفع دخل مقدر ہے چونکہ مفسر علام نے فیھا کا مرجع لعنت یا نار کو قرار دیا ہے، اگر مرجع لعنت ہو جب تو کوئی اشکال نہیں کہ ماقبل میں اس کا ذکر ہو چکا ہے، لیکن نار کو مرجع ماننے کی صورت میں اضمار قبل الذکر لفظاً ورتبۃً لازم آئے گا کہ ماقبل میں نار کا ذکر نہیں، دفع اشکال کا حاصل یہ ہے کہ مرجع کا ماقبل میں صراحت کے ساتھ مذکور ہونا ضروری نہیں بلکہ ضمناً بھی مذکور ہو جب بھی کافی ہے، یہاں یہی صورت ہے کہ نار لعنت کے ضمن میں موجود ہے اس طرح کہ نار لعنت کا مدلول ہے یعنی جو شخص دائمی لعنت کا مستحق ہوگا اس کے لئے نار لازم ہے، لہٰذا اضمار قبل الذکر لازم نہیں آتا۔

قوله: یمھلون الخ یہ اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ آیت میں لفظ ینظرون بنا ہے انظار بمعنی تاخیر وامہال سے النظر بمعنی انتظار سے نہیں کہ یہ مجازی معنی ہوگا یعنی ینظرون کے معنی میں لینا پڑے گا اور ظاہر ہے کہ جب حقیقی معنی مراد لینا ممکن ہو تو مجاز کا ارتکاب درست نہیں، علاوہ ازیں اگر ینظرون کو ینتظرون کے معنی میں لیا جائے تو وہ متعدی بالیٰ ہوگا لہٰذا ینظرون کے بعد الیٰ حذف ماننا پڑے گا اور یہ خلاف ظاہر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

فائدہ: (۱) اس آیت میں ان پر لعنت فرمائی گئی جو کفر پر مرے اس سے معلوم ہوا کہ جس کی موت کفر پر معلوم ہو اس پر لعنت کرنی جائز ہے۔ (خزائن العرفان)

(۲) گنہگار مسلمان پر بالتعیین لعنت کرنا جائز نہیں لیکن علی الاطلاق جائز ہے جیسا کہ حدیث شریف میں چور اور سود خور وغیر پر لعنت آئی ہے۔ ایضاً

وَ نَزَلَ لَمَّا قَالُوْا صِفْ لَنَا رَبَّكَ ﴿وَ اِلٰهُكُمْ﴾ اَيِ الْمُسْتَحِقُّ لِلْعِبَادَةِ مِنْكُمْ ﴿اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ لَا نَظِيْرَ لَهٗ فِيْ ذَاتِهٖ وَ لَا فِيْ صِفَاتِهٖ ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ هُوَ ﴿الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ٥﴾ وَ طَلَبُوْا اٰيَةً عَلٰى ذٰلِكَ فَنَزَلَ ﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ وَ مَا فِيْهِمَا مِنَ الْعَجَائِبِ ﴿وَ اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ﴾ بِالذَّهَابِ وَ الْمَجِيْءِ وَ الزِّيَادَةِ وَ النُّقْصَانِ ﴿وَ الْفُلْكِ﴾ السُّفُنِ ﴿الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ﴾ وَ لَا تَرْسُبُ مُوْقَرَةً ﴿بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ﴾ مِنَ التِّجَارَاتِ وَ الْحَمْلِ ﴿وَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ﴾ مَطَرٍ ﴿فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ﴾ بِالنَّبَاتِ ﴿بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ يُبْسِهَا ﴿وَ بَثَّ﴾ فَرَّقَ وَ نَشَرَ بِهٖ ﴿فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ﴾ لِاَنَّهُمْ يَنْمُوْنَ بِالْخِصْبِ الْكَائِنِ عَنْهُ ﴿وَ تَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ﴾ تَقْلِيْبِهَا جُنُوْبًا وَ شِمَالًا حَارَّةً وَ بَارِدَةً ﴿وَ السَّحَابِ﴾ الْغَيْمِ ﴿الْمُسَخَّرِ﴾ الْمُذَلَّلِ بِاَمْرِ اللّٰهِ يَسِيْرُ اِلٰى حَيْثُ شَاءَ اللّٰهُ ﴿بَيْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ﴾ بِلَا عِلَاقَةٍ ﴿لَاٰيٰتٍ﴾ دَالَّاتٍ عَلٰى وَحْدَانِيَّتِهٖ تَعَالٰى ﴿لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ٥﴾ يَتَدَبَّرُوْنَ ﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اَيْ غَيْرِهٖ ﴿اَنْدَادًا﴾ اَصْنَامًا ﴿يُحِبُّوْنَهُمْ﴾ بِالتَّعْظِيْمِ وَ الْخُضُوْعِ ﴿كَحُبِّ اللّٰهِ﴾ اَيْ كَحُبِّهِمْ لَهٗ ﴿وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ مِنْ حُبِّهِمْ لِلْاَنْدَادِ لِاَنَّهُمْ لَا يَعْدِلُوْنَ عَنْهُ بِحَالٍ مَّا وَ الْكُفَّارُ يَعْدِلُوْنَ فِي الشِّدَّةِ اِلَى اللّٰهِ.

حل لغات: ﴿صف﴾ صیغۂ امر من ضرب یضرب بمعنیٰ بیان کیجئے ﴿نظیر﴾ مثل و مانند جمع نظراء ﴿العجائب﴾ وہ چیزیں جن پر تعجب کیا جائے، واحد العجیبة ﴿السفن﴾ کشتیاں، واحد السفینة ﴿لاترسب﴾ از نصر و کرم، تہہ نشیں نہیں ہوتی۔ ﴿مؤقرة﴾ من القرة بوجھ والی ہونا، ثقیل ہونا ﴿الحمل﴾ بوجھ جمع احمال ﴿فرق﴾ من التفریق جدا جدا کردیا ﴿نشر به﴾ (ض، ن) اسے بکھیر دیا ﴿ینمون﴾ من النمو بڑھتے ہیں، پلتے ہیں، بلند ہوتے ہیں ﴿الخصب﴾ سرسبز گھاس ﴿الغیم﴾ [مص] بادل ج غیوم، واحد غیمة ﴿المذلل﴾ من الذل تابع فرمان ﴿یتدبرون﴾ من التدبر انجام کار سوچتے ہیں ﴿انداد﴾ مثل نظیر واحد الند ﴿یعدلون﴾ من العدول رجوع کرتے ہیں، واپس ہوتے ہیں۔

ترجمہ: اور جب کفار نے کہا آپ ہمارے لئے اپنے رب کی شان وصفت بیان فرمایئے تب یہ آیت نازل ہوئی ﴿اور تمہارا معبود﴾ یعنی جو تمہاری عبادت کا مستحق ہے ﴿ایک معبود ہے﴾ ذات وصفات میں اس کا کوئی ہمسر نہیں ﴿اس کے سوا کوئی معبود نہیں مگر وہی بڑی رحمت والا مہربان ہے﴾ کفار نے جب اس پر دلیل طلب کی تو یہ آیت نازل ہوئی ﴿بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں﴾ اور ان دونوں کے عجائبات میں ﴿اور رات و دن کی گردش میں﴾ ان کی آمد و رفت اور بڑھنے گھٹنے میں ﴿اور کشتیوں میں جو سمندر میں چلتی ہیں﴾ اور بوجھل ہونے کے باوجود غرق نہیں ہوتیں ﴿لوگوں کے

فائدے لے کر﴾ مثلاً سامان تجارت اور بوجھ لے کر﴿اور وہ جو اللہ نے آسمان سے پانی اتارا﴾ بارش ﴿پھر زندہ کیا اس سے زمین کو﴾ نباتات کو﴿اس کے مردہ ہونے کے بعد﴾ اس کے خشک ہونے کے بعد﴿اور پھیلا دیا اس میں﴾ متفرق و منتشر کردیا﴿ہر قسم کے جانور﴾ کیوں کہ جانور اسی سبزے سے پلتے بڑھتے ہیں جو پانی سے پیدا ہوتا ہے۔﴿اور ہواؤں کی گردش﴾ گرم و سرد ہواؤں کا جنوباً و شمالاً چلتے رہنا﴿اور وہ بادل جو حکم کا پابند ہو کر﴾ اللہ کے تابع فرمان ہو کر جدھر اللہ چاہتا ہے ادھر ہی چلتا ہے﴿آسمان و زمین کے درمیان (معلق) ہے﴾ بغیر کسی علاقہ کے﴿(ان سب میں) نشانیاں ہیں﴾ جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں﴿عقلمندوں کے لئے﴾ جو انجام کار سوچتے ہیں﴿اور کچھ لوگ اللہ کے سوا اور معبود بنا لیتے ہیں﴾ یعنی بتوں کو﴿ان سے محبت کرتے ہیں﴾ تعظیم اور عاجزی کے ساتھ﴿جیسے اللہ سے محبت کرنی چاہیے اور ایمان والوں کو اللہ سے زیادہ محبت ہے﴾ ان کے معبودان باطلہ کی محبت کے مقابلہ میں کہ وہ کسی حال میں اللہ کی محبت سے نہیں پھرتے اور کفار سختی میں اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

توضیح و تشریح: قوله: و نزل لما قالوا الخ یہ شان نزول کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک مرتبہ کفار نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ اپنے رب کی صفات بیان فرمایئے، اس پر یہ آیت اتری جس میں اس کی ذات اور عام صفتوں کا ذکر ہے، ابوداؤد اور ترمذی کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم دو آیتوں میں ہے، ایک تو یہی، دوسری الٓمّٓ اللّٰہ لا الٰہ الا ھو الایۃ (خزائن العرفان)

قوله: لا نظیر له الخ یہ الٰہ واحد کا مفہوم ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ واحد حقیقتاً وہ ہوتا ہے جس کا کوئی جز نہ ہو اور وہ کٹ بٹ نہ سکے، مگر واحد جب رب کی صفت ہو تو اس سے ذات وصفات وافعال میں اکیلا و بے مثل مراد ہوتا ہے۔ لہٰذا الٰہ واحد کا مفہوم یہ ہوا کہ اللہ عزوجل اپنی ذات وصفات میں بے مثل ہے یعنی اس کی ذات اجزاء سے مرکب نہیں نہ اس کے جز ہیں نہ وہ کسی کا جز ہے اور نہ ہی کسی کی ذات اس کی ذات کی طرح ہے، اسی طرح اس کی صفات میں ایک ہی جنس کی صفت میں تعدد نہیں، مثلاً وہ علیم ہے مگر اس کے وصف علم میں تعدد نہیں، سمیع ہے مگر وصف سمع میں تعدد نہیں، بصیر ہے مگر وصف بصر میں تعدد نہیں و ھلم جرا اور نہ ہی کسی کی صفات رب کی صفات کی طرح ہیں اسی طرح وہ افعال میں بھی یکتا ہے کہ جو چاہے کرے کسی اور کو اس کے کسی فعل میں دخل دینے کی طاقت نہیں۔ (صاوی ملخصاً)

خیال رہے کہ آیت میں پہلے الٰہ سے رب کی ذات مراد ہے اور دوسرے الٰہ سے وصف معبودیت مراد ہے، لہٰذا یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ تکرار الٰہ کی کیا ضرورت تھی؟ محض الٰھکم واحد فرمادینا کافی تھا، کیونکہ آیت سے وحدۃ فی الذات کے ساتھ وحدۃ فی الالوھیت کا اظہار مقصود ہے اور یہ معنی بغیر تکرار الٰہ کے حاصل نہ ہوتا۔

قوله: ھو۔ یہ الرحمٰن الرحیم کے مبتداء محذوف کی طرف اشارہ ہے، مفسر علام کی تفسیر کے مطابق ترکیب نحوی یوں ہوگی، لفظ لا، لائے نفی جنس ہے۔ اللہ اسم لا مبنی بر فتح ہے، خبر موجود محذوف ہے۔ الا اداۃ حصر اور ھو بدل ہے خبر کی ضمیر مستتر سے، آگے ھو مبتداء محذوف اور الرحمن الرحیم خبر واقع ہے۔ اب تقدیری عبارت یوں ہوگی لا الٰہ موجود

ھو الا ھو ھو الرحمن الرحیم یہاں دوسری ترکیبیں بھی ہیں اختصار کے پیش نظر ہم نے ان سے صرف نظر کیا۔

قولہ: و طلبوا آیۃ الخ چونکہ رب کی شان وصفت کے بیان میں تین دعوے معرض وجود میں آئے۔ (۱) الٰھکم الہ واحد (۲) لا الہ الا ھو (۳) الرحمن الرحیم ان مذکورہ دعاوی پر کفار نے دلیل طلب کی تو یہ آیات نازل ہوئیں جن میں بظاہر آٹھ دلائل ہیں مگر ہر دلیل متعدد دلائل پر مشتمل ہے۔

قولہ: و مافیھما من العجائب۔ یہ اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ آیت میں آسمان وزمین کے ذکر پر اکتفاء فرمایا اوران کے اندر جو عجائبات ہیں ان کا ذکر اس لئے نہ فرمایا کہ آسمان وزمین ان عجائبات پر مشتمل اور انھیں محیط ہیں اور آسمان و زمین کے احوال جاننے سے ان کے عجائبات کے احوال بھی معلوم ہو ہی جائیں گے گویامن وجہ آسمان وزمین کے ذکر میں ان کے عجائبات کا بھی ذکر ہو گیا، لہٰذا یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ تخصیص بالذکر ماسوا کے نفی حکم پر دلیل ہے تو زمین و آسمان کے عجائبات سے استدلال مقصود نہیں۔ (ترویح الارواح)

خیال رہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی پہلی دلیل ہے جس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ آسمان کی تخلیق چند وجوہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہے اس طرح کہ آسمان متعدد ہیں اوران میں ستارے بھی متعدد ہیں اور باوجودیکہ طبیعت جرم علوی سب میں مشترک ہے مگر ہر ایک مختلف ہے کوئی آسمان بڑا کوئی چھوٹا ہے اسی طرح کوئی ستارہ بڑا کوئی چھوٹا ہے اوران کی روشنی اور رنگ میں بھی اختلاف ہے زہرہ سفید، زحل مائل بہ سیاہی، مشتری سنہرہ، مریخ سرخ، عطارد پیلا ہے پھر ان کی رفتار میں بھی اختلاف کوئی تیز رفتار ہے کوئی سست رفتار، کوئی جانب جنوب حرکت میں ہے کوئی جانب شمال اس پر طرفہ یہ کہ افلاک و نجوم اپنی ثقالت کے باوجود بغیر کسی علاقہ وستون کے محض فضا میں معلق ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کسی قادر مطلق کے قبضہ وقدرت میں ہیں کہ وہ اپنے ارادہ واختیار سے ان میں جیسا چاہتا ہے تصرف کرتا ہے، علاوہ ازیں افلاک و ستارے اجسام ہیں اور ہر جسم مرکب ہے اور ہر مرکب حادث ہے یعنی پہلے نہیں تھا پھر ہوا اور ہر حادث کے لئے ایک محدث قدیم وقدیر ضروری ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ (حقانی)

اسی طرح زمین کے عجائبات بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر روشن دلیل ہیں کہ قدرت نے زمین کا کچھ حصہ پانی سے باہر رکھا اور زیادہ حصہ پانی کے نیچے، اوپری حصہ کو جانوروں اور انسانوں کی قیام گاہ بنایا اور اس کے مختلف حصہ میں مختلف تاثیریں دیں، کہیں بکثرت پھلوں کی پیداوار، کہیں سبزہ زار، کہیں آبادیاں، کہیں جنگل، کہیں دریا اور نہریں، کہیں سونے چاندی کی کانیں، کہیں پہاڑ کہیں غار، کوئی زمین سنگ لاخ کہ وہاں کوئی سبزہ ہی نہیں اگتا، کوئی ہمیشہ سبزہ زار رہتی ہے، کسی زمین کے نیچے سے کھارا پانی نکلتا ہے، کسی زمین سے میٹھا پانی برآمد ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زمین کی مختلف تاثیروں کا ظہور کسی ایک ذات کے قبضہ واختیار میں ہے جو اپنی مرضی سے جس زمین میں جیسی تاثیر چاہتا ہے پیدا فرمادیتا ہے اور وہ ذات اللہ وحدہ لاشریک کی ہے۔

قولہ: بالذھاب الخ یہ لیل ونہار میں وجہ اختلاف کی طرف اشارہ ہے، رات کے عجائبات سے یہ ہے کہ وہ کبھی

روشن کبھی تاریک ہوتی بلکہ ایک ہی وقت کہیں روشن کہیں تاریک ہوتی ہے اسی طرح کبھی چھوٹی کبھی بڑی بلکہ ایک ہی وقت کہیں بڑی کہیں چھوٹی ہوتی ہے یہاں تک کہ کہیں دو مہینے اور کہیں چھ مہینے کی رات ہوتی ہے یہی حال دن کا ہے کہ کبھی بڑا اور کبھی چھوٹا کبھی گرم تو کبھی سرد، صبح ہلکا روشن، دوپہر میں خوب روشن پھر شام میں ہلکا روشن، پھر ایک ہی وقت کہیں موجود کہیں سے غائب، کہیں بارہ گھنٹے کا دن تو کہیں چھ ماہ کا، علاوہ ازیں رات اور دن کبھی جمع نہیں ہوتے رات آتی ہے تو دن چلا جاتا ہے، دن آتا ہے تو رات چلی جاتی ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ لیل ونہار کے عجائبات از خود نہیں بلکہ اس کے اختیار سے ہیں جس کے دست قدرت میں چاند اور سورج کی گردش ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔

قوله: و لا ترسب مؤقرة. کشتیوں کا سامان تجارت اور سواری وغیرہ لے کر سمندر میں پہاڑ جیسی موجوں سے بچتے ہوئے منزل مقصود تک پہنچ جانا، یہ بھی دلائل قدرت سے ہے کہ ہم ایک کنکر بھی پانی میں پھینکیں تو وہ تہ نشیں ہو جائے مگر انتہائی وزنی کشتیاں ٹنوں کے حساب سے مال واسباب لے کر سمندر کے سینے کو چیرتے ہوئے گزر جائیں اور غرق نہ ہوں یہ اس خدائے وحدہ لاشریک کی کرشمہ سازی ہے جس کے حکم کے بغیر ایک ذرہ بھی نہیں ہلتا۔

قوله: بالنبات. یہ اس شبہ کے ازالہ کی طرف اشارہ ہے کہ زمین ایک بے جان چیز ہے اور زندگی وموت جاندار کے لئے ہے پھر زمین کی طرف حیات وموت کی نسبت کا کیا معنیٰ؟

جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں آیت میں احیاء ارض کا معنیٰ ہے زمین کے اندر پوشیدہ صلاحیت کو ظاہر کرنا اور انواع و اقسام کے نباتات اگانا، زمین کی موت سے مراد اس کا خشک ہونا ہے کہ یہ بھی دلائل قدرت سے ہے کیونکہ ایک خشک زمین پر بارش ہوتی ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے اس پر ہزار ہا جڑی بوٹیاں، اناج، گھاس، عمدہ عمدہ پھل پھول کے درخت اُگ اٹھتے ہیں اور پھر ایک ہی زمین پر ایک ہی قسم کی بارش ہوتی ہے مگر اس سے پیدا ہونے والے درختوں میں کسی کا پھل شیریں، کسی کا تلخ کہیں سرخ پھول کہیں سفید، یہ ساری گل کاریاں ظاہر کرتی ہیں کہ ان کا وجود از خود نہیں، ورنہ ان میں یکسانیت ہوتی بلکہ یہ سب کچھ کسی قادر مطلق کے قدرت میں ہے جو اپنی مرضی کے مطابق گل کاری کرتا ہے اور اسی قادر مطلق کا نام خدا ہے۔

قوله: و نشر به. یہ اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ آیت میں لفظ "بث" کا عطف لفظ "انزل" پر نہیں بلکہ احیا بہ پر ہے، پھر یہاں پیدا ہونے والے دو اعتراضات کا جواب دینا بھی مقصود ہے، پہلا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ نحوی قاعدہ کے لحاظ سے احیا پر "بث" کا عطف درست نہیں، کہ فعل پر فعل کا عطف اس وقت درست ہوتا ہے۔ جب معطوف میں کوئی ایسی ضمیر ہو جس کا مرجع وہی ہو جس کی طرف معطوف علیہ کی ضمیر لوٹتی ہو، اور یہاں ایسا نہیں کہ معطوف علیہ میں بـــه کی ضمیر مجرور کا مرجع تو الماء ہے مگر اس کی طرف لوٹنے والی کوئی ضمیر معطوف یعنی بث میں نہیں۔ دوسرا اعتراض یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب بث کا عطف لفظ احیا پر ہوگا تو بث ماسببیہ کے تحت داخل ہوگا حالانکہ بث کے لئے ماء کی سببیت غیر ظاہر ہے۔

مفسر علام نے نشر بہ سے پہلے اعتراض کا جواب دیا کہ بث میں عائد محذوف ہے یعنی تقدیری عبارت وبث به ہے لہٰذا عطف صحیح ہے۔ دوسرے اعتراض کا جواب مفسر علام نے آگے لانهم ینمون الخ سے دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ

زمین میں جاندار چیزوں کے پھیلنے، بڑھنے اور پلنے کا سبب بارش ہی ہے اس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ جاندار کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم تو ان جانداروں کی ہے جو توالد و تناسل کے طریقے پر پیدا ہوتے ہیں جیسے آدمی اور گائے گھوڑے وغیرہ، دوسری قسم ان جانورں کی ہے جو بطریق تولید پیدا ہوتے ہیں جیسے برساتی پانی سے مینڈک، جھینگر اور دیگر حشرات الارض پیدا ہوجاتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ بعض جاندار وہ ہیں جو بارش سے پیدا ہوتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو پانی سے باقی اور زندہ رہتے ہیں، اب بث کے لئے ماء کی سببیت واضح ہوگئی۔ (ترویح الارواح وتفسیر حقانی)

قولہ: حارۃ و باردۃ. یہ ہواؤں کے دلیل قدرت ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ ہوائیں مختلف ہوتی ہیں اور ہر ایک کے چلنے کی سمت بھی مختلف اور پھر ہر سمت کی ہوا کی طبیعت بھی مختلف ہوتی ہے، اس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ اولاً ہوا کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) رحمت کی ہوا (۲) عذاب کی ہوا، پھر ان دونوں کی چار چار قسمیں ہیں ہر ایک کا نام اور کام الگ ہے، رحمت کی ہوائیں یہ ہیں مبشرات، ناشرات، مرسلات، ذاریات یا رخاء، اور عذاب کی ہوائیں یہ ہیں عاصف، قاصف (یہ دونوں بحری ہیں) عقیم اور صرصر (یہ برّی ہیں) سمت کے لحاظ سے ہوا کی چار قسمیں ہیں جنوبی، شمالی، صبا (پوربی) دبور (پچھواں) پھر ان میں سے ہر ایک کی تاثیر جداگانہ ہے چنانچہ جنوبی کی طبیعت اور تاثیر گرم ہے، شمالی کی تاثیر سرد خشک، صبا کی تاثیر گرم خشک، دبور کی تاثیر سرد تر ہے، ہواؤں کی یہ تاثیرات اپنے جس خالق و مالک کی نشاندہی کرتی ہیں وہی خدا ہے (صاوی ملخصاً)

قولہ: فلا علاقۃ. یہ بادلوں کی وجہ دلیل قدرت ہے کہ کروڑوں من وزنی پانی بادل کی شکل میں آسمان وزمین کے درمیان لٹکا رہتا ہے نہ کسی زنجیر میں معلق ہے نہ کسی میز پر رکھا ہوا ہے، پھر اسی بادل سے بسا اوقات اس قدر پانی گرتا ہے کہ سیلاب آجاتا ہے اور آبادیاں تباہ ہوجاتی ہیں اور کبھی ایسی معمولی بارش ہوتی ہے کہ ہر چہار جانب شادابی پھیل جاتی ہے۔ پھر اسی بادل سے بجلی، گرج، قوس قزح غرضیکہ بہت سے عجائبات ظاہر ہوتے ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ دست قدرت اس کے پیچھے کام کررہا ہے ورنہ بادل کے اندر از خود ان عجائبات کا پیدا ہونا محال ہے۔

قولہ: دالات الخ یہ اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ یہاں لفظ "آیات" معنی اصطلاحی میں نہیں بلکہ اس سے مراد دلائل ہیں، لہٰذا یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ امور مذکورہ قرآن کے اجزا نہیں پھر انھیں آیات کیوں فرمایا۔

خیال رہے کہ یہاں تک قدرت ربانی کی آٹھ نشانیاں بیان ہوئیں (۱) آسمان وزمین کی پیدائش (۲) رات و دن کی تبدیلی (۳) کشتی کا دریا میں تیرنا (۴) بارش کا آسمان سے اترنا (۵) زمین کا بعد موت زندہ ہونا (۶) ہر قسم کے جانوروں کا زمین میں پھیلنا (۷) ہواؤں کی گردش (۸) بادلوں کا آسمان وزمین کے بیچ لٹکنا، یہ آٹھ امور ہیں جو حضرت قادر مختار کے علم و حکمت اور اس کی وحدانیت پر برہان قوی ہیں، ان امور کی روشنی میں خدا کی وحدانیت پر عقلی دلیل کا اجمالی بیان حضرت صدر الافاضل قدس سرہ کی زبان میں یہ ہے کہ امور مذکورہ ممکنات سے ہیں ان کا وجود بہت سے مختلف طریقوں سے ممکن تھا مگر وہ مخصوص شان سے وجود میں آئے یہ دلیل ہے کہ ضرور ان کے لئے کوئی قادر و حکیم موجد ہے جو بمقتضائے حکمت ومشیت جیسا چاہتا ہے کرتا ہے اور وہ قادر و حکیم ضرور واحد و یکتا ہے کیونکہ اگر اس معبود حقیقی کے ساتھ دوسرا معبود بھی فرض کرلیا جائے تو اس کو

بھی ان مقدورات پر قادر ماننا پڑے گا، اب دو حال سے خالی نہیں، یا تو ایجاد و تاثیر میں دونوں متفق الارادہ ہوں گے یا نہ ہوں گے، اگر ہوں تو ایک ہی شئ کے وجود میں دو مؤثروں کا اثر کرنا لازم آئے گا اور یہ محال ہے کیونکہ یہ مستلزم ہے معلول کے دونوں سے مستغنی ہونے کو اور دونوں کی طرف مفتقر ہونے کو کیونکہ علت جب مستقلہ ہو تو معلول صرف اسی کی طرف محتاج ہوتا ہے دوسرے کی طرف محتاج نہیں ہوتا اور دونوں کو علت مستقلہ فرض کیا گیا ہے تو لازم آئے گا کہ معلول دونوں میں سے ہر ایک کی طرف محتاج ہو اور ہر ایک سے غنی ہو تو نقیضین مجتمع ہو گئیں اور یہ محال ہے اور اگر یہ فرض کریں کہ تاثیر ان میں سے ایک کی ہے تو ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی اور دوسرے کا عجز لازم آئے گا جو الٰہ ہونے کے منافی ہے اور اگر یہ فرض کرو کہ دونوں کے ارادے مختلف ہوتے ہیں تو تمانع و تطارد لازم آئے گا کہ ایک کسی شئ کے وجود کا ارادہ کرے اور دوسرا اسی حال میں اس کے عدم کا تو وہ شئ ایک ہی حال میں موجود معدوم دونوں ہوگی یا دونوں نہ ہوگی یہ دونوں تقدیریں باطل ہیں تو ضروری ہوا کہ موجود ہو یا معدوم اگر موجود ہوئی تو عدم کا چاہنے والا عاجز ہوا الٰہ نہ رہا اور اگر معدوم ہوئی تو وجود کا چاہنے والا عاجز رہا الٰہ نہ رہا، لہٰذا عقلاً ثابت ہو گیا کہ الٰہ ایک ہی ہو سکتا ہے۔ (خزائن العرفان)

قوله: یتدبرون۔ یہ ایک شبہ کا ازالہ ہے شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ عقل تو سارے انسانوں کے پاس ہے مگر مذکورہ امور میں بہت سارے انسانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر کوئی دلیل نہیں جیسے کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ کے لئے، پھر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا کیا معنیٰ "لآیات لقوم یعقلون" اس میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں، جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں یعقلون بمعنی یتدبرون ہے کہ تدبر ہی عقل کا ثمرہ ہے یعنی مذکورہ امور میں نشانیاں ان لوگوں کے لئے ہیں جو اپنی عقل کو صحیح طور پہ استعمال کرتے ہیں اور مذکورہ امور میں غور و فکر کرتے ہیں، ایسے ہی لوگ حقیقت میں عقلمند ہیں، رہے کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ جو مذکورہ امور میں غور و فکر نہیں کرتے وہ لا یعقل کی منزل میں ہیں یعنی نشانیاں تو ہیں مگر وہ انھیں سمجھنے سے قاصر ہیں۔

قوله: بالتعظیم و الخضوع۔ یہ بھی ایک شبہ کا جواب ہے، شبہ یہ ہوتا ہے کہ یہاں آیت سے اللہ تعالیٰ اور اصنام کے درمیان محبت میں یکسانیت متبادر ہوتی ہے جس طرح مؤمنین اللہ سے محبت کرتے ہیں اسی طرح کفار اپنے بتوں سے محبت کرتے ہیں، حالانکہ مؤمن کو جو محبت اللہ سے ہوتی ہے وہ کسی بھی وقت زائل نہیں ہوتی جبکہ بتوں سے کفار کی محبت مصیبت کے وقت زائل ہو جاتی ہے، علاوہ ازیں کسی عاقل سے یہ متصور نہیں کہ وہ مخلوق سے ایسی ہی محبت کرے جیسی محبت خالق سے کرتا ہے اور چونکہ کفار و مشرکین بتوں کو خالق نہیں مانتے بلکہ خالق تک پہنچنے کا ذریعہ مان کر ان کی پرستش کرتے ہیں۔ کما قال اللہ "ما نعبدهم الا لیقربونا الی الله زلفی" (زمر) ہم تو انھیں صرف اس لئے پوجتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے نزدیک کر دیں، لہٰذا مشرکین سے بھی یہ متصور نہیں کہ وہ اصنام سے ایسی ہی محبت کریں جیسی محبت خالق سے کرتے ہیں۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں من کل الوجوہ تسویہ بین المحبتین بتانا مقصود نہیں بلکہ محض تعظیم و طاعت میں برابری بتانا مقصود ہے کہ مشرکین اپنے بتوں کی ایسی ہی تعظیم کرتے ہیں جیسی تعظیم خدا کی کرنی چاہئے۔ فلا اعتراض علیه.

قولہ: من حبھم للانداد۔ یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے اور وہ یہ ہے کہ لفظ "اشد" اسم تفضیل ہے اور اسم تفضیل کا استعمال تین طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ پر ہوتا ہے (۱) اسم تفضیل مضاف ہو کر استعمال ہو جیسے زید افضل الناس (۲) معرف باللام ہو کر استعمال ہو جیسے زید الافضل (۳) لفظ من کے ساتھ استعمال ہو جیسے زید افضل من عمرو، مگر یہاں مذکورہ طریقوں میں سے کسی طریقہ پر اسم تفضیل استعمال نہیں ہوا ہے۔

جواب یہ ہے کہ یہاں اسم تفضیل من کے ساتھ مستعمل ہے مگر لفظاً وہ اس لئے محذوف ہے کہ ماسبق یعنی یحبونھم کحب اللہ کی دلالت اس پر ہو رہی ہے۔ فلا اشکال علیہ۔

قولہ: لانھم لایعدلون عنہ الخ یہ وجہ اشدیت کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مشرکین تو اپنے بتوں سے ایسی محبت کرتے ہیں کہ سختی اور مصیبت میں یہ محبت زائل ہو جاتی ہے مگر مؤمنین کے دلوں میں خدا کی محبت ایسی راسخ ہوتی ہے کہ وہ کسی بھی وقت زائل نہیں ہوتی، لہٰذا مؤمنین اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے میں اقوام عالم میں منفرد ہیں، رہی انبیاء اور اولیاء سے مؤمنین کی محبت تو وہ بھی اللہ کے لئے ہی ہوتی ہے کہ یہ حضرات مقربین بارگاہ ہیں اور ان کی محبت خدا تک پہنچنے اور اسے راضی کرنے کا ذریعہ ہے لہٰذا اللہ کے محبوبوں کی محبت اللہ کی محبت ہے۔

فوائد: (۱) ان فی خلق السموات و الارض۔ میں آسمان کو جمع اور زمین کو واحد لانے کی وجہ یہ ہے کہ ساتوں آسمان ایک دوسرے سے جدا ہیں اس طرح کہ ہر دو آسمان کے درمیان ۵۰۰ رسال کی مسافت ہے علاوہ ازیں ہر آسمان کی حقیقت جداگانہ ہے کوئی چاندی کی طرح ہے کوئی سونا کی طرح اور زمین اگرچہ آسمان کی طرح سات ہے مگر اس کے طبقے پیاز کے چھلکوں کی طرح ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں کہ سب مل کر ایک معلوم ہوتے ہیں نیز ہر زمین کی حقیقت مٹی ہی ہے، اس لئے یہاں بلکہ قرآن کریم میں اکثر مقامات پر آسمان کو جمع اور زمین کو واحد فرمایا۔ (روح البیان)

(۲) و اختلاف اللیل والنھار۔ میں لیل کی تقدیم نہار پر اس لئے ہے کہ لیل کا وجود نہار کے وجود پر مقدم ہے کیونکہ ظلمت نور سے پہلے ہے۔ (صاوی)

(۳) بارش نہ ہونے سے خشکی کے بہت سے جانور مر جاتے ہیں اور پانی میں مچھلیاں اگرچہ بارش نہ ہونے سے مرتی تو نہیں ہیں مگر اندھی ہو جاتی ہیں۔ (تفسیر عزیزی)

شبہات کا ازالہ: یہاں چند شبہات پیدا ہوتے ہیں اولاً محبت ایک قسم کا ارادہ اور خواہش ہے جو ممکن الوجود چیز کے ساتھ متعلق ہوتا ہے کیونکہ محبت نام ہے شئی لذیذ کی طرف طبیعت کے میلان کا مثلاً کسی کے حسن و جمال، جود و نوال، جاہ و جلال وغیرہ کو دیکھ کر دل اس کی طرف مائل ہو جائے تو یہی محبت ہے اور اللہ تعالیٰ چونکہ ممکن نہیں بلکہ واجب ہے لہٰذا اس کی طرف محبت کی نسبت درست نہیں ہونی چاہئے۔ ثانیاً مسلمان اولیاء اور انبیاء کی محبت کو الحب للہ سے تعبیر کرتے ہیں اور اسے اخروی نجات کا ذریعہ تصور کرتے ہیں، مشرکین بھی بتوں سے اسی لئے محبت کرتے ہیں کہ انھیں خدا تک رسائی کا ذریعہ سمجھتے ہیں جیسا کہ توضیح وتشریح میں گزرا تو چاہئے کہ بتوں سے مشرکین کی محبت بھی شرک نہ ہو۔

ثالثاً: بعض مشرکین مثلاً سادھوسنت اور جوگی وغیرہ ایسی ایسی ریاضتیں کرتے ہیں کہ بہت سارے مؤمنین اس قدر اور ایسی ریاضتیں نہیں کر پاتے اور ظاہر ہے کہ کفار کی ریاضتیں ان کے معبودان باطلہ کی محبت ہی میں ہوتی ہیں پھر اس ارشاد کا کیا معنی؟ کہ مؤمنین کی محبت ان کی محبت سے اشد اور قوی ہے۔

جوابات حسب ترتیب یوں ہیں، اولاً یہاں محبت کا اصطلاحی معنی مراد نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا مطلب یہ ہے کہ اس کی عبادت وطاعت اور اس کی رضا وخوشنودی کو محبوب جانے۔ (حقانی)

ثانیاً مشرکین کا شرک محض محبت کی وجہ سے نہیں بلکہ بتوں کی پرستش کی وجہ سے ہے کہ غیر اللہ سے محبت کرنا شرک نہیں بلکہ غیر اللہ کو مستحق عبادت ماننا شرک ہے، الحمد للہ مسلمان انبیاء واولیاء سے صرف محبت کرتے ہیں انھیں مستحق عبادت نہیں سمجھتے اور اگر کوئی انبیاء اولیاء کو مستحق عبادت مانے تو وہ ضرور کافر ہے۔ (صاوی)

ثالثاً یہاں نفس محبت میں اشدیت بتانا مقصود نہیں بلکہ اس سے مراد محبت کا راسخ فی القلب ہونا اور کسی بھی وقت خدا کی محبت کا زائل نہ ہونا ہے۔ رہے سادھو اور جوگی جو چوبیس گھنٹے رام رام کا مالا جپتے ہیں وہ بھی سخت پریشانی میں رام کو بھول کر خدا کو یاد کرنے لگتے ہیں اور سارے دیوتاؤں کی محبت ان کے دلوں سے زائل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا کفار کے مقابلہ میں مؤمنین کی محبت قوی ہے کہ اس کے لئے زوال نہیں۔ (ترویح الارواح ملخصاً)

﴿وَلَوْ يَرَى﴾ تَبْصُرُ يَامُحَمَّدُ ﴿الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ بِاتِّخَاذِ الْاَنْدَادِ ﴿اِذْ يَرَوْنَ﴾ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَ الْمَفْعُوْلِ يُبْصِرُوْنَ ﴿الْعَذَابَ﴾ لَرَأَيْتَ اَمْرًا عَظِيْمًا وَ اِذْ بِمَعْنٰى اِذَا ﴿اَنَّ﴾ اَیْ لِاَنَّ ﴿الْقُوَّةَ﴾ الْقُدْرَةَ وَ الْغَلَبَةَ ﴿لِلّٰهِ جَمِيْعًا﴾ حَالٌ ﴿وَ اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ﴾ وَ فِیْ قِرَأَةٍ يَرٰى بِالتَّحْتَانِيَّةِ وَ الْفَاعِلُ فِيْهِ قِيْلَ ضَمِيْرُ السَّامِعِ وَ قِيْلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَهِيَ بِمَعْنٰى يَعْلَمُ وَ اَنَّ وَ مَا بَعْدَهَا سُدَّتْ مَسَدَّ الْمَفْعُوْلَيْنِ وَ جَوَابُ لَوْ مَحْذُوْفٌ وَ الْمَعْنٰى لَوْ عَلِمُوا فِي الدُّنْيَا شِدَّةَ عَذَابِ اللّٰهِ وَ اَنَّ الْقُدْرَةَ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ وَقْتَ مُعَايَنَتِهِمْ لَهٗ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ لَمَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اَنْدَادًا ﴿اِذْ﴾ بَدَلٌ مِنْ اِذْ قَبْلَهٗ ﴿تَبَرَّأَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا﴾ اَیِ الرُّؤَسَاءُ ﴿مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا﴾ اَیْ اَنْكَرُوْا اِضْلَالَهُمْ ﴿وَ﴾ قَدْ ﴿رَاَوُا الْعَذَابَ وَ تَقَطَّعَتْ﴾ عَطْفٌ عَلٰى تَبَرَّأَ ﴿بِهِمْ﴾ عَنْهُمْ ﴿الْاَسْبَابُ﴾ اَلْوُصَلُ الَّتِیْ كَانَتْ بَيْنَهُمْ فِي الدُّنْيَا مِنَ الْاَرْحَامِ وَ الْمَوَدَّةِ ﴿وَ قَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً﴾ رَجْعَةً اِلَى الدُّنْيَا ﴿فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ﴾ اَیِ الْمَتْبُوْعِيْنَ ﴿كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا﴾ اَلْيَوْمَ وَ لَوْ لِلتَّمَنِّیْ وَ فَنَتَبَرَّأَ جَوَابُهٗ ﴿كَذٰلِكَ﴾ كَمَا اَرَاهُمْ شِدَّةَ عَذَابِهٖ وَ تَبَرِّیَ بَعْضِهِمْ مِنْ بَعْضٍ ﴿يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ﴾ اَلسَّيِّئَةَ ﴿حَسَرَاتٍ﴾ حَالٌ نَدَامَاتٍ ﴿عَلَيْهِمْ وَ مَاهُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِo﴾ بَعْدَ دُخُوْلِهَا.

ترجمہ: ﴿اور کاش جان لیتے﴾ دیکھتے اے محبوب ﴿جنھوں نے ظلم کیا﴾ شریک ٹھرا کر ﴿جب دیکھ لیں گے﴾ یرون میں معروف اور مجہول دونوں قرأتیں ہیں ﴿عذاب﴾ تو ضرور آپ ایک عظیم معاملہ دیکھیں گے اور اذ بمعنی اذا ہے ﴿اس لئے کہ﴾ اَنّ بمعنی لِاَنّ ہے ﴿قوت﴾ قدرت اور غلبہ ﴿اللہ کے لئے ہے ساری کی ساری﴾ جمیعاً حال ہے ﴿اور

اس لئے کہ اللہ کا عذاب بہت سخت ہے﴾ اور ایک قرأۃ میں یـــری یائے تحتانیہ کے ساتھ ہے اور اس میں فاعل کے متعلق بعضوں نے کہا کہ ضمیر مخاطب ہے اور بعضوں نے کہا کہ الذین ظلموا ہے لہٰذا یہ بمعنی یعلم ہوگا اور لفظ أنّ اور اس کا مابعد دو مفعول کے قائم مقام ہوگا اور لـو کا جواب محذوف ہوگا اور آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اگر وہ دنیا میں اللہ کے عذاب کی شدت کو جان لیتے اور یہ جان لیتے کہ ساری قدرت صرف اللہ کے لئے ہے جیسا کہ وہ قیامت کے دن اس کا معائنہ کرلیں گے تو وہ اللہ کے سوا کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراتے ﴿جب﴾ یہ اذ ماقبل کے اذ سے بدل ہے۔ ﴿بیزار ہوں گے پیشوا﴾ یعنی لیڈران ﴿اپنے تابعداروں سے﴾ یعنی انھیں گمراہ کرنے سے انکار کریں گے ﴿اور دیکھ لیں گے عذاب کو اور کٹ جائیں گی﴾ اس کا عطف تبرأ پر ہے ﴿ان سب کی ڈوریں﴾ صلہ رحمی اور آپسی تعلقات جو ان کے درمیان دنیا میں تھے ﴿اور کہیں گے تابعداری کرنے والے کاش ہمیں لوٹ کر جانا ہوتا﴾ دنیا کی طرف لوٹنا ہوتا ﴿تو ہم ان سے توڑ دیتے﴾ یعنی لیڈروں سے ﴿جیسے انھوں نے ہم سے توڑ دی﴾ آج کے دن اور لو تمنی کے لئے ہے اور فنتبرأ جواب تمنی ہے ﴿یونہی﴾ جیسے انھیں اپنے عذاب کی شدت دکھائی اور بعض کی بعض سے بیزاری ﴿اللہ انھیں دیکھائے گا ان کے اعمال﴾ برے اعمال ﴿حسرتیں ہوں گی﴾ یہ حال ہے بمعنی ندامات ﴿ان پر اور وہ دوزخ سے نکلنے والے نہیں﴾ اس میں داخل ہونے کے بعد۔

توضیح و تشریح: قوله تبصر یا محمد. مفسر علام نے یری کی تفسیر تبصر سے کرکے عامر و نافع کی قرأت بالتاء کی طرف اور اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہاں یـری سے رویت بصری مراد ہے نہ کہ قلبی کہ رویت قلبی کے لئے دو مفعولوں کی ضرورت ہوگی جو یہاں موجود نہیں۔

قـولـه: بـاتـخـاذ الانداد. یہ ایک شبہ کا ازالہ ہے، شبہ یہ پیدا ہو رہا تھا کہ آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ الذین ظلموا سے مراد اصنام پرست نہیں بلکہ دوسرے ظالمین ہیں کیونکہ اگر اصنام پرست ہی مراد ہوتے تو اصل عبارت ضمیر کے ساتھ یعنی "لـو یریهم" ہونی چاہئے کہ ماقبل میں اصنام پرستوں کا ذکر ہو چکا ہے۔ حاصل ازالہ یہ ہے کہ الـذین ظلموا سے اصنام پرست ہی مراد ہیں اور اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لاکر شرک و اصنام پرستی کے ظلم عظیم ہونے کی طرف اشارہ فرمایا گویا اصنام پرستی اتنا بڑا گناہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے صراحۃً ظلم سے تعبیر فرمایا ہے۔

قـولـه: اذ بمعنی اذا. یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال کی تقریر یہ ہے کہ اذ ماضی کا ظرف ہے اور عذاب کی رویت مستقبل میں ہوگی لہٰذا یہ اذا کا محل ہے اذ کا نہیں، جواب کا حاصل یہ ہے کہ رویت کا وقوع چونکہ یقینی ہے اس لئے مضارع کو ماضی کی منزل میں اتار لیا اور اس پر اذ داخل کر دیا تاکہ رویت کے یقینی الوقوع ہونے پر دلالت کرے، رہا یہ سوال کہ پھر مضارع کی بجائے ماضی کا صیغہ ہی ہونا چاہئے تاکہ مضارع کو ماضی کی منزل میں اتارنے کی ضرورت ہی نہ پیش آئے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ رویت حقیقتاً مستقبل یعنی روز قیامت ہوگی لہٰذا اس کی طرف مضارع کا صیغہ لاکر اشارہ فرما دیا۔

قـولـه: لان. اس میں لام تعلیلیہ ہے جس سے اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ اِنَّ اپنے مابعد سے مل کر جواب محذوف کی علت ہے، آگے مفسر علام نے حال کہہ کر جمیعاً کے حال ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے، اور جمیعاً متعلق محذوف کـائـنـة کی

ضمیر سے حال ہے تقدیری عبارت یوں ہے۔ ان القوۃ کائنۃ للّٰہ جمیعاً.

قولہ: قیل ضمیر السامع الخ اس پوری عبارت کا حاصل یہ ہے کہ جیسا کہ گزرا یری میں دو قرأتیں ہیں تاء فوقانیہ کے ساتھ "تری" یاء تحتانیہ کے ساتھ "یری" پہلی صورت میں فاعل ضمیر خطاب ہوگا اور الذین ظلموا تری کا مفعول ہوگا اور لو شرطیہ کے جواب یعنی لرأیت امراً عظیما کو ان القوۃ الخ سے پہلے مقدر ماننا ہوگا کیونکہ اس صورت میں ان القوۃ الخ جواب محذوف کی علت ہے لہٰذا جواب مقدم اور علت موخر ہونی چاہئے اور دوسری صورت میں یری کا فاعل الذین ظلموا ہوگا اور چونکہ ظالموں کا اللہ کے عذاب کی شدت کو دنیا میں بچشم سر دیکھنا ممکن نہیں اس لئے یریٰ بمعنی یعلم ہوگا لہٰذا اسے دو مفعول کی ضرورت ہوگی اس لئے اِنَّ اپنے مابعد سے مل کر یری کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہوگا اور لو شرطیہ کا جواب یعنی لما اتخذوا الخ مقدر اور ان القوۃ سے مؤخر ہوگا کیونکہ ان القوۃ الخ یریٰ کا مفعول ہے تو گویا اس کا تکملہ ہے، لہٰذا تکمیل کے بعد جواب لایا گیا۔

قولہ: قد. یہ واؤ کے حالیہ ہونے کی طرف اشارہ ہے اور قد رأو العذاب، اتباع (اَلَّذِیۡنَ اتَّبِعُوۡا) اور متبوعین (اَلَّذِیۡنَ اتُّبِعُوۡا) دونوں کی ضمیر سے حال واقع ہے جیسے لقیت زیدا راکبین میں اور چونکہ ماضی کا بغیر قد کے حال واقع ہونا درست نہیں، قد خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً ماضی کے حال بننے کے لئے ضروری ہے اس لئے یہاں قد کو مقدر مانا گیا۔ (ترویح الارواح)

قولہ: عنھم. یہ اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ یہاں باء بمعنی عن یعنی بعد اور مجاوزت کے لئے ہے، اگرچہ باء کو اس کے اپنے بعض معانی مثلاً سببیت یا ملابست یا تعدیہ کے لئے ماننا بھی صحیح ہے مگر اس میں قدرے تکلف ہے کہ حذف کثیر ماننا پڑے گا۔

قولہ: الوُصَل التی. الخ یہ اسباب کا معنی مجازی ہے چونکہ اسباب جمع ہے سبب کی جس کے معنی ہیں "وہ رسی جس سے چڑھا اترا جائے" پھر ہر ذریعہ اور وسیلہ کو سبب کہہ دیا جاتا ہے کیونکہ وہ رسی کی طرح مقصود تک پہنچاتے ہیں، چونکہ یہاں معنی حقیقی مراد لینا ممکن نہیں اس لئے مفسر علام نے الوصل التی الخ سے اس کے معنی مجازی کی طرف اشارہ فرمایا، معنی ہے "قیامت کے دن ان کے رشتے اور آپسی تعلقات جو ایک دوسرے کے لئے حصول مقصود کا وسیلہ اور ذریعہ ہیں ٹوٹ جائیں گے۔

قولہ: رجعۃ الی الدنیا. یہ آیت کے ظاہری مفہوم سے پیدا ہونے والے ایک شبہ کا ازالہ ہے، شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ ظاہری تشبیہ سے تابعداروں کے قول کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ جیسے آج ان کے قائدین ان سے اظہار بے زاری کر رہے ہیں ایسے وہ بھی دنیا میں جا کر واپس آخرت کی طرف لوٹتے تو اپنے قائدین سے اظہار بیزاری کرتے، حالانکہ آیت کا حقیقی مفہوم یہ نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح آخرت میں ان کے قائدین ان سے بیزار ہیں اسی طرح وہ دنیا میں اپنے قائدین اور لیڈران سے بیزار ہو جاتے اگر دنیا میں واپس جانے کی مہلت ملتی تو، گویا تشبیہ صرف بیزاری میں ہے محل بیزاری میں نہیں لہٰذا

رے سے شبہ ہی بے بنیاد ہے، اسی تفصیل کی طرف مفسر علام نے و قال الخ کے بعد رجعة الی الدنیا اور کما تبر و امنا کے بعد الیوم مقدر مان کر اشارہ کیا ہے۔

قوله: و لو لتمنی الخ مفسر علام نے اس تفسیر سے یہاں پیدا ہونے والے دو سوال کا جواب دیا ہے، پہلا سوال یہ ہے کہ لو کا جواب لام کے ساتھ ہوتا ہے فاء کے ساتھ نہیں مگر یہاں لو کا جواب "فنتبرأ" فا کے ساتھ ہے، دوسرا سوال یہ ہے کہ فنتبرأ کے منصوب ہونے کی وجہ کیا ہے؟ جب کہ ناصب نہ لفظاً موجود ہے نہ تقدیراً، جواب کا حاصل یہ ہے کہ مذکورہ دونوں باتیں لو شرطیہ کے لئے ضروری ہیں اور یہ لو تمنیہ ہے جس کے بعد ان مقدر ہونے کی وجہ سے جواب تمنی منصوب ہوتا ہے۔

(ترویح الارواح)

وَ نَزَلَ فِيمَنْ حَرَّمَ السَّوَائِبَ وَ نَحْوَهَا ﴿يٰۤاَيُّهَاالنَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا﴾ حَالٌ ﴿طَيِّبًا﴾ صِفَةٌ مُؤَكِّدَةٌ اَوْ مُسْتَلِذًّا ﴿وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ﴾ طُرُقَ ﴿الشَّيْطٰنِ﴾ اَيْ تَزْيِيْنَهُ ﴿اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ٥﴾ بَيِّنُ الْعَدَاوَةِ ﴿اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ﴾ اَلْاِثْمِ ﴿وَ الْفَحْشَآءِ﴾ اَلْقَبِيْحِ شَرْعًا ﴿وَ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ٥﴾ مِنْ تَحْرِيْمِ مَا لَمْ يُحَرَّمْ وَغَيْرِهٖ ﴿وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ﴾ اَيِ الْكُفَّارِ ﴿اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ مِنَ التَّوْحِيْدِ وَ تَحْلِيْلِ الطَّيِّبَاتِ ﴿قَالُوْا﴾ لَا ﴿بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا﴾ وَجَدْنَا ﴿عَلَيْهِ اٰبَآئَنَا﴾ مِنْ عِبَادَةِ الْاَصْنَامِ وَ تَحْرِيْمِ السَّوَائِبِ وَ الْبَحَائِرِ قَالَ تَعَالٰى ﴿أَ﴾ يَتَّبِعُوْنَهُمْ ﴿وَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا﴾ مِنْ اَمْرِ الدِّيْنِ ﴿وَ لَا يَهْتَدُوْنَ٥﴾ اِلَى الْحَقِّ وَالْهَمْزَةُ لِلْاِنْكَارِ ﴿وَ مَثَلُ﴾ صِفَةُ ﴿الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ وَ مَنْ يَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى ﴿كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ﴾ يَصُوْتُ ﴿بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّ نِدَاءً﴾ اَيْ صَوْتًا لَا يُفْهَمُ مَعْنَاهُ اَيْ هُمْ فِيْ سِمَاعِ الْمَوْعِظَةِ وَ عَدَمِ تَدَبُّرِهَا كَالْبَهَائِمِ تَسْمَعُ صَوْتَ رَاعِيْهَا وَ لَا تَفْهَمُهٗ هُمْ ﴿صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾ اَلْمَوْعِظَةَ.

ترجمہ: یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو سوائب وغیرہ جانوروں کو حرام جانتے تھے ﴿اے لوگو! کھاؤ جو کچھ زمین میں حلال﴾ لفظ حلالا حال ہے ﴿پاکیزہ ہے﴾ لفظ طیبا صفت موکدہ ہے یا مستلذا کے معنی میں ہے ﴿اور شیطان کے قدم پر قدم﴾ خطوات بمعنی طرق ہے ﴿نہ رکھو﴾ اس کے آراستہ کئے ہوئے راستے پر ﴿بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے﴾ اس کی عداوت واضح ہے ﴿وہ تو تمہیں یہی حکم دے گا بدی﴾ گناہ ﴿اور بے حیائی کا﴾ جو شرعاً قبیح ہے ﴿اور یہ کہ اللہ پر وہ بات جوڑو جس کی تمہیں خبر نہیں﴾ یعنی غیر حرام کو حرام کرنا وغیرہ ﴿اور جب ان سے کہا جائے﴾ یعنی کافروں سے ﴿اللہ کے اتارے پر چلو﴾ یعنی توحید اور پاکیزہ چیزوں کی حلت پر ﴿تو کہیں﴾ نہیں ﴿بلکہ ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے پایا﴾ الفینا وجدنا کے معنی میں ہے ﴿اپنے باپ دادا کو﴾ یعنی بت پرستی اور سائبہ و بحیرہ جانوروں کو حرام جاننا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿کیا﴾ یہ ان کی پیروی کریں گے ﴿اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ سمجھ سکتے ہیں﴾ امور دین سے ﴿اور نہ ہدایت یافتہ ہوں﴾ حق کی جانب یہاں ہمزہ انکار کے لئے ہے ﴿اور مثال﴾ حالت ﴿ان کی جنھوں نے کفر اختیار کیا﴾ اور

ان کی جو انھیں ہدایت کی طرف بلاتے ہیں ﴿اس کی سی ہے جو پکارے﴾ آواز دے ﴿ایسے کو کہ خالی چیخ پکار کے سوا کچھ نہ سنے﴾ یعنی صرف آواز سنے معنی نہ سمجھے مطلب یہ کہ وہ نصیحت سننے اوراس میں غور وفکر نہ کرنے میں جانوروں کی طرح ہیں جو اپنے چرواہے کی آواز سنتے ہیں مگر اسے سمجھتے نہیں ﴿یہ لوگ بہرے گونگے اندھے ہیں تو انھیں سمجھ نہیں﴾ نصیحت کی۔

توضیح و تشریح: قوله و نزل فیمن الخ چونکہ اس آیت کے شان نزول سے متعلق تین روایتیں ہیں:

(۱) مذکورہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنھوں نے اپنے اوپر عمدہ کھانا اور اچھا لباس حرام کرلیا تھا۔ (۲) مذکورہ آیت حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی جو مسلمان ہونے کے بعد بھی اونٹ کے گوشت سے بچتے تھے کیونکہ یہ ان کے پچھلے دین یعنی یہودیت میں حرام تھا۔ (۳) یہ آیت مشرکین عرب کے بارے میں نازل ہوئی کہ وہ لوگ سائبہ وغیرہ جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑ کر انھیں حرام جانتے تھے اور ان سے کسی طرح کا فائدہ نہیں اٹھاتے تھے۔ (روح المعانی)

حضرت مفسر نے آخری روایت کو ترجیح دے کر پہلی دونوں روایتوں کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے اور وجہ ترجیح یہ ہے۔ کہ اس سے پہلی آیتوں میں مشرکین کی بداعتقادیوں کا ذکر تھا اور اس آیت میں ان کی بعض بدعملیوں کا ذکر مقصود ہے گویا دونوں آیتیں مشرکین کے احوال پر ہی مشتمل ہیں۔ لہٰذا اس صورت میں اس آیت کا ماقبل کی آیت سے تعلق قوی ہے جب کہ پہلی دونوں روایتوں کے لحاظ سے یہ تعلق ضعیف ہوجاتا ہے۔ (ترویح الارواح)

قوله: حال یہاں لفظ حلالا کی ترکیب میں دواحتمال ہے اولاً یہ کہ لفظ حلالا، کلوا کا مفعول بہ ہو۔ ثانیاً یہ کہ لفظ حلالا "مما فی الارض" سے حال واقع ہو، اسی صورت کو حضرت مفسر نے پسند فرمایا ہے کیونکہ اس صورت میں حال اپنے اصل محل میں ہے یعنی ذوالحال سے موخر ہے۔ اور پہلی صورت میں حال کو ذوالحال پر مقدم ماننا پڑتا ہے جو خلاف اصل ہے۔

قوله: صفة مؤكدة الخ دفع دخل مقدر ہے، سوال یہ پیدا ہوا کہ لفظ حلالا سے خوردنی اشیاء کا پاکیزہ ہونا سمجھ میں آ گیا کہ جو چیز شرعاً حلال ہوگی ظاہر ہے وہ پاکیزہ ہوگی، پھر لفظ طیبا کے اضافہ کی کیا ضرورت تھی؟ وجہ دفع یہ کہ یہاں طیبا کی قید احترازی نہیں بلکہ یہ حلالا کی صفت موکدہ ہے محض توضیح مقصود ہے، پھر یہ صفت مؤکدہ بھی اس وقت ہوگی جب کہ آگے والا لفظ یعنی "مستلذا" واؤ کے ساتھ ہو، تو اس سے مراد مستلذ شرعی ہے یعنی حرام کے علاوہ دیگر تمام اشیاء جو مؤمن کے لئے مباح ہوں، اور وہ اگر او کے ساتھ یعنی او مستلذا ہو جیسا کہ بعض دوسرے نسخوں میں ہے تو اس سے مراد مستلذ طبعی یعنی وہ اشیاء ہوں گی جو طبعاً مرغوب وپسندیدہ ہوتی ہیں، اس صورت میں مستلذا صفت مخصصہ ہوگی جس سے کڑوی اور بدمزہ اشیاء خارج ہوجائیں گی۔ (صاوی)

قوله: ای تزيينه. اس میں حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے تقدیری عبارت ہے "طرق تزيينه" چونکہ خطوات جمع ہے خطوة کی جس کا لغوی معنی ہے "دوقدموں کا درمیانی فاصلہ" اور ظاہر ہے یہ معنی یہاں مراد لینا ممکن نہیں، لہٰذا بطور استعارہ خطوات سے طرق تزئین مراد لیا گیا یعنی شیطانی عقائد واعمال یا شیطانی وسوسے اور خطوات وطرق تزئین کے

درمیان جامع اتباع و پیروی ہے کہ جس طرح کسی کے نقش قدم پر چل کر اس کی پیروی کی جاتی ہے اسی طرح کسی کے بتائے ہو طور طریقے پر چل کر اس کی پیروی کی جاتی ہے۔

قوله: بیّن العداوت۔ یہ ایک سوال کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ شیطان کا وصف عدو مبین ہے یعنی انسان کا کھلا ہوا دشمن، حالانکہ شیطان بظاہر نظر نہیں آتا پھر کھلا ہوا دشمن کا کیا مطلب؟ حاصل جواب یہ ہے کہ شیطان انسانوں کا کھلا ہوا دشمن باعتبار عداوت ہے یعنی اس کی عداوت بالکل کھلی ہوئی اور واضح ہے آیت کا مطلب یہ نہیں کہ خود شیطان کھلا ہوا یا ظاہر و باہر ہے۔ پھر خیال رہے کہ شیطان کی عداوت محض صالحین کے لئے واضح ہے، رہے کفاو مشرکین یا گنہگار مسلمان تو ان کے لئے شیطان کی عداوت غیر واضح اور مبہم ہے کیونکہ انھیں شیطان کی معیت ہمہ وقت حاصل ہے جیسے ایک روشن کمرہ ہو اور دوسرا تاریک تو روشن کمرہ میں موذی جانور بظاہر نظر آئے گا مگر تاریک کمرہ میں وہ نظر نہیں آئے گا، غیر صالح انسان تاریک کمرہ کی طرح ہے۔

قوله: القبیح شرعاً۔ اس تفسیر سے اس امر کی طرف اشارہ فرمایا کہ آیت میں سوء پر فحشاء کا عطف تفسیری نہیں بلکہ عطف الخاص علی العام ہے کہ سوء عام ہے ہر چھوٹے بڑے گناہ کو کہتے ہیں اور فحشاء خاص ہے صرف کبیرہ گناہ کو کہتے ہیں، اس توضیح سے یہ اعتراض بھی دفع ہو گیا کہ ہر گناہ شرعاً قبیح ہوتا ہے پھر سوء پر فحشاء کا عطف کیوں ہوا؟

قوله: یتبعونهم۔ یہ اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ ہمزۂ انکاری فعل مقدر پر داخل ہے اور و لو کان فعل مقدر کے فاعل سے حال واقع ہے، دراصل یہ ایک اعتراض مقدر کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ یہاں لو شرطیہ ہے لہٰذا اس کے لئے جواب شرط کا ہونا ضروری ہے حالانکہ یہاں جواب شرط موجود نہیں، جواب کا حاصل یہ ہے کہ واؤ جو لو پر داخل ہے وہ حالیہ ہے لہٰذا اس صورت میں لو کو جواب کی ضرورت نہیں کیونکہ شرط اسی وقت حال واقع ہوتی ہے جب اس سے شرطیت کے معنی سلب کر لئے جاتے ہیں اس لئے کہ جملہ مقدمہ محذوفہ کی صورت میں لو کے اندر معنی شرطیت باقی نہیں رہی۔ لہٰذا اسے جواب کی بھی ضرورت نہیں۔ (ترویح الارواح)

قوله: صفة۔ یہ اس شبہ کا ازالہ ہے کہ کمثل الذی ینعق میں کاف تشبیہ کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ لفظ مثل کے ذکر کے بعد کاف تشبیہ کا ذکر تکرار محض ہے، ازالہ کا حاصل یہ ہے کہ پہلے مثل کے معنی تشبیہ کے نہیں ہیں بلکہ وہ صفت کے معنی میں ہے لہٰذا تکرار نہیں۔

قوله: و من یدعوهم الی الهدی۔ یہ اس شبہ کا ازالہ ہے کہ آیت میں کفار کو ناعق یعنی چرواہے سے تشبیہ دی گئی ہے جو خلاف ظاہر ہے کیونکہ داعی الی الحق انبیاء کرام اور مؤمنین ہیں، رہے کفار تو وہ بہائم کے مثل ہیں یعنی ناعق نہیں بلکہ منعوق کی طرح ہیں، حاصل ازالہ یہ ہے کہ یہاں معطوف محذوف ہے یعنی و من الخ لہٰذا یہاں کفار اور ان کے داعی دونوں کو چرواہے اور بہائم کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے گویا کفار اور ان کے داعی مشبہ ہیں اور بہائم اور ان کا چرواہا مشبہ بہ، یہ تشبیہ مرکب بالمرکب ہے۔

خیال رہے بعض مفسرین مثلاً بیضاوی اور صاوی وغیرہ نے الذین کفروا سے پہلے مضاف یعنی لفظ داعی محذوف مانا ہے اور کفروا کے بعد کوئی اور عبارت ان کے نزدیک مقدر نہیں۔ یعنی تقدیری عبارت یوں ہوگی مثل داعی الذین کفروا کمثل الذین ینعق گویا اس صورت میں صرف داعی کو ناعق سے تشبیہ دی گئی ہے، مگر مفسر علام نے حذف مضاف کی مذکورہ صورت کو اس لئے اختیار نہیں فرمایا کہ اس صورت میں تشبیہ صرف داعی کی حالت کو بیان کرنے کے لئے ہوگی حالانکہ مقصود داعی اور مدعو دونوں کی حالت کو بیان کرنا ہے اور اس میں بھی اہم مدعو یعنی کفار کی حالت کو بیان کرنا ہے جیسا کہ خود مفسر نے آں ھم فی سماع الموعظۃ الخ سے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ لہٰذا الذین کفروا کے بعد معطوف کا محذوف ماننا انسب ہے (ایضاً)

فوائد: (۱) سوائب جمع ہے سائبۃ کی، اس اونٹنی کو کہتے ہیں جسے زمانۂ جاہلیت کے لوگ بتوں کے نام پر آزاد کردیتے تھے اور تعظیماً اس سے کسی قسم کا فائدہ نہیں اٹھاتے تھے، بحائر جمع ہے بحیرہ کی، اس جانور کو کہتے ہیں جسے جاہلیت کے لوگ بتوں کے نام پر آزاد کر کے بطور علامت اس کے کان چیر دیتے تھے۔

(۲) آیت کریمہ "و اذا قیل لھم اتبعوا الخ سے ثابت ہوا کہ جب باپ دادا دین کے امور کو نہ سمجھتے ہوں اور راہ راست پر نہ ہوں تو۔ ان کی پیروی کرنا حماقت و گمراہی ہے۔ اس آیت سے سبق لینا چاہئے جاہل سنیوں کو اور نام نہاد پیروں فقیروں اور عام وہابیہ دیابنہ کو، کہ جاہل سنی مروجہ تعزیہ داری اور مروجہ قوّالی اس لئے کرتے ہیں کہ ان کے باپ دادا ایسا کرتے چلے آئے ہیں، سجادگان حضرات مروجہ قوالی مع مزامیر اس لئے کرتے ہیں کہ یہ درگاہ کی پرانی رسم ہے، حالانکہ یہ دونوں امر نامشروع ہیں تو ان میں اپنے باپ دادا یا پیش رو پیروں کی پیروی حماقت ہے، اسی طرح عام طور پہ وہابیہ دیابنہ کہتے ہیں کہ ان کے باپ دادا جس مسلک کو مانتے تھے وہ بھی اسی مسلک پر رہیں گے لہٰذا عام وہابی دیوبندی گمراہ و بدمذہب ہیں کہ ان کے باپ دادا راہ راست پر نہ تھے۔

(۳) مشرکین عرب سوائب اور بحائر سے استفادہ حرام سمجھتے تھے جسے قرآن نے بے حیائی خدا پر تہمت اور شیطان کی پیروی بتایا، اس سے ثابت ہو کہ بلا دلیل شرعی کسی چیز کو حرام جاننا بے حیائی اور شیطان کی پیروی ہے۔ لہٰذا دیوبندی قوم بے حیا، خدا پر افترا پردازی کرنے والی اور شیطان کی پیروکار ہے جو بلا دلیل شرعی شب برات کے حلوہ، گیارہویں کے مرغا اور محرم کے شربت و حلیم کو حرام جانتی ہے مگر ہولی و دیوالی کی مٹھائی و کچوری کو حلال سمجھتی ہے۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ﴾ حَلَالَاتِ ﴿مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ﴾ عَلٰى مَا اُحِلَّ لَكُمْ ﴿اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةَ﴾ اَیْ اَكْلَهَا اِذِ الْكَلَامُ فِیْهِ وَ كَذَا مَا بَعْدَهَا وَ هِیَ مَا لَمْ تُذَكَّ شَرْعًا وَ اُلْحِقَ بِهَا بِالسُّنَّةِ مَا اُبِیْنَ مِنْ حَیٍّ وَ خُصَّ مِنْهَا السَّمَكُ وَ الْجَرَادُ ﴿وَ الدَّمَ﴾ اَیِ الْمَسْفُوْحَ كَمَا فِی الْاَنْعَامِ ﴿وَ لَحْمَ الْخِنْزِیْرِ﴾ خُصَّ اللَّحْمُ لِاَنَّهٗ مُعْظَمُ الْمَقْصُوْدِ وَ غَیْرُهٗ تَبَعٌ لَهٗ ﴿وَ مَاۤ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ﴾ اَیْ ذُبِحَ عَلٰى اِسْمِ غَیْرِهٖ تَعَالٰى وَ الْاِهْلَالُ رَفْعُ الصَّوْتِ وَ كَانُوْا یَرْفَعُوْنَهٗ عِنْدَ الذَّبْحِ لِاٰلِهَتِهِمْ ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ﴾ اَیْ اَلْجَاَتْهُ الضَّرُوْرَةُ اِلٰى اَكْلِ شَیْءٍ مِمَّا ذُكِرَ فَاَكَلَهٗ ﴿غَیْرَ بَاغٍ﴾ خَارِجٍ عَلَى الْمُسْلِمِیْنَ

﴿وَ لَاعَادٍ﴾ مُتَعَدٍّ عَلَيْهِمْ بِقَطْعِ الطَّرِيْقِ ﴿فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ﴾ فِيْ اَكْلِهٖ ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ﴾ لِاَوْلِيَائِهٖ ﴿رَحِيْمٌ٥﴾ بِاَهْلِ طَاعَتِهٖ حَيْثُ وَسَّعَ لَهُمْ فِيْ ذٰلِكَ وَ خَرَجَ الْبَاغِيُّ وَ الْعَادِيُّ وَ يُلْحَقُ بِهِمَا كُلُّ عَاصٍ بِسَفَرِهٖ كَالْاٰبِقِ وَ الْمَكَّاسِ فَلَا يَحِلُّ لَهُمْ اَكْلُ شَيْءٍ مِنْ ذٰلِكَ مَا لَمْ يَتُوْبُوْا وَ عَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ.

حل اللغات: ﴿الحق بها﴾ اس کے ساتھ ملا دیا گیا، من الالحاق ملا دینا، لاحق کردینا ﴿ما ابین﴾ جو کاٹ دیا جائے من ابان کاٹنا، جدا کرنا ﴿الجراد﴾ ٹڈی، واحد جرادۃ ﴿المسفوح﴾ جاری خون (ف) ﴿معظم المقصود﴾ مقصود اعظم (ک،ض) ﴿الباغی﴾ صیغۂ صفت، حق سے ہٹ جانے والا، جمع بغاۃ بغیان، ﴿العادی﴾ صیغۂ صفت، ظلم کرنے والا، اچکنے والا جمع عداۃ ﴿عاص﴾ صیغۂ صفت، نافرمانی کرنے والا جمع عصاۃ و عاصون ﴿آبق﴾ صیغۂ صفت، بھاگنے والا غلام، ج ابق و اباق ﴿مکّاس﴾ ٹیکس وصول کرنے والا

ترجمہ: ﴿اے ایمان والو! کھاؤ پاکیزہ چیزیں﴾ حلال چیزیں ﴿جو ہم نے تم کو دی ہیں اور اللہ کا احسان مانو﴾ اس پر جسے تمہارے لئے حلال فرمایا ﴿اگر تم اسی کو پوجتے ہو، اس نے ہی تم پر حرام کئے ہیں مردار﴾ یعنی اس کا کھانا کیونکہ کلام کھانے ہی کے بارے میں ہے ایسے ہی اس کے بعد والے الفاظ، اور مردار وہ ہے جسے شرعی طریقہ پر ذبح نہ کیا گیا ہو، اور حدیث کی رو سے اسی سے لاحق کردیا گیا ہے گوشت کے اس حصہ کو جو کسی زندہ جانور سے کاٹ کر الگ کرلیا گیا ہو اور مردار کے حکم سے مچھلی اور ٹڈی کو خاص کرلیا گیا ہے ﴿اور خون﴾ یعنی جاری خون جیسا کہ سورۂ انعام میں ہے ﴿اور سور کا گوشت﴾ گوشت کی تخصیص اس لئے ہے کہ وہی مقصود اعظم ہے دوسری چیزیں اس کے تابع ہیں ﴿اور وہ جانور بلند کیا گیا ہو جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام﴾ یعنی غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو اور اہلال آواز بلند کرنے کو کہتے ہیں اور مشرکین ذبح کے وقت اپنے معبودوں کے نام بلند آواز سے پکارتے تھے۔ ﴿تو جو ناچار ہو﴾ یعنی ضرورت مجبور کردے مذکورہ چیزوں میں سے کسی چیز کے کھانے پر اور وہ اسے کھالے ﴿دراں حالیکہ وہ نہ سرکش ہو﴾ یعنی مسلمانوں کے خلاف بغاوت کرنے والا ﴿اور نہ حد سے بڑھنے والا﴾ لوٹ مار سے ان پر ظلم کرنے والا ﴿تو اس پر گناہ نہیں﴾ اس کے کھانے میں ﴿بے شک اللہ بخشنے والا﴾ اپنے دوستوں کو ﴿مہربان ہے﴾ اپنے فرمانبرداروں پر کہ انھیں اس میں وسعت عطا فرمادی اور باغی اور ظالم اس حکم سے خارج ہیں. اور انھیں کے ساتھ ہر وہ شخص لاحق ہے جو بقصد گناہ سفر کررہا ہو جیسے بھاگا ہوا غلام اور زبردستی ٹیکس وصول کرنے والا ان کے لئے مذکورہ چیزوں میں سے کسی چیز کا کھانا جائز نہیں جب تک کہ توبہ نہ کرلیں اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے۔

توضیح و تشریح: قوله على ما احل لكم. یہ دفع دخل مقدر ہے، سوال یہ پیدا ہوا کہ مطلقاً طلب شکر سے لازم آتا ہے کہ مطلق رزق پر خدا کا شکر واجب ہو وہ رزق خواہ حلال ہو یا حرام، حالانکہ رزق حرام پر شکر واجب نہیں بلکہ توبہ و استغفار واجب ہوتا ہے، جواب کا حاصل یہ کہ یہاں مطلق رزق پر طلب شکر نہیں بلکہ رزق حلال پر ہے کہ اس سے پہلے رزق حلال ہی کھانے کا حکم ہے، نیز مطالبۂ شکر بھی اس بات پر قرینہ ہے کہ یہاں رزق حلال ہی مراد ہو، کیونکہ ذات باری تعالیٰ سے یہ ناممکن ہے کہ جس رزق کو حرام قرار دے اس کے استعمال پر مطالبۂ شکر بھی کرے کہ یہ مطیع و فرمانبردار بندوں کے لئے تکلیف مالا

یطاق ہوگا۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

قولہ: ای اکلھا. اس لفظ کے اضافہ کی وجہ یہ ہے کہ حرمت وحلت کا تعلق چونکہ اعیان اور ذوات سے نہیں ہوتا بلکہ احکام شرعیہ افعال مکلفین کی صفات ہیں۔ لہٰذا آیت میں حرام وحلال کا تعلق کھانے سے ہے۔

قولہ: و الحق بھا الخ یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ لفظ انما کلمۂ حصر ہے جس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ آیت میں مذکورہ چار چیزیں ہی حرام ہیں، حالانکہ دیگر آیات اور احادیث سے دوسری بہت ساری چیزوں کی حرمت ثابت ہوتی ہے، حاصل جواب یہ ہے کہ آیت میں حصر سے حصر اضافی مراد ہے جو ان چیزوں کے لحاظ سے ہے جنھیں مشرکین نے حرام سمجھ رکھا تھا مثلاً سائبہ اور بحیرہ وغیرہ، حصر حقیقی مراد نہیں کہ مذکورہ چار چیزوں کے علاوہ باقی ہر چیز حلال سمجھ لی جائے۔ (ترویح الارواح)

قولہ: لانہ معظم المقصود الخ یہ تخصیص لحم کی علت کی طرف اشارہ ہے یعنی یوں تو خنزیر کے تمام اجزاء نجس اور حرام ہیں مگر ذکر صرف گوشت کا ہوا، یہ اس لئے کہ جانوروں میں کھانے اور استعمال کے لحاظ سے گوشت ہی مقصود اعظم ہوتا ہے، باقی چیزیں مثلاً چربی وغیرہ اس کے تابع ہوتی ہیں اس لئے ان کا ذکر نہ ہوا۔

قولہ: و الاھلال الخ چونکہ آیت میں لفظ اھل کا مجازی معنی یعنی ذبح مراد ہے اس لئے حضرت مفسر نے والاھلال الخ سے معنی حقیقی اور مجازی کے درمیان علاقہ بیان فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہلال کا لغوی معنی ہے آواز بلند کرنا پھر مجازاً اس کا اطلاق ذبح پر ہونے لگا کیونکہ مشرکین جب اپنے بتوں کے نام پر کوئی جانور ذبح کرتے تو بلند آواز سے اپنے معبودان باطلہ کا نام پکارتے اور چھری پھیرتے وقت کہتے باسم اللات و العزی لہٰذا ذبح کا نام اھلال، تسمیۃ الشئ باسم صاحبہ کے قبیل سے ہے۔

قولہ: و علیہ الشافعی. یہ مذکورہ بالا مسئلہ میں اختلاف ائمہ کی طرف اشارہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہما کے نزدیک سفر معصیت کرنے والے مثلاً باغی اور رہزن وغیرہ کے لئے کسی بھی حال میں حرام چیزیں حلال نہیں ہوں گی، جب تک کہ وہ توبہ نہ کرلیں، لہٰذا بادشاہ اسلام سے بغاوت کرنے والا اگر مضطر بھی ہوجائے تو وہ مردار نہیں کھاسکتا۔ مگر امام اعظم اور جمہور کے نزدیک شریعت کا مذکورہ قانون کسی کے لئے خاص نہیں بلکہ عام ہے۔ لہٰذا سفر معصیت کرنے والا بھی اگر مضطر ہو تو مردار کھاسکتا ہے اگرچہ توبہ نہ کرے، اور یہ حضرات "غیر باغ" کی تفسیر "غیر طالب المیتۃ وھو یجد غیرھا" سے اور "ولا عاد" کی تفسیر "متعد ما احل اللّٰہ" سے کرتے ہیں، یہی مسلک امام مالک کا بھی ہے۔ (صاوی)

فوائد: (۱) ذبح کی تعریف: دونوں جبڑوں اور سینہ کے بالائی حصہ کی درمیانی جگہ کو کسی دھاردار آلہ سے کاٹنا ذبح ہے۔ ذبح میں چار رگیں کاٹی جاتی ہیں۔ (۱) حلقوم، جس سے سانس آتی جاتی ہے۔ (۲) مری، جس سے کھانا پانی اترتا ہے۔ (۳) ودج کی دونوں رگیں جو مری کے اغل بغل ہوتی ہیں اور جن سے خون کی روانی ہوتی ہے ان میں سے تین رگوں کا کٹنا کافی ہے یعنی حلقوم، مری اور ودجین میں سے ایک۔

(۲) ذبح کی دو قسمیں ہیں (۱) اختیاری، یعنی جانور اپنے قابو میں ہو اور اسے بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر گردن کی چار رگیں یا کم از کم تین رگیں کاٹی جائیں۔ (۲) اضطراری، یعنی یہ کہ جانور قابو میں نہ ہو مثلاً وہ بھاگ رہا ہو یا گڑھے وغیرہ میں گر گیا ہو اور ظن غالب ہو کہ نکالتے نکالتے مرجائے گا تو ایسی حالت میں کسی دھاردار آلے سے جسم کے کسی حصے میں زخم لگا دیا جائے مگر بسم اللہ پڑھ کر۔

(۳) ہمارے نزدیک خشکی کے تمام پھاڑ کھانے والے درندے اور پنجوں اور ناخنوں سے شکار کرنے والے پرندے حرام ہیں کہ اس قسم کے جانوروں میں ظلم و بربریت کی صفت ہوتی ہے اور یہی صفت ان کا گوشت کھانے والے میں بھی پیدا ہو جاتی ہے، بحری جانوروں میں ہمارے نزدیک مچھلی کے سوا باقی تمام جانور حرام ہیں۔

(۴) مردار جانور کے حرام ہونے میں لِمْ یہ ہے کہ مرنے کے بعد جانور کی رگوں مین خون جم جاتا ہے اور اس کے جسم میں ایک فاسد رطوبت پیدا ہو جاتی ہے جس کا کھانا انسانی صحت کے لئے نقصان دہ ہے۔ خنزیر کے حرام ہونے کی مختلف وجوہات ہیں ایک وجہ یہ ہے کہ خنزیر کا گوشت کھانے سے بہت ساری بیماریاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔

بندوق سے مارے ہوئے شکار کا حکم:

ہمارے علمائے احناف کے نزدیک بندوق سے کیا ہوا شکار اگر ذبح سے پہلے مرجائے تو حلال نہیں، چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں۔

و لایخفی ان الجرح بالرصاص انھا ھو بالاھراق و الثقل بواسطة اندفاعه العنیف اذلیس له حد فلا یحل و به افتی ابن نجیم.

یہ بات واضح ہے کہ بندوق کی گولی کا زخم جلد اور اس کی قوت مدافعت کے بوجھ کی وجہ سے ہے کیونکہ اس میں دھار نہیں ہوتی، لہٰذا بندوق سے کیا ہوا شکار حلال نہیں اور علامہ ابن نجیم کا بھی یہی فتویٰ ہے۔

(ردالمحتار جلد ۱۰، ص ۶۰ مکتبہ ذکریا دیوبند)

امام احمد رضا محدث بریلوی نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں: ”اگر تکبیر کہہ کر بندوق ماری اور ذبح کرنے سے پیشتر مر گیا تو حرام ہے اس واسطے کہ بندوق میں توڑ ہے کاٹ نہیں۔ (الملفوظ حصہ سوم، ص ۳۳، مطبع قادری بکڈپو، بریلی)

صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی قدس سرہ لکھتے ہیں: ”بندوق کا شکار مر جائے یہ بھی حرام ہے کہ گولی یا چھرا آلہ جارحہ نہیں بلکہ اپنی قوت مدافعت کی وجہ سے توڑ کرتا ہے۔ (بہار شریعت حصہ ۱۷، ص ۲، مطبع فاروقیہ بکڈپو، دہلی)

مذکورہ تصریحات سے واضح ہے کہ بندوق سے کیا ہوا شکار اگر ذبح سے پہلے مرجائے تو مردار اور حرام ہے اسے کھانا جائز نہیں۔

دیوبندی شارحین کا رد:

کمالین کے مصنف مولوی محمد نعیم دیوبندی اور جمالین کے مصنف مولوی محمد جمال بلند شہری دیوبندی نے ما اھل بہ لغیر اللہ سے استدلال کرتے ہوئے ان جانوروں کو بھی حرام اور مردار لکھ دیا جن جانوروں کو مسلمان بزرگان دین کے نام پر پالتے ہیں اور کسی خاص تاریخ میں انھیں بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرتے اور پھر ایصال ثواب کر کے خود کھاتے اور فقراء وصلحاء کو کھلاتے ہیں مگر دیوبندی شارحین کا یہ استدلال باطل محض ہے جس کی بنیاد ہٹ دھرمی اور اندھی تقلید ہے کہ اولیاء اللہ سے بغض و عناد کے سبب اور اپنے بڑوں کی بات بنانے کی غرض سے مذکورہ جانوروں کی حلت کے سلسلہ میں فقہاء ومفسرین کی صاف اور صریح عبارتوں میں بیجا تاویل کر دی اور ایک حلال شی کو حرام قرار دے کر گویا دین کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے، ہم یہاں اولاً اھل بہ لغیر اللہ کے مصداق اور اولیاء کے نامزد جانوروں کے درمیان فرق بیان کرتے ہیں اور پھر اس سلسلہ میں فقہاء ومفسرین کی عبارتیں پیش کرتے ہیں جس سے واضح ہو جائے گا کہ اس مسئلہ کو دیوبندی شارحین سمجھ نہ سکے اور انھوں نے محض اپنا اُلّو سیدھا کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے۔

یہ امر تو واضح ہے کہ ما اھل بہ لغیر اللہ کا مصداق وہ جانور ہے جس کو غیر اللہ کے نام سے ذبح کیا گیا ہو۔اب دونوں جانوروں کے درمیان فرق دیکھیں۔اوّل کفار جب بتوں کے نام چھوڑے ہوئے جانوروں کو ذبح کرتے تھے تو کہتے باسم اللات و العزیٰ مگر مسلمان جب اولیاء کے نام پالے ہوئے جانوروں کو ذبح کرتے ہیں تو کہتے ہیں بسم اللہ اللہ اکبر، دوسرا فرق، کفار جب ان بتوں پر چھوڑے ہوئے جانوروں کو ذبحہ کرتے تو ان کی نیت بتوں کی رضا کے لئے محض خون بہانے اور جان تلف کرنے کی ہوتی تھی مگر مسلمان جانوروں کو ذبح کرتے ہیں تو ان کی نیت صرف جان تلف کرنے کی نہیں ہوتی بلکہ وہ اس کا گوشت پکانے کے بعد فقراء صلحا اور عام مسلمانوں کو کھلاتے ہیں اور اس کا ثواب بزرگ کی روح کو بخشتے ہیں، اب واضح ہو گیا کہ ما اھل بہ لغیر اللہ کے مصداق اور بزرگوں کے نامزد جانوروں کے درمیان اسی طرح کافروں کے عمل اور مسلمانوں کے عمل کے درمیان ظاہری یا باطنی، صوری یا معنوی کسی قسم کی مشابہت نہیں، پھر بزرگوں کے نامزد جانوروں کو حرام کہنا چہ معنی دارد؟

اقوال مفسرین: اب لیجئے اس سلسلہ میں مفسرین کی تفسیرات پر بھی ایک نظر ڈالیں: تقریباً تمام مفسرین نے و ما اھل بہ لغیر اللہ کے تحت لکھا ہے کہ اس سے مراد صرف وہی جانور ہے جس پر بوقت ذبح غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو، یہاں سب تفسیروں کو ذکر کرنا تو ممکن نہیں بطور نمونہ چند معتبر تفسیریں ملاحظہ کریں۔تفسیر خازن میں اسی آیت کے تحت ہے:

یعنی ما ذکر علی ذبحہ غیر اسم اللہ و ذلک ان العرب فی الجاھلیۃ کانوا یذکرون اسماء اصنامھم عند الذبح فحرم اللہ ذلک بھذہ الآیۃ.	یعنی وہ جانور حرام ہے جسے ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو، اور یہ اس لئے ہے کہ اہل عرب جاہلیت میں ذبح کے وقت اپنے بتوں کا نام لیتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اسے اس آیت سے حرام فرما دیا۔

تفسیر بیضاوی میں اسی آیت کے تحت ہے:

ای رفع الصوت لغیر اللّٰہ بہ کقولھم باسم اللات و العزی عند ذبحہ۔

یعنی اس جانور پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو جیسے کفار ذبح کے وقت کہتے تھے باسم اللات و العزیٰ۔

تفسیر مدارک میں اسی آیت کے تحت ہے:

ای ذبح للاصنام فذکر علیہ غیر اسم اللّٰہ ای رفع بہ الصوت للصنم و ذلک قول اھل الجاھلیۃ باسم اللات و العزیٰ

یعنی وہ جانور حرام ہے جسے بتوں کے لئے غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا جائے یعنی اس پر بت کی آواز دی گئی ہو کہ اہل جاہلیت کا یہی قول تھا بسم اللات والعزیٰ۔

مذکورہ تفسیرات سے روز روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ مردار صرف وہی ذبیحہ ہو گا جسے غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو یا وہ جانور جن کے ذبح سے بت کی تعظیم مقصود ہو جس کا ثبوت سورۂ مائدہ کی اس آیت سے ہوتی ہے ارشاد ہے: "و ما ذبح علی النصب" اور حرام ہے وہ جانور جو بتوں پر ذبح کیا جائے۔

مگر دیوبندی شارحین نے مذکورہ تمام تفسیروں کو محض اپنی ہٹ دھرمی اور مسلکی تعصب کی بناء پر غلط اور باطل قرار دے دیا، چنانچہ مولوی نعیم لکھتے ہیں "جلال محقق اور دوسرے تمام مفسرین نے ما اھل کی تفسیر خاص ما ذبح کے ساتھ کی ہے جس سے معلوم ہوا کہ صرف مذبوحہ علی اسم غیر اللہ جانور مراد ہے ما ذکر علی اسم غیر اللّٰہ جانور اس ذیل میں نہیں آتا، حالانکہ یہ دونوں باتیں صحیح نہیں ہیں" (کمالین حصہ دوم، ص۳۰، مکتبہ تھانوی)

دیکھا آپ نے؟ مطلب یہ ہے کہ ما اُھِلَّ بہ لغیر اللّٰہ سے تمام مفسرین نے جو کچھ سمجھا ہے وہ غلط ہے اور صحیح وہ ہے جسے دیوبند کے ننھے منھے فاضل نے سمجھا یعنی یہ کہ گیارہویں کا مرغا حرام ہے اور پاخانہ کھانے والا کوّا حلال ہے، بریں عقل و دانست بباید گریست۔

آیت مائدہ پر ایک نظر:

مولوی نعیم نے دیوبندی نظریہ کی تائید میں اور مذکورہ بالا تفسیرات کی تردید میں سورۂ مائدہ کی آیت پیش کی ہے، لکھتے ہیں:

"نیز سورۂ مائدہ کی آیت ما اھل کے بعد ماذبح علی النصب کی تصریح خود بتلا رہی ہے کہ ما اھل سے مراد ما ذبح نہیں ہے ورنہ تکرار ہو جائے گا، بلکہ ایک فرد ما ذبح کو علیحدہ بیان کر دیا گیا ہے، اب رہ گیا دوسرا فرد مذکورۃ التسمیہ ما اھل سے مراد صرف یہی فرد ہو گا (ایضاً ص۳۱)

گویا یہ قرآن پاک کی ایک ایسی باریکی تھی جہاں تک کسی مفسر کی رسائی نہیں ہو سکی تھی اسی لئے سبھی مفسرین نے مااُھِلّ کی تفسیر مَاذُبِحَ سے کرنے کی غلطی کی اور قرآن میں تکرار کا عیب پیدا ہو گیا، اس باریکی کو صرف فاضل دیوبند نے سمجھا اور اپنی سمجھ کے مطابق تفسیر کر کے تکرار کے شبہ کو دور کیا۔

مگر حق یہ ہے کہ فاضل موصوف نے آیت مائدہ سے جو کچھ سمجھا وہ غلط ہے اور دفع تکرار کی جو صورت نکالی ہے وہ بھی غلط ہے صحیح یہ ہے کہ مَـا اُھِلَّ سے مراد وہ جانور ہے جس پر بوقت ذبح بتوں کا نام لیا جائے اور سورۂ مائدہ کی آیت میں وہ جانور مراد ہے جس کے ذبح سے بت کی تعظیم مقصود ہو ذبح کے وقت خواہ اللہ کا نام لیا جائے یا غیر اللہ کا چنانچہ سورۂ مائدہ کی اسی آیت و ماذبح علی النصب کے تحت علامہ سلیمان جمل رقم طراز ہیں:

ای مـا قـصـد بذبحه النصب و لم یذکر اسمها عـنـد ذبـحـه بـل قصد تعظیمها بذبحه فعلی بمعنی اللام فلیس هذا مکررا مع ماسبق.

یعنی وہ جانور بھی حرام ہے جس کے ذبح سے بت مقصود ہوں اور ان کے ذبح کے وقت بت کا نام نہ لیا گیا ہو بلکہ اس کے ذبح کے وقت بت کی تعظیم کا قصد کیا گیا ہو لہٰذا علیٰ بمعنی لام ہے اس تقدیر پر یہ آیت گذشتہ سے مکرر نہیں۔ (حاشیہ جمل)

اب فیصلہ ہو گیا کہ جو جانور بت کے نام پر ذبح ہو وہ مَا اُھِلَّ میں داخل ہے، اور جس ذبح سے تعظیم غیر اللہ مقصود ہو وہ مـا ذبـح عـلـی النصب میں داخل ہے، اور مذکور التسمیہ جانور دونوں سے خارج ہی رہا، تو اب نہ ہی تکرار لازم آیا اور نہ ہی مفسرین پر غلط تفسیر کرنے کا الزام عائد ہوگا۔ مگر یہ ضرور ثابت ہو گیا کہ دیوبندی شارحین کی سمجھ ناقص ہوتی ہے اور وہ اپنے فاسد نظریات کے اثبات کے لئے آیات واحادیث میں بھی تحریف کر دیتے ہیں، مولیٰ تعالیٰ انھیں ہدایت عطا فرمائے۔

مسئلہ بالا سے متعلق عبارات فقہاء:

فقہائے کرام کی تصریحات سے بھی واضح ہوتا ہے کہ جانور کے حرام وحلال ہونے کا مدار بوقت ذبح کسی کا نام لینے یا نہ لینے پر ہے جانور کی زندگی میں کسی کی طرف نسبت کرنے کا اعتبار نہیں، چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی تحریر فرماتے ہیں:

اعلم ان المدار علی القصد عند ابتداء الذبح

جاننا چاہئے کہ حرمت وحلت کا مدار ذبح کے وقت کی نیت پر ہے (ردالمحتار جلد ۹، ص ۴۴۹، مکتبہ ذکریا دیوبند)

عالمگیری میں ہے:

مسلم ذبح شـاة الـمجوسی لبیت نارهم او لـکـفـر لآلهتهم تـوکـل لانه سمی الله تعالیٰ و یـکـره لـلمسلم کذا فی التتارخانیة ناقلا عن جامع الفتاویٰ.

(جلد ۵، ص ۲۸۲، مکتبہ ذکریا، دیوبند)

مسلمان نے مجوسی کی وہ بکری جوان کے آتش کدہ کے لئے یا کافر کے بتوں کے لئے تھی ذبح کی وہ حلال ہے کیونکہ اس مسلمان نے اللہ کا نام لیا ہے مگر یہ کام مسلمان کے لئے مکروہ ہے اسی طرح تاتارخانیہ میں جامع الفتاویٰ سے منقول ہے۔

ملا احمد جیون اسی آیت و ما اهل به لغیر الله کے تحت لکھتے ہیں:

و من ھھنا علم ان البقرۃ المنذورۃ للاولیاء کما ھو الرسم فی زماننا حلال طیب لانہ لم یذکر اسم غیر اللہ وقت الذبح و ان کانوا ینذرونھا.

یہاں سے معلوم ہوا کہ جس گائے کی اولیاء اللہ کے لئے نذر مانی گئی جیسا کہ ہمارے زمانہ میں رواج ہے یہ حلال طیب ہے کیونکہ اس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اگر چہ لوگ اس گائے کی نذر مانتے ہیں۔

(تفسیرات احمدیہ ص ۴۲، مکتبہ اشرفیہ دیوبند)

مذکورہ تصریحات پر پھر نظر ڈالیں، پہلی عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ ذبح سے پہلے جانور خواہ کسی کے نامزد ہوا گر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا تو وہ جانور حلال وطیب ہے، ثابت ہوا کہ جانور اگر چہ اولیاء اللہ کے نام زد ہوتے ہیں مگر چونکہ وقت ذبح نہ اولیاء اللہ کا نام لیا جاتا ہے اور نہ ہی کوئی اور فاسد نیت ہوتی ہے صرف اللہ کا نام لیا جاتا ہے اور اسی کے تقرب کی نیت ہوتی ہے اس لئے بلاشبہ ایسے جانور حلال وطیب ہیں۔

دوسری عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ جانور پالنے والا اگر چہ کافر یا مجوسی ہو، ذبح بھی کراتا ہو بت یا آگ کی نیت سے، مگر مسلمان نے بسم اللہ پڑھ کر ذبح کر دیا تو جانور حلال ہے، لہٰذا اولیاء اللہ کے نام زد جانور جو بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیے جاتے ہیں وہ بلاشبہ اور بدرجۂ اولیٰ حلال وطیب ہیں۔

تیسری عبارت میں حضرت ملا احمد جیون قدس سرہ نے تو واضح لفظوں میں بیان کر دیا کہ اولیاء اللہ کے نام جن جانوروں کی نذر مانی جاتی ہے وہ حلال وطیب ہیں۔ خیال رہے کہ تفسیرات احمدیہ اگر چہ فن تفسیر میں ہے مگر اس کے مصنف اپنے دور میں ایک عظیم حنفی فقیہ تھے اس لئے ان کا قول اقوال فقہاء کے تحت نقل کیا گیا۔

اس قدر روشن تصریحات کے باوجود اگر کوئی قبول حق سے گریز کرتا ہے تو اس کا فیصلہ خدا کے سپرد ہے جس پروردگار نے حرام وحلال کا قانون بنایا ہے وہی ظالموں سے باز پرس فرمائے گا۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْکِتٰبِ﴾ الْمُشْتَمِلِ عَلٰی نَعْتِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ هُمُ الْیَهُوْدُ ﴿وَ یَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا﴾ مِنَ الدُّنْیَا یَاْخُذُوْنَهٗ بَدَلَهٗ مِنْ سَفْلَتِهِمْ فَلَا یُظْهِرُوْنَهٗ خَوْفَ فَوْتِهٖ عَلَیْهِمْ ﴿اُولٰٓئِکَ مَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ﴾ لِاَنَّهَا مَآلُهُمْ ﴿وَ لَا یُکَلِّمُهُمُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾ غَضَبًا عَلَیْهِمْ ﴿وَ لَا یُزَکِّیْهِمْ﴾ یُطَهِّرُهُمْ مِنْ دَنَسِ الذُّنُوْبِ ﴿وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝﴾ مُؤْلِمٌ هُوَ النَّارُ ﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰی﴾ اَخَذُوْهَا بَدَلَهٗ فِی الدُّنْیَا ﴿وَ الْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ﴾ الْمُعَدَّةِ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ لَوْ لَمْ یَکْتُمُوْا ﴿فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَی النَّارِ ۝﴾ اَیْ مَا اَشَدَّ صَبْرَهُمْ وَ هُوَ تَعْجِیْبٌ لِلْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اِرْتِکَابِهِمْ مُوْجِبَاتِهَا مِنْ غَیْرِ مُبَالَاةٍ وَ اِلَّا فَاَیُّ صَبْرٍ لَهُمْ ﴿ذٰلِکَ﴾ الَّذِیْ ذُکِرَ مِنْ اَکْلِهِمُ النَّارَ وَ مَا بَعْدَهٗ ﴿بِاَنَّ﴾ بِسَبَبِ اَنَّ ﴿اللّٰهَ نَزَّلَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ﴾ مُتَعَلِّقٌ بِنَزَّلَ فَاخْتَلَفُوْا فِیْهِ حَیْثُ اٰمَنُوْا بِبَعْضِهٖ وَ کَفَرُوْا بِبَعْضِهٖ بِکَتْمِهٖ ﴿وَ اِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِی الْکِتٰبِ﴾ بِذٰلِکَ وَ هُمُ الْیَهُوْدُ وَ قِیْلَ

الْمُشْرِكُوْنَ فِي الْقُرْآنِ حَيْثُ قَالَ بَعْضُهُمْ شِعْرٌ وَ بَعْضُهُمْ سِحْرٌ وَ بَعْضُهُمْ كَهَانَةٌ ﴿لَفِي شِقَاقٍ﴾ خِلَافٍ ﴿بَعِيْدٍo﴾ عَنِ الْحَقِّ.

ترجمہ: ﴿وہ جو چھپاتے ہیں اللہ کی اتاری کتاب﴾ جو مشتمل ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف پر، اور وہ یہود ہیں ﴿اور اس کے بدلے ذلیل قیمت لے لیتے ہیں﴾ اس کے بدلے کچھ دنیا کی چیزیں لے لیتے ہیں اپنے عوام سے پھر اس کے فوت ہونے کے اندیشہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف ظاہر نہیں کرتے ﴿وہ اپنے پیٹ میں آگ ہی بھرتے ہیں﴾ کہ وہی ان کا انجام ہے ﴿اور اللہ قیامت کے دن ان سے بات نہ کرے گا﴾ ان پر ناراضگی کے سبب ﴿اور نہ انھیں ستھرا کرے﴾ یعنی انھیں گناہوں کی گندگی سے پاک نہ فرمائے گا ﴿اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے﴾ الیم بمعنی مولم اسم مفعول ہے مراد جہنم ہے ﴿وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی مول لی﴾ دنیا میں ہدایت کے بدلے گمراہی اختیار کر لی ﴿اور بخشش کے بدلے عذاب﴾ یعنی وہ مغفرت جو آخرت میں ان کے لئے تھی اگر وہ کتمان علم نہ کرتے ﴿تو کس چیز نے انھیں اتنا صابر بنا دیا ہے آگ پر﴾ اور یہ مؤمنین کو تعجب دلانے کے لئے ہے کہ وہ کس قدر بے فکری سے موجبات نار کا ارتکاب کرتے ہیں ورنہ انھیں صبر کہاں؟ ﴿یہ﴾ یعنی ان کا آگ کھانا اور اس کے بعد جو کچھ مذکور ہوا ﴿اس لئے﴾ اس سبب سے ﴿کہ اللہ نے کتاب حق کے ساتھ اُتاری﴾ بالحق، نزل سے متعلق ہے، تو انھوں نے اس میں اختلاف کیا بایں طور کہ بعض پر ایمان لائے اور کچھ کا انکار کر دیا اسے چھپا کر ﴿اور بے شک جو لوگ کتاب میں اختلاف ڈالنے لگے﴾ بطریق مذکور اور وہ یہود ہیں اور بعض کے نزدیک مشرکین ہیں کہ قرآن کے بارے میں بعض نے اسے شعر کہا اور بعض نے سحر اور بعض نے کہانت کہا ﴿وہ ضرور ایسے اختلاف میں ہیں جو دور ہے﴾ حق سے۔

توضیح و تشریح: قوله: و هم اليهود. یہ الذين کا معنی مراد ہے جس سے مراد علمائے یہود ہیں چونکہ یہ آیت انھیں یہودی علما کے حق میں نازل ہوئی ہے جنھوں نے توریت میں مذکور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف کو بدل کر کتمان علم کا جرم کیا تھا، اس لئے مفسر علام نے و هم اليهود سے الّذين کی تفسیر کر دی مگر الذين میں ایسی حرکت کرنے والے سبھی لوگ داخل ہیں خواہ عیسائی و یہودی ہوں یا وہابی اور دیو بندی۔

قوله: ياخذونه بدله الخ یہ يشترون به کا معنی مراد ہے یعنی جس طرح بیع وشراء میں ثمن دے کر مبیع لی جاتی ہے اسی طرح علمائے یہود حضور کے اوصاف چھپا کر یا کچھ کا کچھ بیان کر کے اپنے عوام سے نذرانے وصول کرتے تھے اسی ظاہری مشابہت کی بنیاد پر اسے شراء سے تعبیر فرمایا، حقیقی شراء مراد نہیں کہ اس کا تحقق اعیان میں ہوتا ہے۔

قوله: لانها مالهم. یہ اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ آیت میں ما يأكلون صیغۂ حال بمعنی استقبال ہے اور مراد آخرت میں آگ کا کھانا ہے کیونکہ انجام کار وہ اپنے جرم کی سزا بصورت آگ پائیں گے اور جہنم میں داخل کئے جائیں گے۔

قوله: ماأشد صبرهم الخ اس عبارت سے مفسر علام نے اشارہ فرمایا کہ ما اصبر بروزن ما افعل صیغۂ تعجب ہے ما برائے استفہام نہیں کہ اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے اس پر کچھ مخفی نہیں، آگے حضرت مفسر نے و تعجيب للمؤمنين سے

ایک سوال کا جواب دیا ہے، سوال یہ پیدا ہوا کہ جس طرح ما کو برائے استفہام ماننا درست نہیں اسی طرح ما اصبر کو برائے تعجب ماننا بھی درست نہیں ہونا چاہئے کیونکہ کسی بھی شی پر تعجب کی بناء اسباب کا مخفی ہونا ہے اور جب اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں پھر اس کی جناب میں تعجب کی نسبت کیونکر صحیح ہوگی؟ حاصل جواب یہ ہے کہ صیغۂ تعجب کبھی متکلم کے تعجب کے لئے ہوتا ہے اور کبھی سامع کے تعجب کے لئے، اور یہاں سامع کے تعجب کے لئے ہے کہ جو بھی ان کے حال کو دیکھے گا وہ تعجب کرے گا۔ فلا استحالة (ترویح الارواح)

قولہ: الذین ذکر الخ چونکہ یہاں یہ احتمال پیدا ہو رہا تھا کہ ذٰلك کا مشار الیہ صبر ہے کہ وہی ذٰلك سے قریب تر ہے اس لئے مفسر علام نے اس احتمال کو رد فرمایا اور واضح کیا کہ ذٰلک کا مشار الیہ وہ امور ستہ ہیں جو ما قبل میں مذکور ہوئے یعنی ان کا آگ کھانا، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی، انھیں گناہوں کی گندگی سے پاک نہ کرنا، ان کے لئے دردناک عذاب کا ہونا، ان کا ہدایت کے بدلے گمراہی لینا، اور مغفرت کے عوض عذاب لینا، اور چونکہ یہ امور بتاویل مذکور مفرد ہیں اس لئے اسم اشارہ واحد آیا، اور صبر ذٰلك سے قریب تر ہونے کے باوجود مشار الیہ اس لئے نہیں ہے کہ وہ مابعد کا سبب بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا، کما لا یخفیٰ.

قولہ: و قیل المشرکون الخ چونکہ یہاں آیت میں لفظ کتاب دو جگہ مذکور ہے، پہلی کتاب سے مراد توریت ہے اس پر سارے مفسرین کا اتفاق ہے مگر دوسری کتاب سے کون سی کتاب مراد ہے اس سلسلہ میں مفسرین کا اختلاف ہے، بعض نے کہا کہ اس سے بھی توریت ہی مراد ہے، اس صورت میں الّذین سے مراد علمائے یہود ہیں اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد قرآن پاک ہے اس صورت میں الّذین سے مراد مشرکین ہوں گے کہ انھوں نے قرآن میں اختلاف کیا بعض نے اسے شعر کہا، بعض نے سحر اور بعض نے کہانت کہہ دیا، مگر یہ دوسرا قول ضعیف ہے اسی لئے حضرت مفسر نے اسے صیغۂ تمریض سے بیان کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ﴾ فِى الصَّلٰوةِ ﴿قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ﴾ نَزَلَ رَدًّا عَلَى الْيَهُوْدِ وَ النَّصَارٰى حَيْثُ زَعَمُوْا ذٰلِكَ ﴿وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ﴾ اَىْ ذَا الْبِرِّ وَ قُرِئَ الْبَارَّ ﴿مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ﴾ اَىِ الْكُتُبِ ﴿وَ النَّبِيّٖنَ و اٰتَى الْمَالَ عَلٰى﴾ مَعَ ﴿حُبِّهٖ﴾ لَهٗ ﴿ذَوِى الْقُرْبٰى﴾ اَلْقَرَابَةِ ﴿وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ﴾ اَلْمُسَافِرِ ﴿وَالسَّآئِلِيْنَ﴾ الطَّالِبِيْنَ ﴿وَ فِىْ﴾ فَكِّ ﴿الرِّقَابِ﴾ اَلْمُكَاتَبِيْنَ وَ الْاَسْرٰى ﴿وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ﴾ اَلْمَفْرُوْضَةَ وَ مَا قَبْلَهٗ فِى التَّطَوُّعِ ﴿وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا﴾ اللّٰهَ اَوِ النَّاسَ ﴿وَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ نَصَبٌ عَلَى الْمَدْحِ ﴿فِى الْبَاْسَآءِ﴾ شِدَّةِ الْفَقْرِ ﴿وَ الضَّرَّآءِ﴾ اَلْمَرَضِ ﴿وَ حِيْنَ الْبَاْسِ﴾ وَقْتَ شِدَّةِ الْقِتَالِ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴿اُولٰٓئِكَ﴾ اَلْمَوْصُوْفُوْنَ بِمَا ذُكِرَ ﴿الَّذِيْنَ صَدَقُوْا﴾ فِىْ اِيْمَانِهِمْ اَوِ ادِّعَاءِ الْبِرِّ ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ٥﴾ اللّٰهَ.

ترجمہ: ﴿کچھ اصل نیکی یہ نہیں کہ تم پھیر لو اپنے رخ﴾ نماز میں ﴿مشرق یا مغرب کی طرف﴾ یہ آیت یہود اور نصاریٰ کی تردید میں نازل ہوئی کہ انھوں نے یوں ہی گمان کر رکھا تھا ﴿ہاں اصل نیکی یہ ہے﴾ یعنی نیک اور ایک قرأۃ میں بارّ

پڑھا گیا ہے۔﴿ایمان لائے اللہ اور قیامت کے دن اور فرشتوں اور کتاب﴾ کتاب بمعنی کتب ہے ﴿اور پیغمبروں پر اور دے اپنا مال اللہ کی محبت سے﴾ علیٰ بمعنی مع ہے۔﴿رشتہ داروں﴾ قربیٰ بمعنی قرابت ہے ﴿اور یتیموں مسکینوں اور مسافر اور مانگنے والوں کو اور [خرچ کرے] گردن﴾ چھڑانے ﴿میں﴾ مکاتب اور قیدیوں کی ﴿اور نماز قائم رکھے اور زکوٰۃ دے﴾ مراد فرض زکوٰۃ ہے اور ماقبل میں نفلی صدقات مراد تھے ﴿اور جو پورا کرنے والے ہیں اپنے وعدوں کو جب کسی سے وعدہ کرتے ہیں﴾ یعنی اللہ تعالیٰ سے یا لوگوں سے ﴿اور صبر والے﴾ یہ منصوب علی المدح ہے ﴿مصیبت میں﴾ سخت تنگی میں ﴿اور سختی میں﴾ بیماری میں ﴿اور جہاد کے وقت﴾ اللہ کی راہ میں سخت لڑائی کے وقت ﴿یہی لوگ ہیں﴾ جو مذکورہ خوبیوں سے متصف ہیں ﴿جو راست باز ہیں﴾ اپنے ایمان میں یا نیک خو ہونے کے دعویٰ میں ﴿اور یہی لوگ حقیقتاً ڈرنے والے ہیں﴾ اللہ سے۔

توضیح و تشریح: قوله فی الصلوٰة. اس قید سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ خارج صلوٰۃ کسی طرف رخ کرنے کو کسی بھی فرقہ کے لوگ نیکی تصور نہیں کرتے لہٰذا خارج صلوٰۃ مشرق و مغرب کی طرف رخ کر نیکی تر دید یا اس سے نیکی کی نفی ایک لاحاصل چیز ہوگی۔ لہٰذا صلوٰۃ کی قید سے یہ واضح فرمایا کہ مراد نماز میں کسی طرف منہ کرنا ہے۔

قوله: نزل ردا علی الیهود الخ. یہ آیت کا شان نزول ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ آیت اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے حق میں نازل ہوئی کہ یہود نے بیت المقدس کے مشرق کو اور نصاریٰ نے اس کے مغرب کو قبلہ بنا رکھا تھا اور ہر فریق کا گمان تھا کہ صرف اسی قبلہ ہی کی طرف رخ کرنا کافی ہے لہٰذا اس آیت میں ان کا رد فرمایا کہ بیت المقدس کا قبلہ ہونا منسوخ ہوگیا۔ لہٰذا اب نماز میں اس کی طرف رخ کرنا نیکی نہیں (مدارک) مفسرین کا ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ خطاب اہل کتاب اور مؤمنین سب کو عام ہے اور معنی یہ ہیں کہ صرف روبقبلہ ہونا اصل نیکی نہیں جب تک عقائد درست نہ ہوں اور دل اخلاص کے ساتھ رب قبلہ کی طرف متوجہ نہ ہو۔ (خزائن العرفان)

قوله: قوله ذا البر و قُرئ البارّ. اس تفسیر سے مفسر علام نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے، سوال یہ ہے کہ لٰکن البر من اٰمن میں مَنْ اٰمَنَ کا حمل اَلْبِرَّ پر ہو رہا ہے جس سے وصف پر ذات کا حمل ہو رہا ہے جو درست نہیں کہ آیت کا ترجمہ ہوگا ''نیکی وہ ہے جو اللہ پر ایمان لائے'' ظاہر ہے نیکی کا ایمان لانا متصور نہیں بلکہ نیک انسان ایمان لاتا ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں آیت میں لفظ اَلْبِرَّ سے پہلے ذو محذوف ہے یعنی اصل میں ذا البر ہے۔ یا بر بمعنی بارّ اسم فاعل ہے۔ دونوں صورتوں میں معنی ہوگا۔ نیک وہ ہے جو اللہ پر ایمان لائے، لہٰذا وصف پر ذات کا حمل نہیں۔

قوله: ای الکتب. یہ اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ الکتاب میں ال برائے استغراق ہے جس سے تمام کتب سماویہ مراد ہیں کیونکہ اصل نیکی تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لانا ہے: کما جاء فی الحدیث "ان تومن باللّٰه و ملائکته و کتبه و رسله" لہٰذا الکتاب سے صرف توریت مراد نہیں کہ محض توریت پر ایمان لانا تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لانے کو مستلزم نہیں۔

(ترویح الارواح)

قوله: مع. یہاں علی بمعنی مع ہے کیونکہ یہاں استعلاء کا معنی درست نہیں، آگے لہ کی ضمیر یا تو مال کی طرف راجع

ہے اور مفہوم یہ ہے کہ اپنے نفس کے لئے مال کی ضرورت محسوس کرتا ہے اس کے باوجود راہ خدا میں خرچ کرے، یا لفظ اللہ کی طرف راجع ہے اور مفہوم یہ ہے کہ اللہ سے محبت کی وجہ سے اس کی راہ میں مال خرچ کرے، ایک احتمال یہ ہے کہ اتی کے ضمن میں جو ایتاء مصدر مفہوم ہو رہا ہے اس کی طرف راجع ہو یعنی خدا کی راہ میں دینے کو محبوب سمجھتے ہوئے ضرورتمندوں کو دے، کما قال البیضاوی.

قوله: نصب علی المدح. اس عبارت سے اس شبہ کا ازالہ مقصود ہے کہ الصابرین کا عطف الموفون پر ہے اور الموفون حالت رفعی میں ہے۔ لہٰذا الصابرین کو بھی حالت رفعی میں ہونا چاہئے کہ معطوف اور معطوف علیہ کا اعراب ایک ہوتا ہے، حاصل ازالہ یہ ہے کہ اگر چہ عطف کا تقاضا تو یہی ہے کہ الصابرین مرفوع ہو، اس کے باوجود منصوب اس لئے ہے کہ مقصد مدح بدرجہ اتم حاصل ہو۔ لہٰذا فعل مقدر اَمْدَحُ کا معمول ہونے کی وجہ سے الصابرین منصوب ہے، اور اختصار کی بجائے اطناب اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مقام مدح میں جب صفات کثیرہ ذکر کی جائیں تو احسن یہ ہے کہ ان کا اعراب مختلف ہو کہ اعراب کا اختلاف انواع متعددہ پر دلالت کرتا ہے اور اتحاد فی الاعراب نوع واحد پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا جب اعراب میں اختلاف ہوگا تو مقصد حمد بطریق اکمل پورا ہوگا۔ (ترویح الارواح)

ائمہ مفسرین پر بلند شہری کی عنایت:

جمالین کے مصنف مولوی جمال بلند شہری نے لیس البر ان تولوا الخ کے تحت لکھا کہ بعض مفسرین کو مشرق و مغرب کے لفظ سے دھوکا ہوا ہے جیسا کہ خود صاحب جلالین علامہ سیوطی کو مغالطہ ہوا ہے کہ مشرق سے مراد نصاریٰ کا قبلہ اور مغرب سے مراد یہود کا قبلہ لیا ہے۔

اس دھوکا اور مغالطہ کو بیان کرنے کے بعد آں جناب ائمہ مفسرین پر گویا عنایات کی بارش کرتے ہوئے بزعم خویش آیت کا صحیح مفہوم بایں الفاظ تحریر کرتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ظہور اسلام سے پہلے خود سمتوں کی بھی پرستش ہوتی تھی اور مختلف جاہل قوموں نے یہ اعتقاد جمالیا تھا کہ فلاں سمت مثلاً مشرق کی سمت بھی مقدس ہے یا مثلاً مغرب کی سمت قابل پرستش ہے قرآن کریم یہاں شرک کی اسی مخصوص قسم کی تردید کر رہا ہے۔

یہاں موصوف نے اپنے نظریہ کی تائید میں کسی ایک مفسر کا بھی کوئی قول نقل نہیں کیا اور جو قول راجح ہے اور جس پر اکثر مفسرین کا اتفاق ہے اسے بعض کا قول ٹھہرا کر اور دھوکہ و مغالطہ سے تعبیر کر کے متروک و مردود قرار دینے کی ناکام کوشش کی اور ائمہ تفسیر کو تنقیص کا نشانہ بنایا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آیت کریمہ "لیس البر ان تولوا الخ" کے شان نزول کے متعلق ائمہ مفسرین کے تین قول ہیں ایک وہ جسے امام سیوطی نے اختیار کیا یعنی یہود نے بیت المقدس کے مشرقی حصہ کو اور نصاریٰ نے اس کے مغربی حصہ کو قبلہ بنا رکھا تھا اور ہر فریق کا گمان تھا کہ اس طرف منہ کر کے نماز پڑھ لینا ہی کافی ہے، ان کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اسی کو حضرت

ملا احمد جیون نے اکثر کا قول کہا ہے اور بیان اقوال میں اسی کو مقدم کیا اور فرمایا "نحن نقول ان الاول اولیٰ" (تفسیرات احمدیہ، ص ۴۳) اسی کو شیخ احمد بن محمد صاوی نے ذکر میں مقدم رکھا اور پھر فرمایا "و الا ظهر الاول" اسی قول کو صاحب مدارک و صاحب خازن نے ترجیح دی، علامہ حسین بن علی ہروی صاحب تفسیر حسینی نے بھی اسی کو اختیار کیا باقی بیضاوی، روح المعانی، روح البیان وغیرہ نے ذکر میں اسی قول کو مقدم رکھا، مگر پھر بھی مولوی جمال کے نزدیک یہ بعض کا قول ہے اور مزید برآں یہ کہ دھوکہ اور مغالطہ ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ مذکورہ آیت مسلمانوں کے حق میں نازل ہوئی کہ صدر اسلام میں مسلمان محض ایمان باللہ اور نماز کے مکلّف تھے، مگر نماز کے لئے کوئی جہت خاص نہیں تھی جدھر چاہتے رخ کر کے نماز پڑھتے اور اسی کو نیکی گمان کرتے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مسلمانوں کو متنبہ کیا کہ نیکی محض ایمان باللہ اور کسی جہت میں رخ کر کے نماز پڑھنے میں ہی منحصر نہیں بلکہ نیکی کے امور یہ ہیں اور نیک وہ ہے جو اُن اوصاف کا حامل ہو یعنی "من اٰمن الخ

مگر صاوی وغیرہ نے اس قول کو کلمۂ تمریض سے ذکر کر کے اس کے ضعف کی طرف اشارہ بھی کر دیا جس سے واضح ہے کہ یہ قول راجح نہیں۔

تیسرا قول یہ ہے کہ لیس البر الخ کے ذریعہ خطاب مؤمنین اور اہل کتاب کو عام ہے اور بتانا یہ مقصود ہے کہ نیکی محض امر قبلہ ہی میں منحصر نہیں کہ تم مشرق (کعبہ) و مغرب (بیت المقدس) کی جانب رخ کرنے میں ہی جھگڑ بیٹھو بلکہ نیکوں کے اوصاف یہ ہیں من اٰمن الخ (کعبہ شریف بیت المقدس سے جانب شرق میں ہے اور بیت المقدس کعبہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے غرب میں)

مگر اس قول کو بھی روح المعانی وغیرہ نے کلمہ تمریض سے ذکر کے اس کے ضعف کی طرف اشارہ فرمایا جس سے ثابت ہوا کہ یہ قول بھی مرجوح ہے۔

لیکن وہ قول جسے مولوی جمال نے ذکر کیا یعنی حقیقت یہ ہے کہ الخ یہ تفسیر کی کسی کتاب میں نہیں۔ البتہ مودودی صاحب نے اسی سے ملتی جلتی بات تفہیم القرآن میں ذکر کی ہے، ممکن ہے جمال صاحب نے مودودی صاحب کی ہی تقلید کر کے ان کی روح کو خوش کرنے کی کوشش کی ہو۔ لیکن اس قدر ضرور واضح ہو گیا کہ امام سیوطی کا قول ہی راجح ہے نہ انھیں مغالطہ ہوا نہ کسی معتمد مفسر کو دھوکا ہوا، اور یہ بھی ثابت ہوا کہ دیوبندی مفسرین وشارحین کے اندر وسعت نظر کا فقدان ہوتا ہے اور ان کا دامن علمی گہرائی و گیرائی سے خالی ہوتا ہے، وہ محض سطحی علم کے حامل ہوتے ہیں اسی لئے وہ قدم قدم پر دھوکے کھاتے ہیں اور ان کی شروحات اغلاط سے پُر ہوتی ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ مسلمانوں کو وہابیت کے زہر سے بچائے۔ آمین۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ﴾ فُرِضَ ﴿عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ﴾ اَلْمُمَاثَلَةُ ﴿فِى الْقَتْلٰى ط﴾ وَصْفًا وَ فِعْلًا ﴿اَلْحُرُّ﴾ يُقْتَلُ ﴿بِالْحُرِّ﴾ لَا يُقْتَلُ بِالْعَبْدِ ﴿وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى﴾ وَ بَيَّنَتِ السُّنَّةُ اَنَّ الذَّكَرَ يُقْتَلُ بِهَا وَ اَنَّهُ تُعْتَبَرُ الْمُمَاثَلَةُ فِى الدِّيْنِ فَلَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ وَ لَوْ عَبْدًا بِكَافِرٍ وَ لَوْ حُرًّا ﴿فَمَنْ عُفِىَ

لَهٗ﴾ مِنَ الْقَاتِلِیْنَ ﴿مِنْ﴾ دَمِ ﴿اَخِیْهِ﴾ الْمَقْتُوْلِ ﴿شَیْءٌ﴾ بِاَنْ تُرِكَ الْقِصَاصُ مِنْهُ وَ تَنْكِیْرُ شَیْءٍ یُفِیْدُ سُقُوْطَ الْقِصَاصِ بِالْعَفْوِ عَنْ بَعْضِهٖ وَ مِنْ بَعْضِ الْوَرَثَةِ وَ فِیْ ذِكْرِ اَخِیْهِ تَعَطُّفٌ دَاعٍ اِلَی الْعَفْوِ وَ اِیْذَانٌ بِاَنَّ الْقَتْلَ لَایَقْطَعُ اُخُوَّةَ الْاِیْمَانِ وَ مَنْ مُبْتَدَأٌ شَرْطِیَّةٌ اَوْ مَوْصُوْلَةٌ وَ الْخَبَرُ ﴿فَاتِّبَاعٌ﴾ اَیْ فَعَلَی الْعَافِیْ اِتِّبَاعُ الْقَاتِلِ ﴿بِالْمَعْرُوْفِ﴾ بِاَنْ یُّطَالِبَهٗ بِالدِّیَةِ بِلَاعُنْفٍ وَ تَرْتِیْبُ الْاِتِّبَاعِ عَلَی الْعَفْوِ یُفِیْدُ اَنَّ الْوَاجِبَ اَحَدُهُمَا وَهُوَ اَحَدُ قَوْلَیِ الشَّافِعِیِّ وَ الثَّانِیْ الْوَاجِبُ الْقِصَاصُ وَ الدِّیَةُ بَدَلٌ عَنْهُ فَلَوْ عَفَا وَ لَمْ یُسَمِّهَا فَلَاشَیْءَ وَ رُجِّحَ ﴿وَ﴾ عَلَی الْقَاتِلِ ﴿اَدَآءٌ﴾ الدِّیَةِ ﴿اِلَیْهِ﴾ اِلَی الْعَافِیْ وَ هُوَ الْوَارِثُ ﴿بِاِحْسَانٍ﴾ بِلَا مَطْلٍ وَ لَابَخْسٍ ﴿ذٰلِكَ﴾ اَلْحُكْمُ الْمَذْكُوْرُ مِنْ جَوَازِ الْقِصَاصِ وَ الْعَفْوِ عَنْهُ عَلَی الدِّیَةِ ﴿تَخْفِیْفٌ﴾ تَسْهِیْلٌ ﴿مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ عَلَیْكُمْ ﴿وَ رَحْمَةٌ﴾ بِكُمْ حَیْثُ وَسَّعَ فِیْ ذٰلِكَ وَ لَمْ یُحَتِّمْ وَاحِدًا مِنْهُمَا كَمَا حَتَّمَ عَلَی الْیَهُوْدِ الْقِصَاصَ وَ عَلَی النَّصَارٰی الدِّیَةَ ﴿فَمَنِ اعْتَدٰی﴾ ظَلَمَ الْقَاتِلَ بِاَنْ قَتَلَهٗ ﴿بَعْدَ ذٰلِكَ﴾ اَیِ الْعَفْوِ ﴿فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۝﴾ مُؤْلِمٌ فِی الْاٰخِرَةِ بِالنَّارِ اَوِ الدُّنْیَا بِالْقَتْلِ ﴿وَ لَكُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوةٌ﴾ اَیْ بَقَاءٌ عَظِیْمٌ ﴿یٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ﴾ ذَوِی الْعُقُوْلِ لِاَنَّ الْقَاتِلَ اِذَا عَلِمَ اَنَّهٗ یُقْتَلُ اِرْتَدَعَ فَاَحْیٰی نَفْسَهٗ وَ مَنْ اَرَادَ قَتْلَهٗ فَشُرِعَ لَكُمْ ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۝﴾ اَلْقَتْلَ مَخَافَةَ الْقَوَدِ.

حل اللغات: ﴿القصاص﴾ گناہ کی سزا، بدلہ، ﴿سقوط﴾ (ن) مصدر، گرنا ﴿تعطف﴾ الیہ مائل ہونا جھکنا، ﴿ایذان﴾ از افعال، آگاہ کرنا، جتلانا ﴿لا یقطع﴾ (ف) نہیں کاٹتا ہے یا جدا نہیں کرتا۔ ﴿العافی﴾ اسم فاعل (ن) درگزر کرنے والا ﴿بلا عنف﴾ بغیر کسی سختی کے ﴿بلا مطل و لا بخس﴾ بغیر ٹال مٹول اور بغیر کسی کمی کے ﴿تسهیل﴾ از تفعیل آسانی کرنا ﴿و لم یحتم﴾ (ض) الشئ علیه واجب کرنا۔ ﴿مؤلم﴾ اسم فاعل۔ تکلیف دینے والا۔ ﴿ارتدع﴾ از افتعال، باز رہنا ﴿القود﴾ مصدر، قصاص

ترجمہ: ﴿اے ایمان والو فرض کیا گیا ہے تم پر قصاص﴾ برابری کا اصول ﴿ناحق مارے جانے والوں کے بارے میں﴾ وصفاً بھی اور فعلاً بھی ﴿آزاد﴾ قتل کیا جائے ﴿آزاد کے بدلے﴾ اور (آزاد) قتل نہ کیا جائے غلام کے بدلے ﴿اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت﴾ اور حدیث سے ثابت ہوا کہ مرد عورت کے بدلہ قتل کیا جائے گا اور یہ کہ مماثلت کا اعتبار دین میں کیا جائے گا۔ لہٰذا کوئی مسلمان اگرچہ غلام ہو قتل نہیں کیا جائے گا کسی کافر کے بدلے اگرچہ وہ آزاد ہو ﴿تو جس کے لئے معافی ہوئی﴾ قاتلین میں سے ﴿اس کے بھائی کی طرف سے﴾ مقتول کے خون سے ﴿کچھ﴾ بایں طور کہ اس سے قصاص معاف کر دیا جائے اور شی کی تنکیر بعض قصاص کی معافی اور بعض وارثین کی معافی سے قصاص کے ساقط ہونے کا فائدہ دیتی ہے اور لفظ اخیہ کے ذکر میں از راہ شفقت معافی پر ابھارنا ہے اور واضح کرنا ہے کہ قتل ایمانی اخوت کو منقطع نہیں کرتا، اور مَنْ مبتداء ہے شرطیہ ہو خواہ موصولہ اور اس کی خبر فاتباع ہے ﴿تو تقاضا کرے﴾ یعنی معاف کرنے والا قاتل سے تقاضا کرے ﴿بھلائی کے ساتھ﴾ بایں طور کہ دیت کا مطالبہ کرے بغیر کسی سختی کے اور اتباع کا عفو پر مرتب ہونا اس

بات کا فائدہ دیتا ہے کہ واجب ان میں سے ایک ہی ہے یہی امام شافعی کا ایک قول ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ واجب قصاص ہے اور دیت اس کا بدل ہے۔ لہٰذا اگر مقتول کے وارث نے معاف کر دیا اور دیت کا ذکر نہیں کیا تو قاتل پر کچھ واجب نہیں یہی قول راجح ہے ﴿اور قاتل پر ادا کرنا ہے﴾ دیت کا ﴿اس کی جانب﴾ معاف کرنے والے کی جانب اور وہ مقتول کا وارث ہے ﴿اچھی طرح﴾ بغیر ٹال مٹول اور بغیر کسی کمی کے ﴿یہ﴾ حکم جو مذکور ہوا یعنی قصاص کا جواز اور اس کے بدلے دیت پر معافی ﴿رعایت ہے﴾ آسانی ﴿تمہارے رب کی جانب سے﴾ تم پر ﴿اور رحمت ہے﴾ تمہارے ساتھ کہ اس میں وسعت عطا کر دیا اور ان میں سے ایک ہی واجب نہیں کیا جیسا کہ یہود پر صرف قصاص اور نصاریٰ پر صرف دیت لازم کر دیا تھا ﴿تو جس نے زیادتی کی﴾ بایں طور کہ قاتل کو ظلماً قتل کر دیا ﴿اس کے بعد﴾ یعنی معافی کے بعد ﴿تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے﴾ تکلیف دہ عذاب آخرت میں آگ کے ذریعہ یا دنیا میں قتل کے ذریعہ ﴿اور تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے﴾ یعنی بقائے عظیم ہے ﴿اے عقل مندو﴾ دانشورو اس لئے کہ جب قاتل کو علم رہے گا کہ وہ بھی (بدلے میں) قتل کر دیا جائے گا تو قتل سے باز رہے گا تو گویا اس نے خود کو بھی زندہ رکھا اور جس کے قتل کا ارادہ کر چکا تھا اسے بھی بچا لیا لہٰذا تمہارے لئے قصاص مشروع کیا گیا ﴿کہ تم کہیں بچو﴾ قتل کرنے سے، قصاص کے خوف سے۔

توضیح وتشریح: قوله: فرض. کُتِبَ کی تفسیر لفظ فُرِضَ سے کر کے حضرت مفسر نے اشارہ فرمایا کہ یہاں لفظ کتب محض نقش بالقلم یعنی لکھنے کے معنی میں نہیں بلکہ لزوم اور فرضیت کے معنی میں ہے اور یہ معنی بقرینہ علیٰ ثابت ہوا کہ علیٰ الزام کے لئے آتا ہے۔

قوله: المماثلة. یہ ایک شبہ کا ازالہ ہے، شبہ یہ پیدا ہوا کہ قصاص عموماً متعدی باللام ہوتا ہے اور فی اس کا صلہ نہیں آتا مگر یہاں قصاص کا صلہ فی آیا ہے، حاصل جواب یہ ہے کہ قصاص معنیً مماثلت کو متضمن ہے لہٰذا اس کا صلہ فی لانا درست ہے۔

(ترویح الارواح)

قوله: وصفاً و فعلاً. وصف میں مماثلت کا مطلب یہ ہے کہ اوصاف کے اعتبار سے کوئی فرق نہ کیا جائے مثلاً آزاد اور غلام کا فرق، اور فعل میں مماثلت کا مطلب یہ کہ طریقۂ قتل میں بھی برابری ہونی چاہئے مثلاً قاتل نے گولی مار کر ہلاک کیا ہے تو اسے بھی گولی ہی ماری جائے اور گلا گھونٹ کر مارا تو اسے بھی گلا گھونٹ کر ہی مارا جائے وعلی ہذا، مگر یہ امام شافعی کا مسلک ہے، احناف کے نزدیک فعل میں مماثلت نہیں، تفصیل آگے آتی ہے۔

قوله: فلا یقتل مسلم الخ یہ امام شافعی کے مسلک کا بیان ہے کہ ان کے نزدیک مسلمان کسی بھی کافر کو قتل کر دے تو قصاصاً مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ مگر احناف کے نزدیک کافر ذمی کے بدلے مسلمان کو قتل کیا جائے گا۔ لقوله علیه السلام فدمائهم کدمائنا.

قوله: و تنکیر شئ الخ یعنی اس مقام پر شئ میں اصل تعریف ہے کہ فاعل کے قائم مقام ہونے کی وجہ سے اس میں فاعل کا معنی ہے، مگر اس کا نکرہ آجانا اس امر کی طرف مشیر ہے کہ جس طرح کل ورثاء کے معاف کر دینے سے قصاص ساقط

ہو جاتا ہے اسی طرح بعض کے معاف کرنے سے بھی ساقط ہو جائے گا۔

قولہ: و ترتیب الاتباع الخ یہ امام شافعی کے قول اول کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آیت میں اتباع کو عفو قصاص پر مرتب فرمایا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دیت قصاص کے تابع یا اس کا بدل نہیں بلکہ مستقل واجب ہے، البتہ اولیت قصاص کو حاصل ہے اور اگر قصاص کسی طرح سے ساقط ہو جائے تو دیت خود بخود واجب ہو جائے گی۔ یہ قول مرجوح ہے۔

قولہ: و الثانی الواجب القصاص الخ یہ اما شافعی کا آخری اور راجح قول ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ واجب صرف قصاص ہے اور دیت اس کا بدل ہے۔ اگر مقتول کے وارثین نے قصاص معاف کر دیا اور دیت کا ذکر نہیں کیا تو دیت خود بخود معاف ہو جائے گی۔ مگر ہمارے ائمہ احناف کے نزدیک اس صورت میں دیت واجب ہو جائے گی (بہار)

قولہ: الحکم المذکور الخ یہ دفع دخل مقدر ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ذلك اسم اشارہ واحد ہے اور اس کے مشار الیہ تین ہیں۔ (۱) بیان قصاص (۲) العفو (۳) الدیت، جواب یہ ہے کہ ذلك کا مشار الیہ الحکم المذکور ہے جس میں مذکور احکام داخل ہیں اور ظاہر ہے الحکم المذکور جمع نہیں بلکہ مفرد ہے۔ فلا اعتراض.

قولہ: حیث وسع فی ذلك الخ یہ اس وہم کا ازالہ ہے کہ قصاص میں قتل کیا جاتا ہے پھر اس میں تخفیف اور رحمت کہاں؟ حاصل ازالہ یہ ہے کہ یہاں تخفیف سے مراد توسیع ہے یعنی مقتول کے وارثین کو قصاص، دیت اور معافی کا اختیار دینا اسی طرح قاتل اگر مسکین ہے تو اس کے لئے قصاص ہی میں بہتری ہے اور اگر مالدار ہے تو اس کے لئے دیت دے کر اپنی جان بچانے کی گنجائش ہے یعنی دین موسوی یا دین عیسوی کی طرح صرف قصاص یا صرف دیت ہی لازم نہ فرمایا بلکہ وارثین مقتول کو مذکورہ بالا تین امور میں اختیار دے دیا اور بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امت محمدیہ پر تخفیف اور رحمت ہے۔

قولہ: القتل مخافة القود۔ اس تفسیر سے اشارہ فرمایا کہ یہاں تقوی لغوی یا شرعی معنی میں نہیں بلکہ مجازاً "بچنے" کے معنی میں ہے کہ لغت میں تقوی مطلقاً خوف کو کہتے ہیں اور یہ معنی یہاں مراد لینا صحیح نہیں کہ آدمی قتل سے نہیں بلکہ قصاص سے خوف کرتا ہے، اور شرع میں تقوی ان تمام چیزوں سے بچنے کو کہتے ہیں جو چیزیں آخرت میں نقصان پہنچانے والی ہیں اور ظاہر ہے محض قصاص کے خوف سے جمیع معاصی سے بچنا ممکن نہیں، لہٰذا یہاں تقوی سے مجازاً قتل سے بچنا مراد ہے جو سبب قصاص ہے۔ (ترویح الارواح)

مسئلہ قصاص میں امام شافعی کا مسلک:

قصاص کے مسئلہ میں امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ قاتل جس آلہ سے قتل کرے اس کو اسی آلہ سے قصاص میں قتل کیا جائے مثلاً تلوار سے قتل کیا ہے تو اسے بھی تلوار سے قتل کیا جائے۔ لاٹھی سے مار کر قتل کیا ہے تو اسے بھی لاٹھی سے مارا جائے وعلی ہذا، اسی طرح قاتل نے مقتول کو جس کیفیت سے قتل کیا ہے اسے بھی اسی کیفیت سے قتل کیا جائے۔ البتہ اگر اس نے قتل میں غیر شرعی طریقہ اختیار کیا تھا مثلاً لواطت یا زنا سے قتل کیا تھا تو چونکہ اس طریقے پر عمل ممکن نہیں اس لئے اسے تلوار سے قتل کر دیا جائے

گا۔ یہی مسلک امام مالک اور امام احمد بن حنبل کا بھی ہے۔ ان حضرات کی دلیلیں حسب ذیل ہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

و ان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به (النحل ۱۶)

اگر تم انہیں سزا دو تو ایسی ہی سزا دو جیسی تمہیں تکلیف دی گئی ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدی علیکم (بقرہ-۱۹۴)

جو تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس کی زیادتی کا اتنی ہی زیادتی کے ساتھ بدلہ لو جتنی زیادتی اس نے کی ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

و من حرق حرقناه و من غرق غرقناه

جس نے کسی کو آگ میں جلایا ہم اس کو آگ میں جلائیں گے اور جس نے کسی کو غرق کیا ہم بھی اسے غرق کریں گے۔ (سنن کبریٰ)

مسئلہ قصاص میں احناف کا مسلک:

قصاص کے مسئلہ میں احناف کا موقف یہ ہے کہ قاتل نے خواہ کسی بھی چیز سے قتل کیا ہو مگر اسے قصاص میں تلوار یا کسی ایسے ہتھیار سے قتل کیا جائے گا جس سے اذیت کم ہو اور موت جلد واقع ہو جائے، اسی طرح احناف کے نزدیک کیفیت قتل میں بھی برابری نہیں مثلاً کسی نے جلا کر یا غرق کر کے کسی کو مار ڈالا تو قصاص میں اسے جلایا نہیں جائے گا اور نہ ہی غرق کیا جائے گا بلکہ اسے تلوار یا اس جیسے دھاردار ہتھیار سے قتل کیا جائے گا، چنانچہ علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں۔

عامر شعبی، ابراہیم نخعی، حسن بصری، سفیان ثوری، امام ابوحنیفہ، امام محمد، امام ابویوسف نے کہا ہے کہ قاتل کو بہر صورت تلوار ہی سے قتل کیا جائے گا کیونکہ امام ابوداؤد طیالسی نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بیان فرمائی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "لاقود الا بحديدة" قصاص نہیں ہے مگر دھار والی چیز سے اور امام طحاوی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت نعمان سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "لاقود الا بالسيف" قصاص صرف تلوار سے لیا جائے اور امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "لاقود الا بالسيف" قصاص صرف تلوار سے لیا جائے اسی طرح حضرت علی سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "لاقود الا بحديدة" قصاص صرف دھار والی چیز سے لیا جائے۔ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "القود بالسيف و الخطاء على العاقلة" قصاص تلوار سے ہے اور قتل خطاء کی دیت عصبات پر ہے۔ یہ حدیث حضرت نعمان بن بشیر، حضرت ابوبکرہ، حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور بعض روایات بعض کے

لئے شاہد ہیں اور اس کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ یہ حدیث حسن ہے اور اس سے استدلال صحیح ہے۔
(عمدۃ القاری جلد ۱۲، ص ۲۵۴ مطبوعہ مصر، بحوالہ نزہۃ القاری)

رہیں امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیلیں تو ان کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ آیات کے ظاہر پر عمل کرنا عادتاً محال ہے مثلاً کسی نے کسی کو ایک لاٹھی ماری جس سے وہ شخص ہلاک ہو گیا اب قاتل کو بھی اگر قصاص میں ایک ہی لاٹھی ماری جائے تو ضروری نہیں کہ وہ بھی ایک ہی لاٹھی کی مار سے مر جائے اور اگر ایک لاٹھی سے زیادہ ماریں تو اس پر زیادتی ہوگی، لیکن اسے تلوار سے قتل کر دیا جائے تو اس صورت میں مماثلت باقی رہتی ہے کہ قتل کے بدلے قتل ہے اور حدیث "لاقود الا بالسیف" پر عمل بھی ہے گویا جن احادیث سے احناف اپنے موقف پر استدلال کرتے ہیں وہی احادیث ان آیات کی شرح ہیں جو شوافع کی متدل ہیں۔

رہی وہ حدیث یعنی من حرق حرقناہ الخ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث قابل حجت نہیں کہ اس کی سند میں مجہول راوی ہیں، اسی طرح وہ احادیث جن سے مثلہ کرنا ثابت ہوتا ہے جیسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قصاص میں ایک یہودی کا سر کچلوا دیا اور اہل عرینہ کے ہاتھ پیر وغیرہ کٹوائے۔ تو یہ احادیث بھی قابل حجت نہیں کہ حضور کا یہ عمل یعنی سر کچلوانا اور مثلہ کرنا مثلہ کی ممانعت سے پہلے کا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ قصاص کے سلسلہ میں احناف کا موقف انتہائی قوی ہے۔ (ملخصاً شرح صحیح مسلم جلد چہارم، ص ۶۸۶، مطبوعہ پوربندر، گجرات)

فوائد: (۱) قصاص کا لغوی معنی ہے "مساوات، برابری" اور اصطلاح میں قتل کے بدلے قتل کرنے کا نام قصاص ہے۔ (۲) امام شافعی علیہ الرحمہ نے آیت کریمہ الحر بالحر الآیۃ سے یہ استدلال فرمایا کہ عورت کے قاتل مرد اور غلام کے قاتل آزاد سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ البتہ مرد کی قاتلہ عورت اور آزاد کے قاتل غلام سے قصاص لیا جائے گا، مگر احناف کے نزدیک آزاد اور غلام میں کوئی فرق نہیں اسی طرح قصاص کے باب میں مرد و عورت کے درمیان بھی کوئی تفریق نہیں ہوگی یعنی عورت کے قاتل مرد سے اسی طرح غلام کے قاتل آزاد سے قصاص لیا جائے گا لقولہ علیہ السلام "المسلمون تتکافأ دماؤھم" رہی امام شافعی کی متدل مذکورہ آیت تو اس کا حکم "ان النفس بالنفس" الآیۃ سے منسوخ ہے۔
(مدارک ملخصاً)

(۳) قتل ناحق کی پانچ صورتیں ہیں: (۱) قتل عمد (۲) قتل شبہ عمد (۳) قتل خطا (۴) قائم مقام خطا (۵) قتل بالسبب، قصاص صرف قتل عمد میں ہے اور قتل عمد یہ ہے کہ کسی دھاردار آلے سے قصداً قتل کرے (عامۂ کتب فقہ) باقی صورتوں کی تعریفات اور ان کے احکام فقہ کی کتابوں میں دیکھیں۔

(۴) دیت اس مال کو کہتے ہیں جو نفس کے بدلے میں لازم ہوتا ہے اور ارش اس مال کو کہتے ہیں جو مادون النفس میں لازم ہوتا ہے اور کبھی ارش اور دیت کو بطور مترادف بھی بول دیتے ہیں۔ (بہار شریعت)

(۵) دیت صرف تین قسم کے مالوں میں سے ادا کی جائے گی۔ (۱) اونٹ ایک سو (۲) دینار ایک ہزار (۳) درہم دس ہزار، اور دیت ادا کرنے کی مدت تین سال ہے۔ (ایضاً)

﴿كُتِبَ﴾ فُرِضَ ﴿عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ﴾ اَیْ اَسْبَابُهٗ ﴿اِنْ تَرَكَ خَيْرًا﴾ مَالًا ﴿الْوَصِيَّةُ﴾ مَرْفُوْعٌ بِكُتِبَ مُتَعَلِّقٌ بِاِذَا اِنْ كَانَتْ ظَرْفِيَّةً وَ دَالٌّ عَلٰى جَوَابِهَا اِنْ كَانَتْ شَرْطِيَّةً وَ جَوَابُ اِنْ مَحْذُوْفٌ اَیْ فَلْيُوْصِ ﴿لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ بِالْعَدْلِ بِاَنْ لَّا يَزِيْدَ عَلَى الثُّلُثِ وَلَا يُفَضِّلُ الْغَنِیَّ ﴿حَقًّا﴾ مَصْدَرٌ مُؤَكِّدٌ لِمَضْمُوْنِ الْجُمْلَةِ قَبْلَهٗ ﴿عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ٥﴾ اللّٰهَ وَ هٰذَا مَنْسُوْخٌ بِاٰيَةِ الْمِيْرَاثِ وَ بِحَدِيْثِ لَاوَصِيَّةَ لِوَارِثٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ ﴿فَمَنْ بَدَّلَهٗ﴾ اَیِ الْاِيْصَاءَ مِنْ شَاهِدٍ وَّوَصِیٍّ ﴿بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ﴾ عَلِمَهٗ ﴿فَاِنَّمَا اِثْمُهٗ﴾ اَیِ الْاِيْصَاءِ الْمُبَدَّلِ ﴿عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ﴾ فِيْهِ اِقَامَةُ الظَّاهِرِ مَقَامَ الْمُضْمَرِ ﴿اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ﴾ لِقَوْلِ الْمُوْصِیْ ﴿عَلِيْمٌ﴾ بِفِعْلِ الْوَصِیِّ فَمَجَازٌ عَلَيْهِ ﴿فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ﴾ مُخَفَّفًا وَ مُثَقَّلًا ﴿جَنَفًا﴾ مَيْلًا عَنِ الْحَقِّ خَطَأً ﴿اَوْ اِثْمًا﴾ بِاَنْ تَعَمَّدَ ذٰلِكَ بِالزِّيَادَةِ عَلَى الثُّلُثِ اَوْ تَخْصِيْصِ غَنِیٍّ مَثَلًا ﴿فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ﴾ بَيْنَ الْمُوْصِیْ وَ الْمُوْصٰى لَهٗ بِالْاَمْرِ بِالْعَدْلِ ﴿فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ﴾ فِیْ ذٰلِكَ ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ٥﴾

ترجمہ: ﴿لازم کیا گیا﴾ فرض کیا گیا ﴿تم پر جب تم میں کسی کو موت آئے﴾ یعنی اسباب موت ﴿اگر کچھ مال چھوڑے تو وصیت کر جائے﴾ الوصیت، کتب (کا نائب فاعل ہونے) کی وجہ سے مرفوع ہے اور اذا کا متعلق ہے جب کہ اذا ظرفیہ ہو اور اگر اذا شرطیہ ہو تو یہ جواب پر دال ہے اور اِنْ کا جواب محذوف ہے یعنی فلیوص ﴿ماں باپ اور قریب کے رشتہ داروں کے لئے موافق دستور﴾ انصاف کے ساتھ بایں طور کہ وصیت ایک ثلث سے زیادہ کی نہ کرے اور نہ ہی مال دار کو ترجیح دے ﴿واجب ہے﴾ حقا مصدر مؤکّد ہے ماقبل کے مضمون جملہ کے لئے ﴿ڈرنے والوں پر﴾ اللہ سے، اور یہ حکم منسوخ ہے آیت میراث (یوصیکم اللہ الایۃ) اور حدیث "لا وصیۃ لوارث سے جسے امام ترمذی نے روایت کیا ﴿پھر جو بدل ڈالے اس کو﴾ یعنی وصیت کو خواہ گواہ ہو یا وصی ﴿وصیت کو سن لینے کے بعد﴾ معلوم کر لینے کے بعد ﴿تو اس کا گناہ﴾ تبدیل شدہ وصیت کا ﴿انھیں بدلنے والوں پر ہے﴾ اس میں اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر ہے۔ (بجائے علیہم، علی الذین ہے) ﴿بے شک اللہ تعالیٰ سنتا ہے﴾ وصیت کرنے والے کی بات ﴿جانتا ہے﴾ وصی کے کام کو تو انھیں اس کا بدلہ ملے گا ﴿پھر جسے اندیشہ ہو وصیت کرنے والے سے﴾ لفظ ''موص'' مخفف اور مشدد دونوں طرح ہے ﴿کسی طرف داری کا﴾ حق سے باطل کی طرف میلان کا ﴿یا گناہ کا﴾ بایں طور کہ جان بوجھ کر ثلث سے زیادہ کی وصیت کرے یا مالدار کی تخصیص کر دے، مثلاً ﴿پس وہ صلح کرا دے ان کے درمیان﴾ موصی اور موصیٰ لہ کے درمیان انصاف کا حکم دے کر ﴿تو اس پر کچھ گناہ نہیں﴾ اس معاملہ میں ﴿بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔﴾

توضیح و تشریح: قولہ ای اسبابہ۔ حضرت مفسر نے مضاف محذوف مان کر ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ موت کے وقت انسان مر جاتا ہے پھر مردے پر وصیت فرض کرنے کا کیا مطلب؟

جواب یہ ہے کہ حضورِ موت سے اسباب موت کا پایا جانا مراد ہے، یا مجازاً حضور بمعنی قرب ہے، لہٰذا اب کوئی اعتراض

نہیں رہا۔

قولہ: مالاً۔ اس لفظ سے مفسر علاّم نے اشارہ فرمایا ہے کہ آیت میں لفظ خیر سے مطلق مال مراد ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر کیونکہ قرآن پاک میں عموماً لفظ خیر سے مطلق مال مراد ہوتا ہے جیسے "و ما تنفقوا من خیر" و ما انفقتم من خیر" میں خیر سے مطلق مال مراد ہے، گویا مفسر علام کی اس تفسیر میں ان مفسرین کا رد بھی ہے جنھوں نے خیر سے مال قلیل یا مال کثیر مراد لیا ہے۔

خیال رہے یہاں مال کو لفظ خیر سے تعبیر کرنے میں اشارہ اس طرف ہے کہ مال وصیت جائز طریقہ سے حاصل کیا گیا ہو کہ وہی خیر ہے ناجائز و حرام مال خیر نہیں بلکہ خبیث ہے اور مال خبیث کی وصیت ناجائز و گناہ ہے۔

قولہ: مرفوع بکتب۔ یہ ان مفسرین کا رد ہے جنھوں نے الوصیة کو مبتداء اور للوالدین کو خبر قرار دیا ہے اور دلیل یہ پیش کی ہے کہ اگر الوصیة کتب کا نائب فاعل ہو تو کتب مؤنث ہونا چاہئے تھا کہ فعل اور فاعل کے درمیان مطابقت ضروری ہے، حاصل جواب یہ ہے کہ فعل اور فاعل کے درمیان مطابقت اس وقت ضروری ہوتی ہے جب کہ دونوں کے درمیان فصل نہ ہو اور اگر فعل اور فاعل کے درمیان فصل ہو جیسا کہ یہاں ہے تو مطابقت ضروری نہیں۔

قولہ: و متعلق باذا الخ یہاں سے مفسر علام نے ان حضرات کا رد کیا ہے جنھوں نے اذا کو کتب سے متعلق مانا ہے نہ کہ الوصیة سے، ان حضرات نے دلیل یہ دی ہے کہ الوصیة اسم ہونے کی وجہ سے عامل ضعیف ہے اور کتب فعل ماضی ہے جو کہ زمانۂ گذشتہ پر دلالت کرتا ہے اور ظاہر ہے زمانہ ماضی مستقبل کا ظرف نہیں بن سکتا، اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ الوصیة اسم عامل ضعیف ہونے کی وجہ سے اپنے ماقبل میں عمل نہیں کرسکتا اس کا جواب یہ ہے کہ الوصیة اسم مصدر ہے نہ کہ اسم جامد اور تحقیق یہ ہے کہ اسم مصدر ظرف مقدم میں عمل کرسکتا ہے کیونکہ ظرف میں عمل کرنے کے لئے فعل کی بو کافی ہے اور اسم مصدر میں فعل کی بو ہوتی ہے۔ خود مفسر علام نے اذا کے تعلق سے دو صورتیں ذکر فرمائی ہیں اولاً یہ کہ اذا ظرفیہ ہو لیکن معنی شرط کو متضمن نہ ہو اس صورت میں اذا، الوصیة کے لئے ظرف ہوگا، ثانیاً یہ کہ اذا ظرف کے لئے ہو لیکن معنی شرط کو متضمن ہو اس صورت میں دو شرطیں جمع ہو جائیں گی اور دونوں کا جواب محذوف ہوگا جس پر لفظ وصیت دال ہوگا۔ دونوں کا جواب محذوف "فلیوص" ہے۔ (ترتیح الارواح ملخصاً)

قولہ: مصدر موکد الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ لفظ حقاً جملۂ سابق "کتب علیکم" کے مضمون "حق علیکم" کی تاکید ہے چونکہ حق علیکم میں حقیت کے سوا کوئی اور احتمال نہیں ہے اس لئے مفعول مطلق موکد لنفسہ ہے تقدیری عبارت ہے حق علیکم حقا.

قولہ: و ھذا منسوخ الخ یہاں نسخ سے مراد نسخ حکم ہے یعنی تلاوت باقی ہے اور حکم منسوخ ہے، آیت میراث سے مراد یہ آیت ہے: "یوصیکم اللّٰہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین." الآیة

قولہ: ای الایصاء یہ دفع دخل مقدر ہے، سوال یہ پیدا ہوا کہ بدّلہ کی ضمیر الوصیة کی طرف لوٹتی ہے جو کہ مونث

ہے۔ لہٰذا ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہیں رہی۔ جواب یہ ہے کہ بدّله کی ضمیر الایصاء کی طرف راجع ہے جو الوصیة سے مفہوم ہوتا ہے۔ فلا اعتراض (ترویح الارواح)

قوله: میلاً عن الحق خطأ۔ اس تفسیر سے اشارہ فرمایا کہ لفظ جنف کا لغوی معنی اگرچہ مطلقاً جھکنا اور مائل ہونا ہے مگر یہاں جنف سے مراد بلا قصد وارادہ خطاً حق سے پھرنا ہے اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ یہاں جنف کے مقابل اثم آیا ہے اور اثم کا معنی ہے۔ قصد وارادہ سے حق سے پھرنا۔ (ایضاً)

فوائد: (۱) لغت میں وصیت بوقت موت معاملہ کو کہتے ہیں، اور شرعاً اس تملیک کو کہتے ہیں جو بعد موت ہو۔

(۲) جب تک آیت میراث نازل نہیں ہوئی تھی والدین واقارب کے لئے صاحب مال پر وصیت فرض تھی، آیت میراث کے نازل ہونے کے بعد یہ حکم منسوخ ہوگیا مگر غیر وارث کے لئے ثلث مال میں وصیت کرنا اب بھی مستحب ہے۔

(۳) وصیت میں چار چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ (۱) موصی، یعنی وصیت کرنے والا (۲) موصیٰ لہ، جس کے لئے وصیت کی جائے (۳) موصیٰ بہ جس چیز کی وصیت کی جائے۔ (۴) وصی، جس کو وصیت کی جائے۔ (بہار شریعت)

﴿يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ﴾ فُرِضَ ﴿عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ مِنَ الْاُمَمِ ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ٥﴾ الْمَعَاصِىَ فَاِنَّهُ يَكْسِرُ الشَّهْوَةَ الَّتِىْ هِىَ مَبْدَؤُهَا ﴿اَيَّامًا﴾ نُصِبَ بِالصِّيَامِ اَوْ بِصُوْمُوْا مُقَدَّرٍ ﴿مَعْدُوْدَاتٍ﴾ اَىْ قَلَائِلَ اَىْ مُوَقَّتَاتٍ بِعَدَدٍ مَعْلُوْمٍ وَ هِىَ رَمَضَانُ كَمَا سَيَاتِىْ وَ قَلَّلَهُ تَسْهِيْلًا عَلَى الْمُكَلَّفِيْنَ ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ﴾ حِيْنَ شُهُوْدِهِ ﴿مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ﴾ اَىْ مُسَافِرًا سَفَرَ الْقَصْرِ وَ اَجْهَدَهُ الصَّوْمُ فِى الْحَالَيْنِ فَاَفْطَرَ ﴿فَعِدَّةٌ﴾ فَعَلَيْهِ عَدَدُ مَا اَفْطَرَ ﴿مِنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾ يَصُوْمُهَا بَدَلَهُ ﴿وَ عَلَى الَّذِيْنَ﴾ لَا ﴿يُطِيْقُوْنَهُ﴾ لِكِبَرٍ اَوْ مَرَضٍ لَا يُرْجٰى بُرْؤُهُ ﴿فِدْيَةٌ﴾ هِىَ ﴿طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾ اَىْ قَدْرَ مَا يَاكُلُهُ فِىْ يَوْمٍ وَ هُوَ مُدٌّ مِنْ غَالِبِ قُوْتِ الْبَلَدِ لِكُلِّ يَوْمٍ وَ فِىْ قِرَاءَةٍ بِاِضَافَةِ فِدْيَةٍ وَ هِىَ لِلْبَيَانِ وَ قِيْلَ لَا غَيْرُ مُقَدَّرَةٍ كَانُوْا مُخَيَّرِيْنَ فِىْ صَدْرِ الْاِسْلَامِ بَيْنَ الصَّوْمِ وَ الْفِدْيَةِ ثُمَّ نُسِخَ بِتَعْيِيْنِ الصَّوْمِ بِقَوْلِهِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِلَّا الْحَامِلَ وَ الْمُرْضِعَ اِذَا اَفْطَرَتَا خَوْفًا عَلَى الْوَلَدِ فَاِنَّهَا بَاقِيَةٌ بِلَا نَسْخٍ فِىْ حَقِّهِمَا ﴿فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا﴾ بِالزِّيَادَةِ عَلَى الْقَدْرِ الْمَذْكُوْرِ فِى الْفِدْيَةِ ﴿فَهُوَ﴾ اَىِ التَّطَوُّعُ ﴿خَيْرٌ لَّهُ وَ اَنْ تَصُوْمُوْا﴾ مُبْتَدَاٌ خَبَرُهُ ﴿خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ مِنَ الْاِفْطَارِ وَ الْفِدْيَةِ ﴿اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ٥﴾ اَنَّهُ خَيْرٌ لَّكُمْ فَافْعَلُوْهُ.

حلّ اللغات ﴿الامم﴾ امت کی جمع، جماعت، گروہ، طریقہ ﴿یکسر﴾ (ض) توڑتا ہے ﴿مبدء﴾ اصل، سبب، جمع مبادی ﴿قلائل﴾ قلیل کی جمع ہے، کم، تھوڑا ﴿موقتات﴾ موقت کی جمع ہے۔ مقرر کردہ وقت ﴿شهود﴾ (س) مصدر، حاضر ہونا، اطلاع پانا۔ ﴿افطر﴾ از افعال، روزہ دار کا افطار کرنا ﴿لا يرجى﴾ (ن) مضارع منفی مجہول، امید نہ ہو ﴿برء﴾ مصدر، نجات پانا، ﴿المد﴾ ایک پیمانہ جس کی مقدار اہل عراق کے نزدیک دو رطل اور اہل حجاز کے نزدیک ایک اور تہائی

رطل ہے۔ ﴿الحامل﴾ پیٹ والی عورت، جمع حوامل ﴿المرضع﴾ دودھ پیتے بچہ والی ہونا، جمع مرضعات ومراضع۔

ترجمہ: ﴿اے ایمان والو! لازم کئے گئے ہیں﴾ فرض کئے گئے ہیں ﴿تم پر روزے جیسے اگلوں پر فرض ہوئے تھے﴾ امتوں پر ایاما یا تو صیام کی وجہ سے منصوب ہے یا صوموا مقدر کی وجہ سے اور معدودات بمعنی قلائل ہے یعنی مقرر کردہ گنتی کے چند دن اور وہ رمضان کے روزے ہیں جیسا کہ عنقریب آئے گا اور اس کا قلیل قرار دینا مکلفین پر سہولت کے لئے ہے ﴿تو تم میں جو کوئی﴾ رمضان شروع ہونے کے وقت ﴿بیمار ہو یا سفر میں ہو﴾ سفر قصر کا مسافر ہو اور دونوں حالتوں میں روزہ اسے مشقت میں ڈال دے اور وہ افطار کرلے ﴿تو اتنے روزے﴾ تو اس پر اتنے ہی روزے ہیں جس قدر اس نے افطار کئے ﴿اور دنوں میں﴾ ان کے بدلے روزے رکھے ﴿اور جنھیں اس کی طاقت نہ ہو﴾ بڑھاپے یا ایسی بیماری کی وجہ سے جس سے شفایابی کی امید نہ ہو ﴿ان کے ذمہ فدیہ ہے﴾ وہ ﴿ایک مسکین کا کھانا ہے﴾ یعنی جس مقدار میں وہ ایک دن میں کھا سکے اور وہ ایک مد ہے روزمرہ اہل شہر کی عام خوراک سے اور ایک قرأۃ میں فدیہ کی اضافت کے ساتھ ہے اور وہ اضافت بیانیہ ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ "لا" مقدر نہیں ہے اور لوگوں کو ابتداء اسلام میں روزہ اور فدیہ کے درمیان اختیار دیا گیا تھا پھر "فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ" کے ذریعہ روزے کی تعیین کرکے اختیار منسوخ کردیا گیا حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں کہ جب وہ بچے پر خوف کرتے ہوئے افطار کرلیں تو فدیہ کا حکم ان کے حق میں باقی ہے منسوخ نہیں ﴿پھر جو اپنی طرف سے نیکی زیادہ کرے﴾ فدیہ کی مقدار مذکور میں زیادتی کرکے ﴿تو وہ﴾ یعنی زیادتی ﴿اس کے لئے بہتر ہے اور تمہارا روزہ رکھنا﴾ یہ مبتداء ہے اور خبر خیر لکم ہے ﴿بہتر ہے تمہارے لئے﴾ افطار اور فدیہ سے ﴿اگر تم جانو﴾ کہ وہ تمہارے لئے بہتر ہے تو تم ایسا کرلو۔

توضیح و تشریح: قوله من الامم۔ یہ الّذین من قبلکم کے عموم کی طرف اشارہ ہے یعنی الّذین سے ساری اگلی امتیں مراد ہیں محض نصاریٰ یا یہودی مراد نہیں، اور تشبیہ نفس صوم میں ہے۔ مقدار اور کیفیت میں نہیں کیونکہ اگلی تمام امتوں پر رمضان کے روزے فرض نہ تھے چنانچہ مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام پر ایام بیض یعنی ہر قمری مہینہ کی تیرہویں، چودھویں پندرہویں کے روزے اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم پر عاشورہ کا روزہ فرض تھا۔ (تفسیرات احمدیہ)

قوله نصب بالصیام الخ یہ ایام کے منصوب ہونے کی دو علتوں کی طرف اشارہ ہے پہلی یہ کہ لفظ ایام منصوب ہو الصیام کی وجہ سے، اس صورت میں اگرچہ عامل اور معمول کے درمیان فصل اجنبی ہے مگر چونکہ معمول ظرف ہے اور ظرف میں جو وسعت ہوتی ہے وہ غیر میں نہیں ہوتی۔ لہٰذا فصل بالاجنبی کے باوجود درست ہے، دوسری یہ کہ ایاما سے پہلے لفظ صوموا مقدر مان لیا جائے اور ایاما کو اسی صوموا مقدر کا معمول مانا جائے، اس صورت میں اعتراض نہیں پڑے گا۔

قوله: ای قلائل۔ یہ معدودات کا معنی مراد ہے چونکہ اہل عرب چالیس سے کم کو معدود سے اور اس سے زیادہ کو موزون سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس لئے مفسر علام نے معدودات کی تفسیر قلائل سے کی ہے۔

قوله: و قلّله تسهيلاً الخ یہ رمضان کے روزوں کے فی نفسہ کثیر ہونے کے باوجود معدودات سے تعبیر کرنے کی

علت کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر چہ رمضان کے روزے کثیر ہیں مگر مکلفین کا حوصلہ بڑھانے کے لئے انھیں قلیل فرمایا، تاکہ بندے بآسانی ادائے صوم پر آمادہ ہوجائیں۔

قوله: سفر القصر۔ اس سے اشارہ فرمایا کہ آیت میں سفر سے مراد سفر شرعی ہے جو موجودہ دور کی انگریزی پیمائش کے لحاظ سے ۹۲ رکلومیٹر کی مسافت ہے یعنی جو وطن اصلی سے اس مسافت پر ہو یا اس قدر مسافت طے کرنے کے ارادہ سے گھر سے نکلا ہو وہ مسافر شرعی ہے، مطلق سفر مراد نہیں ہے۔

قوله: اجهده الصوم الخ یعنی حالت مرض اور حالت سفر میں اگر روزہ رکھنے میں مشقت ہو تو افطار کرنے کی اجازت ہے ورنہ نہیں کیونکہ مذکورہ دونوں حالتوں میں رخصت افطار کی علت مشقت ہے، لہٰذا مشقت نہ ہونے کی صورت میں افطار کی رخصت بھی نہ ہوگی، مگر یہ شوافع کا مسلک ہے، احناف کے نزدیک مرض میں رخصت افطار کا مدار جہد و مشقت پر تو ہے لیکن سفر میں افطار کے لئے مشقت کی شرط نہیں کہ سفر ہی قائم مقام مشقت ہے، لہٰذا سفر اگر آرام دہ بھی ہو جیسے ہوائی جہاز اور ٹرین کا سفر جب بھی افطار کرنے کی اجازت ہے۔

قوله: يصومها بدله یہ مضاف مقدر کی طرف اشارہ ہے دراصل صوم ایام آخر ہے، چونکہ روزہ اور اس کے وجوب ہی کا ذکر چل رہا ہے، لہٰذا اس قرینہ کی وجہ سے مضاف کو حذف کردیا۔

قوله :هي طعام۔ طعام سے پہلے هي مقدر مان کر مفسر علام نے اشارہ فرمایا کہ طعام خبر ہے جس کا مبتداء "هي" محذوف ہے، آگے قدر ما يأكله سے مفسر علیہ الرحمہ نے اس وہم کو دور کیا ہے کہ مسکین کا کھانا وہ ہے جو مسکین کھالے اور جو وہ کھالے وہ معدوم ہے پھر طعام مسکین کا وجوب گویا شی معدوم کا وجوب ہے اور یہ درست نہیں، حاصل ازالہ واضح ہے کہ یہاں کھانے کی وہ مقدار مراد ہے جسے ایک مسکین ایک دن میں کھاسکے۔

قوله: لاغير مقدرة۔ یہ يطيقونه سے متعلق ایک قول ہے جس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ یہاں الذين يطيقونه میں تین احتمالات ہیں، اوّل یہ کہ اس سے مراد تندرست اور مقیم مسلمان ہیں کہ ابتداء اسلام میں انھیں بھی فدیہ دینے اور روزہ رکھنے میں اختیار تھا پھر "لا" مقدر ماننے کی ضرورت نہیں، اسی توجیہ کو مفسر علام نے لفظ قیل سے بیان فرمایا ہے۔ ثانی یہ کہ اس سے مراد شیخ فانی ہے یعنی ایسا بوڑھا شخص جو روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو اور نہ ہی آئندہ طاقت آنے کی امید ہو ایسے شخص کے حق میں فدیہ کا حکم باقی ہے۔ اس صورت میں يطيقونه منسوخ نہیں اور اس سے پہلے "لا" مقدر ماننا ضروری ہے۔ ثالث یہ کہ اس سے مراد وہ بیمار ہیں جنہیں تندرست ہونے کی امید نہ ہو، انھیں بھی فدیہ دینے کا حکم ہے، اس صورت میں توجیہ یہ ہوگی کہ يطيقون کا مصدر اطاقة باب افعال سے ہے اور اس کا ہمزہ سلب ماخذ کے لئے ہے، لہٰذا اس صورت میں بھی یہ آیت منسوخ نہیں۔ (تفسیر حقانی ملخصاً)

قوله: الا الحامل والمرضع الخ یہی امام شافعی قدس سرہ کا مسلک ہے کہ حاملہ اور مرضعہ کو اگر بچے کے ضرر کا اندیشہ ہو تو وہ روزہ رکھنے کی بجائے فدیہ دیں گویا یہ بھی شیخ فانی کے حکم میں ہیں، مگر احناف کے نزدیک حاملہ اور مرضعہ جنھیں

بچے کے ضرر کا اندیشہ ہو وہ افطار تو کر سکتی ہیں لیکن فدیہ نہیں دے سکتیں کیونکہ وہ بعد میں قضا کے روزے رکھ سکتی ہیں، یعنی وہ شیخ فانی کے حکم میں نہیں بلکہ مسافر کے حکم میں ہیں۔

فوائد: روزہ عرف شرع میں مسلمان کا بہ نیت عبادت صبح صادق سے غروب آفتاب تک اپنے کو قصداً کھانے پینے اور جماع سے باز رکھنا ہے عورت کے لئے حیض ونفاس سے پاک ہونا بھی شرط ہے۔(بہار شریعت پنجم،ص ۸۱)

(۲) دوسری ہجری کے ۱۰ ر شعبان کو رمضان کا روزہ فرض ہوا۔(نزہۃ القاری جلد ۵،ص ۸)

(۳) جس مسافر نے طلوع فجر سے پہلے سفر شروع کیا اس کو تو روزے کا افطار جائز ہے لیکن جس نے بعد طلوع سفر کا آغاز کیا اس کو اس دن کا افطار جائز نہیں۔(خزائن العرفان)

(۴) ایک روزہ کا فدیہ نصف صاع (۲ کلو ۴۷ گرام) گیہوں یا گیہوں کا آٹا یا اس سے دونا جو یا اس کی قیمت ہے۔(ایضاً)

(۵) اگر شیخ فانی نادار ہو اور فدیہ دینے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے اور اپنے عفو تقصیر کی دعا کرتا رہے۔(ایضاً)

تِلْكَ الْاَيَّامُ ﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ مِنَ اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ اِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴿هُدًى﴾ حَالٌ هَادِيًا مِنَ الضَّلَالَةِ ﴿لِلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ﴾ اٰيَاتٍ وَاضِحَاتٍ ﴿مِنَ الْهُدٰى﴾ مِمَّا يَهْدِيْ اِلَى الْحَقِّ مِنَ الْاَحْكَامِ ﴿وَ﴾ مِنْ ﴿الْفُرْقَانِ﴾ مِمَّا يُفَرِّقُ بَيْنَ الْحَقِّ وَ الْبَاطِلِ ﴿فَمَنْ شَهِدَ﴾ حَضَرَ ﴿مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَ مَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾ تَقَدَّمَ مِثْلُهٗ وَ كَرَّرَهٗ لِئَلَّا يُتَوَهَّمَ نَسْخُهٗ بِتَعْمِيْمِ مَنْ شَهِدَ ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ وَ لِذَا اَبَاحَ لَكُمُ الْفِطْرَ فِي الْمَرَضِ وَ السَّفَرِ وَ لِكَوْنِ ذٰلِكَ فِيْ مَعْنَى الْعِلَّةِ اَيْضًا لِلْاَمْرِ بِالصَّوْمِ عَطَفَ عَلَيْهِ ﴿وَ لِتُكْمِلُوْا﴾ بِالتَّخْفِيْفِ وَ التَّشْدِيْدِ ﴿الْعِدَّةَ﴾ اَيْ عِدَّةَ صَوْمِ رَمَضَانَ ﴿وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ﴾ عِنْدَ اِكْمَالِهَا ﴿عَلٰى مَا هَدٰكُمْ﴾ اَرْشَدَكُمْ لِمَعَالِمِ دِيْنِهٖ ﴿وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝﴾ اللّٰهَ عَلٰى ذٰلِكَ وَ سَأَلَ جَمَاعَةُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقَرِيْبٌ رَبُّنَا فَنُنَاجِيْهِ اَمْ بَعِيْدٌ فَنُنَادِيْهِ فَنَزَلَ ﴿وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ﴾ مِنْهُمْ بِعِلْمِيْ فَاَخْبِرْهُمْ بِذٰلِكَ ﴿اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾ بِاِنَالَتِهٖ مَاسَأَلَ ﴿فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ﴾ دُعَائِيْ بِالطَّاعَةِ ﴿وَلْيُؤْمِنُوْا﴾ يُدِيْمُوْا عَلَى الْاِيْمَانِ ﴿بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۝﴾ يَهْتَدُوْنَ.

ترجمہ: یہ ایام ﴿رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اترا﴾ لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر لیلۃ القدر میں ﴿اس حال میں کہ یہ راہ حق دکھاتا ہے﴾ ھدی حال ہے بمعنی گمراہی سے ہدایت عطا کرنے والا ﴿لوگوں کو اور روشن دلیلیں ہیں﴾ واضح آیات ﴿ہدایت کی﴾ جو رہنمائی کرتی ہیں حق یعنی احکام کی جانب ﴿اور فیصلہ کی﴾ جو حق وباطل کے درمیان تمیز کرتی ہیں ﴿تو تم میں جو کوئی یہ مہینہ پائے ضرور اس میں روزے رکھے اور جو بیمار یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں﴾ اسی جیسا کلام پہلے بھی گزر چکا ہے اور اس کے تکرار کی وجہ یہ ہے کہ فمن شھد کے عموم سے اس کے منسوخ ہونے کا وہم نہ ہو۔ ﴿اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا﴾ اسی لئے تمہارے لئے مرض وسفر میں افطار کو جائز فرمادیا اور چونکہ یہ (یرید اللہ

الخ) بھی حکم صوم کی علت کے معنی میں ہے۔ لہٰذا اسی پر اگلے جملے کا عطف کر دیا ﴿اور چاہئے کہ تم پوری کرلیا کرو﴾ و لتکملوا تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے ﴿گنتی﴾ یعنی رمضان کے روزے کی گنتی ﴿اور اللہ کی بڑائی بولو﴾ اس کے پورا ہونے کی وقت ﴿اس پر کہ اس نے تمہیں ہدایت دی﴾ اپنے دین کے احکام کی جانب تمہاری رہنمائی فرمائی ﴿اور کہیں تم حق گزار ہو﴾ اللہ کی اس عطا پر، ایک جماعت نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا ہمارا رب ہم سے قریب ہے کہ ہم اس سے مناجات کریں یا دور ہے کہ ہم اسے پکاریں؟ تو یہ آیت نازل ہوئی ﴿اور اے محبوب جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں﴾ ان سے اپنے علم کے اعتبار سے تو انھیں اس کی خبر دے دو ﴿دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکارے﴾ اس کی مانگی ہوئی چیز عطا کر کے ﴿تو انھیں چاہئے کہ میرا حکم مانیں﴾ اطاعت کر کے ﴿اور مجھ پر ایمان لائیں﴾ ایمان پر قائم رہیں ﴿تاکہ وہ کہیں راہ پائیں﴾ ہدایت حاصل کریں۔

توضیح و تشریح: قوله تلك الايام۔ یہ شهر رمضان کے مبتداء محذوف کی طرف اشارہ ہے اور ایام سے اشارہ اس وقت کی جانب ہے جو كتب عليكم الصيام سے مفہوم ہوتا ہے، اس میں رد ہے ان حضرات کا جنھوں نے شهر رمضان کو صیام کا بدل قرار دیا ہے، وجہ رد ظاہر ہے کہ اس صورت میں حذف مضاف ماننے کی ضرورت پڑے گی یعنی تقدیری عبارت یوں ہوگی "كتب عليكم الصيام صيام شهر رمضان اور حذف خلاف اصل ہے۔

قوله: من اللوح المحفوظ الخ یہ اس شبہ کا ازالہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اکثر آیتیں غیر رمضان میں نازل ہوئی ہیں پھر یہ فرمانا کیونکر درست ہوگا کہ قرآن رمضان میں نازل ہوا؟ حاصل ازالہ یہ ہے کہ یہاں رمضان میں حضور پر قرآن کا نازل ہونا مراد نہیں بلکہ لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر قرآن کا نازل ہونا مراد ہے اور یہ بلا شبہ رمضان میں ہوا۔

قوله: حال الخ یعنی هدًى مصدر بمعنی هاديا اسم فاعل ہے اور قرآن سے حال واقع ہے، قرآن کی صفت نہیں کہ قرآن معرفہ ہے اور ہدیٰ نکرہ ہے اور موصوف وصفت میں مطابقت ضروری ہے۔

قوله: مما يهدى الخ یہ وجہ تکرار ہے یعنی آیت میں لفظ هدًى مکرر آ گیا جس سے تکرار بے فائدہ کا وہم پیدا ہوا، مفسر علام نے وجہ تکرار بیان کر کے اسی کا ازالہ فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اول ہدیٰ سے گمراہی سے ہدایت کی طرف رہنمائی مراد ہے اور ثانی ہدیٰ سے احکام دینیہ عملیہ کی طرف رہنمائی مراد ہے لہٰذا حقیقتاً تکرار بے فائدہ نہیں۔

قوله: و كرره، لئلا الخ یہ بھی تکرار آیت پر پیدا ہونے والے سوال کا جواب ہے یعنی و من كان مريضاً الخ سابق میں بھی مذکور ہے اور یہاں بھی، اس تکرار سے کیا فائدہ؟ مفسر علاّم نے اس کا جواب دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے "من شهد" عموم پر دلالت کرتا ہے جس سے یہ وہم پیدا ہوسکتا تھا کہ مریض اور مسافر یا مرضعہ اور حاملہ کے لئے افطار کی جو اجازت تھی شاید وہ بھی ساقط ہوگئی، اسی وہم کو دفع کرنے کے لئے یہ آیت یعنی و من كان مريضاً الاية مکرر نازل ہوئی جس سے واضح ہوگیا کہ مریض ومسافر اور ان کے امثال کی رخصت اب بھی باقی ہے۔ لہٰذا تکرار بے فائد نہیں۔

قوله: و لذا اباح الخ یہ معتزلہ کے استدلال کے رد کی طرف اشارہ ہے، معتزلہ اس آیت سے یہ استدلال کرتے

ہیں کہ بندہ کے لئے ارادۂ خداوندی کے خلاف کرنا جائز ہے کیونکہ مریض اور مسافر اگر روزہ رکھ کر مشقت برداشت کریں تو ان کا روزہ رکھنا جائز ہے اور یہ اللہ کے ارادۂ یسر کے خلاف ہے کیونکہ اس نے بندوں کے لئے آسانی کا ارادہ فرمایا ہے مشقت میں ڈالنے کا ارادہ نہیں فرمایا، رد کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادۂ یسر کا مطلب بندوں کے لئے آسانی پیدا فرمانا ہے۔ اور وہ اباحت افطار سے حاصل ہے، لہٰذا یہاں بندے کا ارادۂ خداوندی کے خلاف کرنے کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ (ترویح الارواح)

قولہ: و لکون ذلك . یہ اس سوال کا جواب ہے کہ ولتکملوا العدۃ جملہ انشائیہ ہے جس کا عطف جملہ خبریہ یعنی یرید اللہ الخ پر ہے حالانکہ جملہ انشائیہ کا عطف جملہ خبریہ پر صحیح نہیں، جواب یہ ہے کہ یرید اللہ الخ امر بالصوم کی علت ہے اور ولتکملوا العدۃ بھی علت ہے، لہٰذا علت کا عطف علت پر ہوا اور یہ بلاشبہ صحیح ہے۔

قولہ: بعلمی۔ یہ اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ آیت میں قرب سے قرب علمی مراد ہے قرب مکانی یا جسمانی مراد نہیں کہ یہ باری تعالیٰ کے حق میں محال ہے۔

قولہ: بانالته ما سأل: یہ اجیب کا معنی مراد ہے یعنی اجیب کا معنی محض جواب دینا نہیں کہ اللہ عزوجل بندوں کی دعا پر فقط لبیک یاعبادی فرماتا ہے بلکہ اس کا معنی مطلقاً دعا کا قبول فرمانا ہے یعنی بندے اللہ تعالیٰ سے جو طلب کرتے ہیں اللہ تعالیٰ عطا فرما کر بندوں کی حاجت پوری فرماتا ہے۔ اس توضیح سے یہ اشکال بھی ختم ہو گیا کہ بندوں کی بہت ساری دعائیں قبول نہیں ہوتی ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اجیب دعوۃ الداع اذا دعان وجہ دفع ظاہر ہے کہ آیت کا معنی مطلقاً دعا قبول کرنا ہے نہ کہ ہر دعا کا قبول کرنا۔

فوائد: (۱) من شهد منكم الشهر فليصمه میں من شهد کے عموم سے ثابت ہوا کہ رمضان کا ثبوت خواہ رویت ہلال سے ہو یا دلیل شرعی سے دونوں صورتوں میں دوسرے دن روزہ رکھنا فرض ہے، اسی سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مطالع کا اختلاف معتبر نہیں یعنی ایک مطلع پر مثلاً بمبئی چاند نظر آئے اور دوسرے مطلع پر مثلاً دہلی چاند نظر نہ آئے تو اس اختلاف مطالع کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور اس دوسرے مطلع پر (دہلی میں مثلاً) بھی رویت ہلال کے احکام جاری ہوں گے۔ بشرطیکہ شرعی دلیل سے یہاں رویت ثابت ہو جائے۔

(۲) و لتکملوا العدۃ میں گنتی پوری کرنے کا حکم وجوبی ہے اور اس سے مراد ماہ رمضان کے مکمل دنوں میں روزہ رکھنا ہے۔ چنانچہ اگر ۲۹ کی رویت ثابت نہ ہو تو ۳۰ کی گنتی مکمل کرنا لازم ہے اور اگر ۲۹ کی رویت ثابت ہو جائے تو ۲۹ دن ہی و لتکملوا العدۃ کا مصداق ہے۔

(۳) شہر کی اضافت صرف تین مہینوں کی طرف صحیح ہے۔ ربیع الاول، ربیع الآخر، رمضان، جیسا کہ علامہ ابن حاجب نے تصریح کی ہے، اس کے علاوہ دوسرے مہینوں کی جانب شہر کی اضافت جائز نہیں۔ (نزہۃ القاری جلد ۵، ص ۱۵، دائرۃ البرکات، گھوسی)

﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ﴾ بِمَعْنَى الْإِفْضَاءِ ﴿إِلَى نِسَائِكُمْ﴾ بِالْجِمَاعِ نَزَلَ نَسْخًا لِمَا كَانَ

فِیْ صَدْرِ الْاِسْلَامِ مِنْ تَحْرِیْمِهٖ وَ تَحْرِیْمِ الْاَکْلِ وَ الشُّرْبِ بَعْدَ الْعِشَاءِ ﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ کِنَایَةٌ عَنْ تَعَانُقِهِمَا اَوْ اِحْتِیَاجِ کُلٍّ مِنْهُمَا اِلٰی صَاحِبِهٖ ﴿عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ﴾ تَخُوْنُوْنَ ﴿اَنْفُسَکُمْ﴾ بِالْجِمَاعِ لَیْلَةَ الصِّیَامِ وَقَعَ ذٰلِکَ لِعُمَرَ وَغَیْرِهٖ وَ اعْتَذَرُوْا اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ﴿فَتَابَ عَلَیْکُمْ﴾ قَبِلَ تَوْبَتَکُمْ ﴿وَ عَفَا عَنْکُمْ فَالْئٰنَ﴾ اِذَا اُحِلَّ لَکُمْ ﴿بَاشِرُوْهُنَّ﴾ جَامِعُوْهُنَّ ﴿وَ ابْتَغُوْا﴾ اُطْلُبُوْا ﴿مَا کَتَبَ اللّٰهُ لَکُمْ﴾ اَیْ اَبَاحَهٗ مِنَ الْجِمَاعِ اَوْ قَدَّرَهٗ مِنَ الْوَلَدِ ﴿وَکُلُوْا وَ اشْرَبُوْا﴾ اَللَّیْلَ کُلَّهٗ ﴿حَتّٰی یَتَبَیَّنَ﴾ یَظْهَرَ ﴿لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾ اَیِ الصَّادِقِ بَیَانُ الْخَیْطِ الْاَبْیَضِ وَ بَیَانُ الْاَسْوَدِ مَحْذُوْفٌ اَیْ مِنَ اللَّیْلِ شَبَّهَ مَا یَبْدُوْ مِنَ الْبَیَاضِ وَ مَا یَمْتَدُّ مَعَهٗ مِنَ الْغَبَشِ بِخَیْطَیْنِ اَبْیَضَ وَ اَسْوَدَ فِی الْاِمْتِدَادِ ﴿ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ﴾ مِنَ الْفَجْرِ ﴿اِلَی اللَّیْلِ﴾ اَیْ اِلٰی دُخُوْلِهٖ بِغُرُوْبِ الشَّمْسِ ﴿وَ لَا تُبَاشِرُوْهُنَّ﴾ اَیْ نِسَائَکُمْ ﴿وَ اَنْتُمْ عٰکِفُوْنَ﴾ مُقِیْمُوْنَ بِنِیَّةِ الْاِعْتِکَافِ ﴿فِی الْمَسٰجِدِ﴾ مُتَعَلِّقٌ بِعَاکِفُوْنَ نَهْیٌ لِمَنْ کَانَ یَخْرُجُ وَهُوَ مُعْتَکِفٌ فَیُجَامِعُ اِمْرَأَتَهٗ وَ یَعُوْدُ ﴿تِلْکَ﴾ اَلْاَحْکَامُ الْمَذْکُوْرَةُ ﴿حُدُوْدُ اللّٰهِ﴾ حَدَّهَا لِعِبَادِهٖ لِیَقِفُوْا عِنْدَهَا ﴿فَلَا تَقْرَبُوْهَا﴾ اَبْلَغُ مِنْ لَا تَعْتَدُوْهَا الْمُعَبَّرُ بِهٖ فِیْ اٰیَةٍ اُخْرٰی ﴿کَذٰلِکَ﴾ کَمَا بَیَّنَ لَکُمْ مَا ذُکِرَ ﴿یُبَیِّنُ اللّٰهُ اٰیٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ٥﴾ مَحَارِمَهٗ.

ترجمہ: ﴿حلال کردیا گیا ہے تمہارے لئے رمضان کی راتوں میں جانا﴾ رفث بمعنی افضاء ہے ﴿اپنی بیویوں کے پاس﴾ جماع کے لئے یہ حکم ابتدائے اسلام میں عشاء کے بعد جماع اور کھانے پینے کی حرمت کو منسوخ کرنے کے لئے نازل ہوا ﴿وہ تمہاری لباس ہیں اور تم ان کے لباس﴾ یہ کنایہ ہے دونوں کے معانقہ یا دونوں کے ایک دوسرے کی طرف حاجتمند ہونے سے ﴿اللہ نے جانا کہ تم اپنی جانوں کو خیانت میں ڈالتے تھے﴾ روزہ کی راتوں میں جماع کرکے یہ حادثہ حضرت عمر وغیرہ کو پیش آیا تھا اور انھوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے معذرت چاہی تھی ﴿تو اس نے تم پر نظر کرم فرمائی﴾ تمہاری توبہ قبول کی ﴿اور تمہیں معاف فرمایا تو اب﴾ جب کہ تمہارے لئے حلال کردیا گیا ﴿ان سے ملو ملاؤ﴾ ان سے جماع کرو ﴿اور تلاش کرو﴾ طلب کرو ﴿جو اللہ نے تمہارے نصیب میں لکھا ہو﴾ یعنی جماع جائز فرمایا یا اولاد مقدر فرمایا ﴿اور کھاؤ اور پیؤ﴾ پوری رات ﴿یہاں تک کہ واضح ہوجائے﴾ ظاہر ہوجائے ﴿تمہارے لئے سفیدی کا ڈورا سیاہی کے ڈورے سے صبح کے وقت﴾ صبح صادق کے وقت یہ خیط ابیض کا بیان ہے اور خیط اسود کا بیان محذوف ہے یعنی "مـن الـلـيـل" ظاہر ہونے والی سفیدی اور اس کے ساتھ پھیلنے والی سیاہی کو سفید اور سیاہ دھاگے سے درازی میں تشبیہ دی ہے ﴿پھر پورا کرو روزہ کو﴾ صبح صادق سے ﴿رات آنے تک﴾ یعنی غروب شمس کے ذریعہ رات آنے تک ﴿اور ان سے مباشرت نہ کرو﴾ اپنی عورتوں سے ﴿جب کہ تم اعتکاف سے ہو﴾ اعتکاف کی نیت سے بیٹھ گئے ہو ﴿مسجدوں میں﴾ یہ عَاکِفُوْنَ کے متعلق ہے، یہ ممانعت ہے اس شخص کے لئے جو حالت اعتکاف میں نکل کر اپنی بیوی سے جماع کرے اور پھر لوٹ آئے ﴿یہ﴾ مذکورہ احکام ﴿اللہ کی حدیں ہیں﴾ اس کی حد بندی فرمادی اپنے بندوں کے لئے تاکہ اس کے پاس ٹھہریں ﴿تو ان کے قریب بھی نہ جانا﴾ اس میں

زیادہ مبالغہ ہے بنسبت لاتعتدوھا کے جس سے دوسری آیت میں تعبیر کیا ہے۔ ﴿اسی طرح﴾ جیسا کہ مذکورہ امور تمہارے لئے بیان فرمایا ﴿اللہ بیان فرماتا ہے لوگوں سے اپنی آیتیں کہ کہیں وہ ڈریں﴾ اس کی حرام کردہ چیزوں سے۔

توضیح و تشریح: قوله بمعنى الافضاء۔ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ پیدا ہوا کہ رفث متعدی ہوتا ہے باء کے ذریعہ، بولا جاتا ہے رفث بکذا مثلاً لہٰذا یہاں بنسائکم ہونا چاہئے نہ کہ الی نسائکم، جواب یہ ہے کہ رفث بمعنی افضاء ہے اور یہ الیٰ کے ذریعہ متعدی ہوتا ہے اس لئے یہاں رفث کا صلہ الی لانا درست ہے۔

قوله: بالجماع۔ یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ رفث جس کا لغوی معنی ہے عورتوں کے سامنے جماع کی بات کرنا اور عرف میں فحش گوئی کو کہتے ہیں مفسر علام نے اس کی تفسیر افضاء سے کی ہے یعنی اس سے مراد عورتوں کے پاس جانا ہے، تو سوال یہ ہے کہ عورتوں کے پاس روزہ کے دنوں میں بھی مطلقاً آنا جانا مباح ہے اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں پھر یہاں رات کی قید کیوں لگائی گئی اور یہ کیوں ارشاد ہوا کہ رات میں عورتوں کے پاس جانا مباح کر دیا گیا؟ جواب یہ ہے کہ رفث جس کی تفسیر افضاء سے کی گئی ہے اس سے کنایۃً جماع مراد ہے اور جماع چونکہ روزہ کے دنوں میں حرام ہے صرف رات میں مباح فرمایا، لہٰذا لیلة الصیام کی قید بڑھائی گئی۔

قوله: كناية عن تعانقهما الخ یہ وجہ تشبیہ ہے یعنی زوجین پر لباس کا اطلاق بطور تشبیہ ہے، جس طرح لباس انسان کے بدن سے ملا رہتا ہے اور انسان ستر چھپانے میں لباس کا محتاج ہوتا ہے اسی طرح میاں بیوی ایک دوسرے سے ملتے اور چپکتے ہیں نیز ایک دوسرے کے دونوں ہی حاجت مند ہوتے اور ایک دوسرے کے عیوب کے لئے ساتر ہوتے ہیں، اس لئے زوجین گویا ایک دوسرے کے لئے لباس ہیں۔

قوله: تخونون۔ یہ دفع دخل مقدر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ تختانون باب افتعال سے لازم ہے مگر یہاں انفس کی جانب متعدی ہے، وجہ دفع یہ ہے کہ یہاں افتعال بمعنی مجرد ہے اس لئے متعدی ہے اور نظم قرآن میں باب افتعال سے لانا بطور مبالغہ ہے کیونکہ اختیان بنسبت خیانت کے ابلغ ہے جیسے اکتساب کسب کے مقابل (ترویح الارواح)

قوله: اذا احل لكم۔ اس تفسیر سے اشارہ فرمایا کہ آیت میں لفظ الآن اپنے حقیقی معنی یعنی حال اور حاضر کے معنی میں نہیں بلکہ مجازاً مستقبل قریب کے معنی میں ہے۔ البتہ حال کا معنی بلحاظ حلت کے ضرور پایا جا رہا ہے۔ یعنی ابھی تک حرام تھا اب حلال کر دیا گیا، اس صورت میں الآن اپنے حقیقی معنی میں ہے۔

قوله: جامعوهن۔ یہ مباشرة کے معنی مجازی کی طرف اشارہ ہے یعنی مباشرت کا لغوی معنی ہے "کھال سے کھال کو ملانا"، مگر یہاں مجازاً اس سے جماع مراد ہے، حقیقی معنی مراد نہیں کیونکہ مطلق ملنا ملانا تو روزہ کے دنوں میں بھی جائز ہے۔

قوله: ای اباحه من الجماع الخ اس تفسیر سے حضرت مفسر نے محل جماع کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور بڑے ہی لطیف پیرائے میں لواطت کی حرمت ثابت کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آیت میں وارد لفظ "ما" کے معنی مراد میں مفسر علام نے دو چیزیں ذکر کی ہیں (۱) جماع کی جگہ (۲) اولاد، ظاہر ہے اپنی بیوی یا لونڈی کے فرج میں دخول کا نام جماع ہے اس

صورت میں آیت کا معنی ہوا جماع اس مقام میں کرو جو تمہارے لئے حلال کیا گیا، اسی سے مفہوم ہوگا کہ ''جماع اس مقام میں نہ کرو جو تمہارے لئے حلال نہیں اسی طرح اگر "ما" سے مراد اولاد ہو تو معنی ہوگا'' جماع سے وہ اولاد تلاش کرو جو رب نے تمہارے نصیب میں لکھی'' ظاہر ہے حصول اولاد موضع حرث ہی سے ممکن ہے نہ کہ موضع فرث سے، لہٰذا دونوں معنی کی تقدیر پر لواطت کی ممانعت وحرمت ثابت ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قوله: شبه ما يبدو من البياض الخ اس عبارت سے ایک شبہ کا ازالہ مقصود ہے شبہ یہ پیدا ہوا کہ آیت میں صبح صادق کو خیط ابیض سے تشبیہ دی گئی ہے جب کہ یہ تشبیہ صبح کاذب کے لئے زیادہ مناسب تھی کیونکہ صبح کاذب شرقاً وغرباً دھاگے کی طرح ممتد ہوتی ہے بخلاف صبح صادق کے کہ وہ جنوباً وشمالاً پھیلی ہوتی ہے، حاصل ازالہ یہ ہے کہ یہاں تشبیہ صبح صادق کے ابتدائی حصے سے ہے درمیانی یا آخری حصہ سے نہیں چونکہ صبح صادق ابتداءً امشرق میں ڈورے کی طرح نمودار ہوتی ہے جس کے ساتھ رات کی سیاہی بھی باریک ڈورے کی طرح بن جاتی ہے اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ کالے اور سفید دو دھاگے ملے ہوئے ہیں اسی حالت کو خیط ابیض اور خیط اسود سے تعبیر فرمایا ہے۔ اب واضح ہوگیا کہ صبح صادق کو خیط ابیض سے تشبیہ دینا نامناسب نہیں۔ نیز مذکور توضیح سے یہ شبہ بھی نہ رہا کہ رات کی تاریکی بشکل کرہ ہوتی ہے پھر اسے خیط اسود سے تشبیہ کیوں دی گئی، جواب ظاہر ہے کہ خیط اسود سے مطلقاً رات کی تاریکی مراد نہیں۔ (ترویح الارواح ملخصاً)

قوله: اى الىٰ دخوله۔ یہ حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے یعنی لیل کا مضاف پوشیدہ ہے اور اس پر "الْ" مضاف کے عوض میں ہے اس سے اشارہ اس امر کی طرف بھی ہوگیا کہ یہاں غایت مغیا میں داخل نہیں ہے۔

قوله: مقيمون بنية الاعتكاف۔ چونکہ عاكفون بنا ہے۔ العكوف یا العكف سے جو مشترک ہے چند معانی میں چنانچہ لغت میں اس کے یہ معانی مذکور ہیں۔ منع کرنا، ٹھہرنا، کسی چیز کے گرداگرد چکر لگانا، بندر ہنا، ہمیشہ لازم رہنا، اس لئے مفسر علام نے مقيمون الخ سے معنی مراد کو واضح فرمادیا

قوله: متعلق بعاكفون۔ یعنی جار مجرور لا تباشروهن سے متعلق نہیں جس سے یہ شبہ پیدا ہو کہ شاید جماع سے ممانعت مسجد سے متعلق ہے اور معتکف خارج مسجد جماع کرسکتا ہے، بلکہ عاكفون سے متعلق ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حالت اعتکاف میں جماع سے ممانعت ہے۔ آگے نهى لمن كان الخ سے اس شبہ کا ازالہ فرمایا کہ اعتکاف مسجد میں ہوتا ہے اور مسجد میں جماع متصور نہیں پھر معتکف کو جماع سے روکنے کا کیا مطلب؟

قوله: ابلغ من لا تعتدوها الخ اس سے دو اشکال کا ازالہ مقصود ہے، پہلا اشکال یہ ہے کہ تلك کا مشار الیہ ماسبق میں مذکور احکام ہیں اور ظاہر ہے ان میں بعض احکام واجب ہیں، بعض مباح اور بعض حرام، پھر مطلقاً ان کے قریب جانے سے ممانعت کیونکر درست ہوگی؟ دوسرا اشکال یہ ہے کہ دوسری آیت میں آیا ہے۔ "تلك حدود الله فلا تعتدوها" یہ اللہ کی حدیں ہیں تو ان سے آگے نہ بڑھنا، لہٰذا دونوں آیتوں کے مفہوم میں تضاد ہے کہ ایک میں آگے بڑھنے کی ممانعت ہے یعنی حد تک جانے کی اجازت ہے اور دوسری میں قریب جانے سے بھی روک دیا گیا یعنی حد تک جانے کی بھی اجازت نہیں، ؟ پہلے

اشکال کا حل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے احکام کو ان حدود کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو حق و باطل کے درمیان آڑ ہیں جو ان احکام پر عمل کرے گا وہ گویا حق پر عمل پیرا ہے اور جو ان پر عمل پیرا نہیں وہ حد سے تجاوز کر کے باطل میں پڑنے والا ہے، یہاں احکام سے قریب ہونے کی ممانعت کنایہ ہے نهى عن قرب الباطل سے۔ دوسرے اشکال کا جواب یہ ہے کہ "لاتقربوها" اور "لاتعتدوها" دونوں کا حاصل ایک ہے یعنی باطل کے قریب جانے کی ممانعت مگر لاتعتدوها میں صراحت ہے اور لاتقربوها میں یہ ممانعت بطور کنایہ ہے اور قاعدہ ہے الكناية ابلغ من الصريح، اور جب دونوں کا حاصل ایک ٹھہرا تو دونوں کے مفہوم میں کوئی تضاد نہیں رہا۔

فوائد (۱) شریعت کی اصطلاح میں اعتکاف، مسجد میں بہ نیت تقرب الٰہی بیٹھنے کا نام ہے اس کی تین قسمیں ہیں (۱) واجب جیسے منت کا اعتکاف (۲) سنت مؤکدہ علی الکفایہ جیسے رمضان کے آخری عشرہ کا روزہ۔ (۳) مستحب جیسے کسی بھی وقت مسجد میں داخل ہوتے وقت اعتکاف کی نیت کر کے داخل مسجد ہونا۔ (بہار شریعت حصہ پنجم، ص۱۲۲، فاروقیہ، دہلی)

(۲) احناف کے نزدیک اعتکاف شرعی میں دو قیدیں ہیں ایک یہ کہ مسجد میں روزہ کے ساتھ بیٹھے، دوسری یہ کہ کم از کم پورا ایک دن بیٹھے، لہٰذا بغیر روزہ کے بنیت اعتکاف مسجد میں بیٹھا یا ایک دن سے کم بیٹھا تو یہ شرعی اعتکاف نہیں، مگر امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک اعتکاف شرعی کے لئے یہ قیدیں لازمی نہیں البتہ ان کی رعایت بہتر ہے۔ (حقانی)

(۳) معتکف کے لئے دن کی طرح رات میں بھی بیوی سے جماع اور اس کے مقدمات مثلاً بوس و کنار حرام ہے البتہ بغیر شہوت کے چھونے میں حرج نہیں۔ باقی احکام کتب فقہ میں دیکھیں۔

مولانا مودودی کی سوئے فہمی:

مولانا مودودی سحری اور افطار کے معاملہ میں مسلمانوں کی احتیاط کو بے جا تشدد سے تعبیر کرتے ہوئے اپنے مجتہدانہ خیال کا اظہار یوں کرتے ہیں:

آج کل لوگ سحری اور افطار دونوں کے معاملے میں شدت احتیاط کی بنا پر کچھ بے جا تشدد برتنے لگے ہیں مگر شریعت نے ان دونوں اوقات کی کوئی ایسی حد بندی نہیں کی ہے جس سے چند سکنڈ یا چند منٹ اِدھر اُدھر ہو جانے سے آدمی کا روزہ خراب ہو جاتا ہو، سحر میں سیاہی شب سے سپیدۂ سحر کا نمودار ہونا اچھی خاصی گنجائش اپنے اندر رکھتا ہے اور ایک شخص کے لئے یہ بالکل صحیح ہے کہ اگر عین طلوع فجر کے وقت اس کی آنکھ کھلی ہو تو وہ جلدی سے اٹھ کر کچھ کھا پی لے، حدیث میں آتا ہے کہ حضور نے فرمایا "اگر تم میں سے کوئی شخص سحری کھا رہا ہو اور اذان کی آواز آ جائے تو فوراً چھوڑ نہ دے، بلکہ اپنی حاجت بھر کھا پی لے۔ (تفہیم القرآن حصہ اول، ص۱۴۶، مکتبہ اسلامی، دہلی)

مودودی صاحب کا مذکور مجتہدانہ خیال نہ صرف سوئے فہمی بلکہ شریعت مطہرہ پر جرأت ہے کہ شریعت مطہرہ نے سحری اور افطار کے اوقات کی حد بندی کر دی ہے جس کی رعایت نہ کرنے سے روزہ بہر حال خراب ہو جائے گا چنانچہ جس آیت کے

تحت مودودی صاحب نے مذکورہ گل افشانی کی ہے اسی میں ارشاد ہے: "ثم اتموا الصیام الی اللیل" پھر روزہ پورا کرو رات آنے تک اس آیت کے تعلق سے تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہاں غایت مغیا میں داخل نہیں جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ روزہ پورا ہونے کا وقت غروب آفتاب ہے، یعنی غروب آفتاب کے بعد روزہ افطار کرسکتا ہے مگر غروب آفتاب سے چند منٹ یا چند سکنڈ بھی پہلے افطار نہیں کرسکتا کہ ابھی روزہ پورا نہیں ہوا، یہی مضمون صحیح مسلم شریف کی درج ذیل حدیث سے ثابت ہوتا ہے ارشاد ہے۔

قال رسول للّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اذا اقبل اللیل و ادبر النهار و غابت الشمس فقد افطر الصائم.

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب رات آجائے اور دن چلا جائے اور سورج غروب ہوجائے تو روزہ دار کو روزہ افطار کرنا چاہئے۔ (جلد اول ص ۳۵۱، مکتبہ اشرفیہ دیوبند)

اسی طرح سحری کے وقت سے متعلق ارشاد ہے: "حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر" (کھاؤ پیو) یہاں تک کہ فجر کا سفید دھاگا سیاہ دھاگے سے ممتاز ہوجائے۔ یہاں بھی غایت مغیا میں داخل نہیں، جس کا مطلب یہ ہوا کہ صبح صادق سے روزہ شروع ہوجاتا ہے لہٰذا صبح صادق سے پہلے سحری کھانا جائز اور اس کے بعد کھانا ممنوع کہ اب روزہ شروع ہوگیا اور قصداً کچھ بھی کھانے پینے سے روزہ فاسد ہوجائے گا خواہ صبح صادق سے چند منٹ یا چند سکنڈ بعد کھائے، یہی مضمون بخاری شریف کی اس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے جسے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کی ہے فرماتے ہیں:

ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال ان بلالاً ینادی بلیل فکلوا و اشربوا حتی ینادی ابن ام مکتوم.

بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلال رات میں اذان دیتے ہیں تو تم کھاؤ پیو حتی کہ ابن ام مکتوم اذان دیں۔

(بخاری جلد اول، ص ۸۷ مکتبہ تھانوی دیوبند)

اس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ صبح صادق کے بعد سے روزہ شروع ہوجاتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابن ام مکتوم کی اذان کو سحر کی انتہائی حد قرار دیا اور شارحین حدیث کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ صبح صادق کے وقت اذان فجر دیتے تھے۔

اس تفصیل سے مولانا مودودی کی سوئے فہمی اور شریعت پر ان کی جرأت واضح ہوگئی اور ثابت ہوا کہ آں جہانی کا یہ کہنا کہ سحری وافطار کے وقت کی حد بندی نہیں، یا یہ کہ وقت مقررہ سے چند منٹ یا چند سکنڈ اِدھر اُدھر ہوجانے سے روزہ خراب نہیں ہوگا، یہ محض غلط اور بے بنیاد ہے، رہی وہ حدیث جسے مودودی صاحب نے بغیر کسی حوالہ کے بطور دلیل نقل کی ہے وہ میری نظر سے کسی حدیث کی کتاب میں نہیں گزری محض مودودی کا اختراع معلوم ہوتا ہے۔

صاحب جمالین کی ایک غلطی: مولوی جمال بلند شہری لکھتے ہیں: ''ایک دن کے اعتکاف میں سابق رات بھی شامل رہے گی احناف کے یہاں ایک شب و روز سے کم کا اعتکاف نہیں۔ (جمالین جلد اول، ص ۲۹۹، زمزم پبلشر کراچی)

مولوی جمال صاحب کی یہ تصریح کہ ''ایک دن کے اعتکاف میں سابق رات بھی شامل رہے گی'' دعویٰ بلا دلیل ہے اسی طرح یہ کہنا کہ ''احناف کے یہاں ایک شب و روز سے کم کا اعتکاف نہیں'' قلت مطالعہ اور مذہب حنفی سے ناواقفیت کی کھلی دلیل ہے، فقہائے احناف نے تصریح فرمائی ہے کہ ایک دن کا اعتکاف درست ہے اور یہ کہ ایک دن کے اعتکاف میں سابق یا لاحق رات داخل نہیں ہوگی۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

لو نذر اعتكاف يوم لم يدخل الليل هكذا في فتح القدير۔ (جلد اوّل، ص ۲۱۴، مکتبہ زکریا دیوبند)

اگر ایک دن کے اعتکاف کی نذر مانی تو اس میں رات داخل نہیں ہوگی ایسا ہی فتح القدیر میں ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی تحریر فرماتے ہیں:

لو نذر اعتكاف يوم لزمه فقط نواه او لم ينو و ان نوى الليلة معه لزماً.

اور اگر صرف دن کے اعتکاف کی نذر مانی ہے تو صرف دن ہی کا اعتکاف لازم ہے خواہ نیت کی ہو یا نہ کی ہو اور اگر رات کی نیت بھی کر لی ہے تو دن کے ساتھ رات کا اعتکاف بھی لازم ہوگا۔ (رد المحتار جلد ۳، ص ۴۴۴، مکتبہ زکریا دیوبند)

﴿وَ لَاتَاكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ﴾ اَیْ لَايَاكُلُ بَعْضُكُمْ مَالَ بَعْضٍ ﴿بِالْبَاطِلِ﴾ اَلْحَرَامِ شَرْعًا كَالسَّرِقَةِ وَ الْغَصَبِ ﴿وَ لَاتُدْلُوْا﴾ تُلْقُوْا ﴿بِهَآ﴾ اَیْ بِحُكُوْمَتِهَا اَوْ بِالْاَمْوَالِ رِشْوَةً ﴿اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاكُلُوْا﴾ بِالتَّحَاكُمِ ﴿فَرِيْقًا﴾ طَائِفَةً ﴿مِنْ اَمْوَالِ النَّاسِ﴾ مُتَلَبِّسِيْنَ ﴿بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ٥﴾ اَنَّكُمْ مُبْطِلُوْنَ ﴿يَسْئَلُوْنَكَ﴾ يَامُحَمَّدُ ﴿عَنِ الْاَهِلَّةِ﴾ جَمْعُ هِلَالٍ لِمَ تَبْدُوْ دَقِيْقَةً ثُمَّ تَزِيْدُ حَتّٰى تَمْتَلِئَ نُوْرًا ثُمَّ تَعُوْدُ كَمَا بَدَتْ وَ لَاتَكُوْنُ عَلٰى حَالَةٍ وَاحِدَةٍ كَالشَّمْسِ ﴿قُلْ﴾ لَهُمْ ﴿هِيَ مَوَاقِيْتُ﴾ جَمْعُ مِيْقَاتٍ ﴿لِلنَّاسِ﴾ يَعْلَمُوْنَ بِهَا اَوْقَاتَ زَرْعِهِمْ وَ مَتَاجِرِهِمْ وَعِدَّةَ نِسَائِهِمْ وَ صِيَامِهِمْ وَاِفْطَارِهِمْ ﴿وَ الْحَجِّ﴾ عَطْفٌ عَلَى النَّاسِ اَیْ يُعْلَمُ بِهَا وَقْتُهٗ فَلَوْ اسْتَمَرَّتْ عَلٰى حَالَةٍ وَاحِدَةٍ لَمْ يُعْرَفْ ذٰلِكَ ﴿وَ لَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاتُوْا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا﴾ فِی الْاِحْرَامِ بِاَنْ تَنْقُبُوْا فِيْهَا نَقْبًا تَدْخُلُوْنَ مِنْهُ وَ تَخْرُجُوْنَ وَ تَتْرُكُوا الْبَابَ وَ كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ذٰلِكَ وَ يَزْعُمُوْنَهٗ بِرًّا ﴿وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ﴾ اَیْ ذَا الْبِرِّ ﴿مَنِ اتَّقٰى﴾ اللّٰهَ بِتَرْكِ مُخَالَفَتِهٖ ﴿وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا﴾ فِی الْاِحْرَامِ كَغَيْرِهٖ ﴿وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ٥﴾ تَفُوْزُوْنَ.

ترجمہ: ﴿اور نہ کھاؤ ایک دوسرے کا مال آپس میں﴾ یعنی تم میں کا بعض بعض کا مال ناحق نہ کھائے ﴿ناجائز

طریقہ سے ﴾ جو شرعاً حرام ہو جیسے چوری اور غصب ﴿ اور نہ رسائی حاصل کرو ﴾ نہ پہنچاؤ ﴿ اس مال کے ذریعہ ﴾ یعنی مالی مقدمہ کو یا مال کو بطور رشوت ﴿ حاکموں تک تاکہ یوں کھاؤ ﴾ جبرا ﴿ کچھ حصہ لوگوں کے مال کا ﴾ آلودہ کرکے ﴿ گناہ سے حالانکہ تم جانتے ہو ﴾ کہ تم حق پر نہیں ﴿ آپ سے دریافت کرتے ہیں ﴾ اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ﴿ نئے چاند کے متعلق ﴾ اھلّہ جمع ہے ھلال کی، کہ باریک ظاہر ہوتا پھر بڑھتا ہے یہاں تک کہ پُرنور (بدر) ہوجاتا ہے پھر اسی حالت پر لوٹ آتا ہے جیسا ظاہر ہوا تھا اور سورج کی طرح ایک حالت پر نہیں رہتا ﴿ تم فرمادو ﴾ ان سے ﴿ وہ وقت کی علامتیں ہیں ﴾ مواقیت جمع ہے میقات کی ﴿ لوگوں کے لئے ﴾ کہ لوگ اس کے ذریعہ اپنی کھیتی اور اپنی تجارت اور اپنی عورتوں کی عدت اور اپنے روزے وافطار کے اوقات معلوم کرتے ہیں ﴿ اور حج کے لئے ﴾ اس کا عطف الناس پر ہے یعنی اس کے ذریعہ حج کا وقت معلوم کرتے ہیں تو اگر وہ ایک حالت پر رہتا تو یہ چیزیں معلوم نہ ہوتیں ﴿ اور یہ کچھ بھلائی نہیں کہ گھروں میں پچھواڑے سے آؤ ﴾ حالت احرام میں اس طرح کہ تم اس (پچھلی دیوار) میں نقب لگا کر اسی سے داخل ہو اور نکلو اور دروازہ چھوڑے رکھو اور لوگ ایسا ہی کرتے تھے اور اسے نیکی گمان کرتے تھے ﴿ ہاں نیکی تو یہ ہے ﴾ یعنی نیکی والا ﴿ کہ تقویٰ اختیار کرے ﴾ اللہ سے ڈرے اس کی مخالفت ترک کرے ﴿ اور گھروں میں دروازوں سے آؤ ﴾ حالت احرام میں بھی غیر احرام کی طرح ﴿ اور اللہ سے ڈرتے رہو اس امید پر کہ فلاح پاؤ ﴾ کامیاب ہوجاؤ۔

توضیح و تشریح: قوله ای لایأکل بعضکم مال بعض. یہ اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ یہ تقسیم الجمع علی الجمع کے قبیل سے نہیں جس سے یہ شبہ پیدا ہو کہ اپنا ہی مال باطل طریقہ پر کھانے کی ممانعت ہے حالانکہ اس کا کوئی مطلب نہیں، بلکہ یہ "لا تلمزوا انفسکم" آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ، کے قبیل سے ہے لہٰذا آیت کا معنی یہ ہوا کہ تم میں سے بعض بعض کا مال ناحق طور پہ نہ کھائے، یہی مفہوم لفظ بینکم سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ (ترویح الارواح)

قوله: لاتدلوا. یہاں لا مقدر مان کر اشارہ فرمایا کہ اس کا عطف لا تاکلوا پر ہے اور یہ بھی لا کے تحت داخل ہے لہٰذا لاتاکلوا کی طرح یہ بھی مجزوم بالجازم ہے۔

قوله: متلبسین. اس لفظ سے اشارہ فرمایا کہ یہاں باء الصاق کے لئے ہے اور اس کا متعلق محذوف ہے، تأکلوا سے متعلق نہیں اور نہ ہی یہ باء سببیہ ہے کیونکہ ظاہر ہے اثم، اکل کا سبب نہیں بن سکتا۔

قوله: جمع هلال، ہلال کا لغوی معنی ماقبل میں گزرا کہ اس کا معنی آواز بلند کرنا ہے چونکہ چاند دیکھ کر لوگ آواز بلند کرتے اور شور مچاتے ہیں جیسا کہ یہ ہندو پاک میں بھی مشاہد ہے اسی لئے عربی میں چاند کو ہلال کہتے ہیں۔ پھر چونکہ ہلال پہلی، دوسری اور تیسری رات کے چاند کو کہتے ہیں اور ہر رات کا چاند حجم میں دوسرے سے مختلف ہوتا ہے اس لئے یہاں جمع لائی گئی، لہٰذا کوئی یہ اعتراض نہیں کرسکتا کہ ہلال ایک ہوتا ہے تو اس کی جمع کیوں لائی گئی۔

قوله: لم تبدو دقيقة الخ اس تفسیر سے اشارہ فرمایا کہ آیت میں لفظ اھلّۃ سے پہلے اس کا مضاف "حکمة" پوشیدہ ہے اور سوال چاند کے گھٹنے بڑھنے کی حکمت اور کیفیت کے متعلق تھا کہ کیا وجہ ہے چاند کبھی باریک۔ کبھی موٹا، کبھی آدھا

اور کبھی پورا بدر رہوتا ہے اور ایک حالت پر نہیں رہتا؟

قوله: جمع میقات اس اضافہ سے اشارہ فرمایا کہ مواقیت، موقوت کی جمع نہیں کہ موقوت اسم مفعول ہے، بلکہ وہ میقات اسم آلہ کی جمع ہے جس کا معنی ہے وقت معلوم کرنے کا آلہ اور ذریعہ۔

قوله: یعلمون بها الخ یہ چاند کے وجہ میقات کا بیان ہے یعنی چاند اس لئے میقات ہے کہ وہ لوگوں کے دینی اور دنیوی کاروبار کے اوقات کی علامت اور ان کے معلوم کرنے کا ذریعہ ہے کہ اسی سے لوگ کھیتی باڑی اور لین دین کی مدت عورتوں کی عدت اور رمضان وعید وبقرعید کا پتہ لگاتے ہیں۔

قوله: عطف علی الناس۔ اس عبارت سے اشارہ فرمایا کہ و الحج کا عطف مواقیت پر نہیں کیونکہ مواقیت کا حمل اھلّۃ کی ضمیر ھی پر ہے اگر الحج کا عطف بھی مواقیت پر ہو تو اس کا حمل بھی ضمیر ھی پر ہوگا اور تقدیری عبارت ہوگی "الاهلة هی الحج" ظاہر ہے یہ حمل درست نہیں، اور الناس پر حمل کی صورت میں معنی بالکل واضح ہے کہ چاند لوگوں کے کاروبار اور حج کے اوقات کی علامت ہے۔

خیال رہے کہ یہاں سوال میں دو جہتوں کا امکان ہے اولاً یہ کہ سوال چاند کے گھٹنے بڑھنے کی حکمت کے بارے میں تھا جیسا کہ مفسر علام نے اسی طرف اشارہ کیا ہے، اس صورت میں جواب سوال کے مطابق ہے اور کسی اعتراض کی گنجائش نہیں، ثانیاً یہ کہ سوال چاند کے گھٹنے بڑھنے کی علت کے بارے میں تھا۔ اس صورت میں یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ جواب سوال کے مطابق نہیں کہ جواب میں علت بیان کرنے کی بجائے چاند کے گھٹنے بڑھنے کی حکمت بیان کی گئی ہے۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ جواب میں علت کی بجائے حکمت بیان کرنے سے اس امر پر متنبہ کرنا مقصود ہے کہ سائلین کو چاند کے گھٹنے بڑھنے کی علت کی بجائے اس کی حکمت دریافت کرنی چاہئے تھی کہ اسی میں سائلین کا فائدہ تھا باقی رہی چاند کے گھٹنے بڑھنے کی علت تو اس کا تعلق علم ہیئت سے ہے اور نبی کا کام احکام شرعیہ بیان کرنا ہے علم ہیئت کے احکام بیان کرنا نبی کا منصب نہیں اگرچہ نبی کے علم سے ہیئت وتوقیت باہر نہیں مگر سائلین چونکہ علم ہیئت کے جانکار نہ تھے بتادینے سے وہ سمجھنے سے قاصر رہتے بلکہ مزید الجھن میں پڑ جاتے اس لئے اس سے اعراض کر کے ہلال کے گھٹنے بڑھنے کا فائدہ بتادیا گیا کہ یہ سائلین کے کام کی چیز تھی، اس جواب سے مزید دو باتوں کی تعلیم بھی مقصود تھی ایک یہ کہ جن اشیاء کے حقائق واسرار سمجھنے کی لیاقت نہ ہو ان کے متعلق سوال کر کے اپنا اور مجیب کا وقت ضائع نہ کرنا چاہئے کہ تضیع اوقات بری چیز ہے، دوسرے یہ کہ اگر کوئی شخص فضول سوال کر بیٹھے تو حتی الامکان اسے کوئی مفید جواب دینا چاہئے کہ زجر وتوبیخ کرنا اخلاق کے منافی ہے۔ (تفسیر حقانی)

قوله: فی الاحرام الخ یہ ماقبل کی آیت سے اس آیت کا یعنی لیس البر الآیۃ کے رابطہ کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مواقیت اوقات حج ہیں اور حالت احرام میں نقب زنی کر کے گھر کے پچھواڑے سے گھر میں داخل ہونا ان کے نزدیک افعال حج سے تھا یہی دونوں آیتوں کے درمیان ربط وتعلق ہے۔ (ترویح الارواح)

فوائد: (۱) حرام طریقوں سے حاصل کیا ہوا مال بھی حرام ہے، مثلاً شراب کی تجارت سے حاصل کیا ہوا مال، مروجہ

قوالی کی اجرت، فوٹو کھینچنے کی اجرت وغیرہ، یہ فائدہ و لاتأکلوا الایۃ سے حاصل ہوا۔

(۲) کوئی شخص اپنے حق میں ناجائز فیصلہ کرانے کے لئے حاکم کو رشوت دے تو یہ رشوت لینا اور دینا حرام ہے خواہ حاکم کا فیصلہ انصاف پر مبنی ہو یا غلط ہو، کیونکہ صحیح فیصلہ کرنا حاکم کا فرض منصبی ہے اسی طرح اپنا کوئی بھی کام کسی بھی حاکم سے رشوت دے کر کرانا جائز نہیں کیونکہ وہ کام کرنا اس حاکم کی ذمہ داری ہے، یہ فائدہ و لاتدلوا بھا الایۃ سے حاصل ہوا۔

(۳) قمری تاریخیں شمسی تاریخوں سے افضل ہیں کہ قمری تاریخوں کی جانکاری کے لئے ہی اللہ تعالیٰ نے چاند کو گھٹایا بڑھایا اور بعض عبادات کا دارومدار قمری تاریخوں پر رکھا جیسے، حج، روزہ رمضان، زکوٰۃ اور عیدین وغیرہ اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے معاملات میں قمری تاریخوں کا اعتبار کریں۔

(۴) بے کار اور عبث کام چھوڑ دینا چاہئے کہ یہ شرعاً مذموم ہے۔

وَ لَمَّا صُدَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْبَيْتِ عَامَ الْحُدَيْبِيَّةِ وَ صَالَحَ الْكُفَّارَ عَلٰى اَنْ يَّعُوْدَ الْعَامَ الْقَابِلَ وَ يُخْلُوْا لَهٗ مَكَّةَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ وَ تَجَهَّزَ لِعُمْرَةِ الْقَضَاءِ وَ خَافُوْا اَنْ لَّا تَفِيَ قُرَيْشٌ وَ يُقَاتِلُوْهُمْ وَ كَرِهَ الْمُسْلِمُوْنَ قِتَالَهُمْ فِي الْحَرَمِ وَ الْاِحْرَامِ وَ الشَّهْرِ الْحَرَامِ نَزَلَ ﴿وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اَيْ لِاِعْلَاءِ دِيْنِهٖ ﴿الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ﴾ مِنَ الْكُفَّارِ ﴿وَ لَا تَعْتَدُوْا﴾ عَلَيْهِمْ بِالْاِبْتِدَاءِ بِالْقِتَالِ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ٥﴾ اَلْمُتَجَاوِزِيْنَ مَا حُدَّ لَهُمْ وَ هٰذَا مَنْسُوْخٌ بِاٰيَةِ بَرَاءَةٍ اَوْ بِقَوْلِهٖ ﴿وَ اقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ﴾ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ﴿وَ اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ﴾ اَيْ مِنْ مَّكَّةَ وَ قَدْ فُعِلَ بِهِمْ ذٰلِكَ عَامَ الْفَتْحِ ﴿وَ الْفِتْنَةُ﴾ الشِّرْكُ مِنْهُمْ ﴿اَشَدُّ﴾ اَعْظَمُ ﴿مِنَ الْقَتْلِ﴾ لَهُمْ فِي الْحَرَمِ وَ الْاِحْرَامِ الَّذِي اسْتَعْظَمْتُمُوْهُ ﴿وَ لَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ اَيْ فِي الْحَرَمِ ﴿حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ﴾ فِيْهِ ﴿فَاقْتُلُوْهُمْ﴾ فِيْهِ وَ فِيْ قِرَاءَةٍ بِلَا اَلِفٍ فِي الْاَفْعَالِ الثَّلٰثَةِ ﴿كَذٰلِكَ﴾ اَلْقَتْلُ وَ الْاِخْرَاجُ ﴿جَزَاءُ الْكٰفِرِيْنَ فَاِنِ انْتَهَوْا﴾ عَنِ الْكُفْرِ وَ اَسْلَمُوْا ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ﴾ لَهُمْ ﴿رَّحِيْمٌ٥﴾ بِهِمْ ﴿وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ﴾ تُوْجَدَ ﴿فِتْنَةٌ﴾ شِرْكٌ ﴿وَ يَكُوْنَ الدِّيْنُ﴾ اَلْعِبَادَةُ ﴿لِلّٰهِ﴾ وَحْدَهٗ لَا يُعْبَدُ سِوَاهُ فَاِنِ ﴿انْتَهَوْا﴾ عَنِ الشِّرْكِ فَلَا تَعْتَدُوْا عَلَيْهِمْ دَلَّ عَلٰى هٰذَا ﴿فَلَا عُدْوَانَ﴾ اِعْتِدَاءَ بِقَتْلٍ اَوْ غَيْرِهٖ ﴿اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ٥﴾ وَ مَنِ انْتَهٰى فَلَيْسَ بِظَالِمٍ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيْهِ.

حل اللغات: ﴿صد﴾ (ن) ماضی مجہول، روک دیا گیا، منع کردیا گیا، ﴿عام الحدیبیۃ﴾ صلح حدیبیہ کا سال ﴿صالح﴾ از مفاعلت، صلح کیا ﴿العام القابل﴾ آنے والا سال ﴿تجھز﴾ از تفعل، آمادہ ہوا، تیاری کیا ﴿لاعلاء دینہ﴾ اس کے دین کی سربلندی کے لئے ﴿المتجاوزین﴾ متجاوز کی جمع ہے، حد سے بڑھنے والے۔ ﴿عام الفتح﴾ فتح مکہ کا سال ﴿الذی استعظمتموہ﴾ جسے تم عظیم خیال کرتے ہو۔ ﴿فلا تعتدوا علیھم﴾ تو ان پر تم ظلم نہ کرو ﴿من انتھی﴾ جو باز آ گیا ﴿عدوان﴾ ظلم کرنا، تجاوز کرنا۔

ترجمہ: اور جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حدیبیہ کے سال بیت اللہ سے روک دیا گیا اور کافروں نے اس بات پر مصالحت کر لی کہ حضور علیہ السلام آئندہ سال آئیں گے اور مشرکین آپ کے لئے تین دن تک مکہ خالی رکھیں گے، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عمرۃ القضاء کے لئے تیاری فرمائی تو مسلمانوں کو اندیشہ ہوا کہ کہیں قریش عہد شکنی کر کے ان سے جنگ نہ کرنے لگیں کیونکہ مسلمان حرم شریف میں حالت احرام اور شہر حرام میں ان سے جنگ کرنا پسند نہیں کرتے تھے، تب یہ آیت نازل ہوئی۔ ﴿اور اللہ کی راہ میں لڑو﴾ یعنی اس کے دین کی سربلندی کے لئے ﴿ان سے جو تم سے لڑتے ہیں﴾ یعنی کافروں سے ﴿اور تجاوز نہ کرو﴾ ان پر جنگ کی ابتداء کر کے ﴿اللہ پسند نہیں رکھتا حد سے بڑھنے والوں کو﴾ جو اپنی مقرر حد سے آگے بڑھ جائیں مگر یہ حکم منسوخ ہے آیت براۃ یا اللہ تعالیٰ کے اس قول سے کہ ﴿اور تم کافروں کو قتل کرو جہاں انھیں پاؤ﴾ جہاں تم ان کو پاؤ ﴿اور انھیں نکال دو جہاں سے انھوں نے تمہیں نکالا تھا﴾ یعنی مکہ سے اور فتح مکہ کے سال ان کے ساتھ ایسا ہی کیا گیا ﴿اور فساد﴾ یعنی ان کا شرک ﴿زیادہ سخت ہے﴾ بڑھ کر ہے ﴿قتل سے﴾ ان کے ساتھ حرم اور حالت احرام میں قتال کرنے سے جسے تم عظیم تصور کرتے ہو ﴿اور مسجد حرام کے پاس ان سے نہ لڑو﴾ یعنی حرم میں ﴿جب تک وہ تم سے وہاں نہ لڑیں اور اگر وہ تم سے لڑیں﴾ حرم ہی میں ﴿تو تم انھیں قتل کرو﴾ حرم مین اور ایک قرأۃ میں تینوں افعال بغیر الف کے ہیں ﴿اسی طرح﴾ قتل اور اخراج کی طرح ﴿کافروں کی سزا ہے پھر اگر وہ باز رہیں﴾ کفر سے اور اسلام قبول کر لیں ﴿تو بے شک اللہ بخشنے والا ہے﴾ انھیں ﴿مہربان ہے﴾ ان پر ﴿اور ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ نہ رہے﴾ نہ پایا جائے ﴿کوئی فتنہ﴾ کسی قسم کا شرک ﴿اور ہو جائے دین﴾ عبادت ﴿اللہ کے لئے﴾ صرف اللہ کے لئے کہ اس کے سوا کسی اور کی پرستش نہ ہو ﴿تو اگر وہ باز رہیں﴾ شرک سے تو ان پر ظلم نہ کرو اس پر یہ جملہ دلالت کرتا ہے ﴿تو زیادتی نہیں﴾ حد سے بڑھنا نہیں قتل وغیرہ سے ﴿مگر ظالموں پر﴾ اور جو باز آ گیا وہ ظالم نہیں لہٰذا اس پر تعدی بھی نہیں۔

توضیح و تشریح: قولہ لاعلاء دینہ۔ اس تفسیر سے اشارہ فرمایا کہ آیت میں لفظ "سبیل" بمعنی راستہ اپنے حقیقی معنی میں نہیں بلکہ سبیل کا استعارہ کیا گیا ہے دین خداوندی کے لئے، اور سبیل و دین کے درمیان علاقہ منزل مقصود تک رسائی ہے کہ جس طرح انسان راستہ چل کر منزل مقصود تک پہنچتا ہے اسی طرح بندۂ مومن دین کو اپنا کر اپنے رب کی رضا حاصل کر لیتا ہے اور یہی مومن کی منزل مقصود ہے۔ لہٰذا یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ کلمۂ جلالت کی طرف سبیل کی اضافت بے معنی ہے۔

قولہ: بالابتداء بالقتال۔ اس اضافہ سے اشارہ فرمایا کہ یہاں اعتداء سے مطلق اعتداء یعنی مقررہ حد سے تجاوز کرنا مراد نہیں جس سے یہ شبہ ہو کہ بعض امور میں مسلمانوں کو تعدی کی بھی اجازت ہے، بلکہ یہاں اعتداء سے مراد ابتداء بالقتال ہے یعنی مسلمانوں کو صرف دفاعی جنگ لڑنے کی اجازت دی گئی اور جنگ میں پہل کرنے کو تعدی سے تعبیر فرمایا۔

خیال رہے کلمۂ لاتعتدوا میں تین احتمالات ہیں، ایک تو وہی ہے جس کی طرف حضرت مفسر نے بالابتداء بالقتال سے اشارہ فرمایا اس صورت میں یہ آیت منسوخ ہے جیسا کہ مفسر علام نے آگے آس کی تصریح بھی فرمائی ہے، دوم یہ کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ذمی، مستامن، جنگ سے دور رہنے والے راہب اور دیگر کفار اسی طرح بچوں اور عورتوں کو قتل کر کے

بڑھو۔ سوم یہ کہ اس سے مراد یہ ہے کہ بغیر دعوت اسلام دیئے جنگ نہ چھیڑو یا مقتول کفار کا مثلہ نہ کرو کہ یہ حد سے تجاوز کرنا ہے۔
ان دونوں صورتوں میں یہ آیت منسوخ نہیں کہ یہ احکام اب بھی باقی ہیں۔

قوله: باية برأة یعنی فاذا انسلخ الاشهر الحرم فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم۔

قوله: الشرك۔ فتنہ کی تفسیر شرک سے فرمانے میں شرک کے افتح ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ قتل وغارت گری وغیرہ سے تو صرف دنیوی نقصان ہوتا ہے مگر شرک سے دنیا اور آخرت دونوں برباد ہوتی ہے۔

قوله: اى فى الحرم۔ مسجد حرام کی تفسیر حرم سے کر کے اشارہ فرمایا کہ یہاں جزء بول کر کل مراد ہے یعنی مسجد حرام بول کر پورا حرم مراد ہے کیونکہ قتال صرف مسجد حرام میں نہیں بلکہ پورے حرم میں ممنوع ہے۔

قوله: فى الافعال الثلثة۔ اس سے مراد یہ افعال ہیں، لاتقتلوهم، يقتلوكم، اقتلوهم آگے عن الكفر سے انتهوا کے متعلق محذوف کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

قوله: توجد۔ تکون کی تفسیر توجد سے کر کے اشارہ فرمایا كان کے تامہ ہونے کی طرف، آگے دین کی تفسیر عبادت سے کر کے اشارہ فرمایا کہ یہاں اس سے احکام شرعیہ مراد نہیں کہ اس معنی کے لحاظ سے دین کی نسبت بندوں کی طرف ہوتی ہے کیونکہ احکام بندوں کے لئے ہی مشروع ہیں نہ کہ خدا کے لئے لہٰذا احکام شرعیہ کے معنی میں دین کی نسبت خدا کی طرف درست نہیں، آگے لفظ وحدہ سے مفسر علام نے اشارہ فرمایا ہے کہ للہ میں لام اختصاص کا ہے۔

قوله: فلاتعتدوا عليهم۔ یہ جزائے محذوف کی طرف اشارہ ہے، تقدیری عبارت یوں ہے "فان انتهوا عن الشرك فلاتعتدوا على المنتهين" چونکہ عدوان ظالمین کے لئے ہے اور شرک سے باز رہنے والے ظالم نہیں اس لئے ان پر عدوان بھی نہیں۔

فوائد: (۱) بعض علما نے فرمایا کہ پہلی آیت جس میں مسلمانوں کو کفار کے خلاف جہاد کرنے کا حکم ملا وہ یہی آیت ہے یعنی و قاتلوا فى سبيل الله الاية (صاوى)

(۲) جہاد کا لغوی معنی ہے طاقت، وسعت، اور اصطلاح شرع میں اللہ کے دین کی سربلندی کیلئے کفار سے جنگ میں جان، مال، اور زبان کو انتہائی وسعت اور طاقت سے خرچ کرنا جہاد ہے۔ (بدائع الصنائع جلد ۷، ص ۱۴۵، مطبوعہ برکات رضا پور بندر، گجرات)

(۳) جہاد کی تین قسمیں ہیں، ظاہری دشمن سے جنگ کرنا، شیطان سے جہاد کرنا، نفس سے جہاد کرنا۔

(۴) حرم شریف میں جنگ ناجائز ہے البتہ دفاعی جنگ کرنے کی اجازت ہے۔ (تفسیر نعیمی)

(۵) حدیبیہ ایک متوسط بستی ہے جو مکہ مکرمہ سے ایک دن کی مسافت پر اور مدینہ منورہ سے نو دن کی مسافت پر ہے اسی کے قریب وہ درخت تھا جس کے نیچے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ سے بیعت رضوان لی تھی۔

(۶) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ۸ھ میں مکہ فتح کیا اس موقع پر حضرت ابو رہم کلثوم بن حصین غفاری کو مدینہ طیبہ پر اپنا نائب بنایا تھا۔

﴿اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ﴾ اَلْمُحَرَّمُ مُقَابِلٌ ﴿بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ﴾ فَكَمَا قَاتَلُوْكُمْ فِيْهِ فَاقْتُلُوْهُمْ فِیْ مِثْلِهٖ رَدٌّ لِاسْتِعْظَامِ الْمُسْلِمِيْنَ ذٰلِكَ ﴿وَ الْحُرُمٰتُ﴾ جَمْعُ حُرْمَةٍ مَا يَجِبُ اِحْتِرَامُهٗ ﴿قِصَاصٌ﴾ اَیْ يُقْتَصُّ بِمِثْلِهَا اِذَا انْتَهَكَتْ ﴿فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَيْكُمْ﴾ بِالْقِتَالِ فِی الْحَرَمِ اَوِ الْاِحْرَامِ اَوِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ ﴿فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَيْكُمْ﴾ سُمِّیَ مُقَابَلَتُهٗ اِعْتِدَاءً لِشِبْهِهَا بِالْمُقَابَلِ بِهٖ فِی الصُّوْرَةِ ﴿وَ اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ فِی الْاِنْتِصَارِ وَ تَرْكِ الْاِعْتِدَاءِ ﴿وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ○﴾ بِالْعَوْنِ وَالنَّصْرِ ﴿وَ اَنْفِقُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ طَاعَتِهٖ بِالْجِهَادِ وَغَيْرِهٖ ﴿وَ لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ﴾ اَیْ اَنْفُسَكُمْ وَ الْبَاءُ زَائِدَةٌ ﴿اِلَی التَّهْلُكَةِ﴾ اَلْهَلَاكِ بِالْاِمْسَاكِ عَنِ النَّفَقَةِ فِی الْجِهَادِ اَوْ تَرْكِهٖ لِاَنَّهٗ يُقَوِّی الْعَدُوَّ عَلَيْكُمْ ﴿وَ اَحْسِنُوْا﴾ بِالنَّفَقَةِ وَغَيْرِهَا ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○﴾ اَیْ يُثِيْبُهُمْ.

ترجمہ: ﴿ماہ حرام کے بدلے﴾ مقابل ﴿ماہ حرام ہے﴾ تو جیسے وہ تم سے اس میں قتال کریں تو تم بھی ان سے قتال کرو اس جیسے مہینے میں یہ رد ہے مسلمانوں کے اس مہینہ کے باعظمت سمجھنے کا (حالت جنگ میں) ﴿اور ساری حرمتوں میں﴾ حرمات جمع ہے حرمۃ کی "جس کا احترام ضروری ہو" ﴿برابری چاہئے﴾ یعنی جب اس کی بے حرمتی کی جائے تو ویسا ہی اس کا بدلہ لیا جائے گا۔ ﴿تو جو تم پر زیادتی کرے﴾ حرم میں یا حالت احرام میں یا ماہ حرام میں جنگ کر کے ﴿تو تم اس پر زیادتی کرلو اسی قدر جتنی زیادتی اس نے تم پر کی﴾ زیادتی کی جزاء کو بھی زیادتی سے تعبیر کیا گیا صوری مشابہت کی وجہ سے ﴿اور اللہ سے ڈرتے رہو﴾ ایک دوسرے کی مدد کرنے اور زیادتی ترک کرنے میں ﴿اور جان رکھو کہ اللہ ڈروالوں کے ساتھ ہے﴾ مدد اور نصرت کے لحاظ سے ﴿اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو﴾ اس کی اطاعت میں یعنی جہاد وغیرہ میں ﴿اور نہ ڈالو اپنے ہاتھوں کو﴾ یعنی اپنی جانوں کو، اور باء زائدہ ہے ﴿ہلاکت میں﴾ جہاد کے اخراجات روک کر یا جہاد ترک کر کے کہ اس سے دشمن تم پر قوی ہوجائے گا ﴿اور اچھے کام کرو﴾ خرچ وغیرہ کے ذریعہ ﴿بے شک بھلائی والے اللہ کے محبوب ہیں﴾ یعنی انھیں ثواب عطا فرمائے گا۔

توضیح و تشریح: قوله مقابل. اس اضافہ سے مفسر علام نے اشارہ فرمایا ہے کہ یہاں باء مقابلہ کے لئے ہے جیسے بعت هذا بذلك میں، سبب کے لئے نہیں، لہٰذا یہ اعتراض نہیں پڑسکتا کہ ایک شہر حرام دوسرے شہر حرام کا سبب بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا پھر یہاں باء سببیہ کا کیا مطلب؟ آگے کما قاتلوکم سے اشارہ فرمایا کہ دونوں مقام پر الشهر سے پہلے مضاف "قتل" مقدر ہے، یعنی تقدیری عبارت ہے قتل الشهر الحرام بقتل الشهر الحرام لہٰذا یہ اعتراض نہیں پڑسکتا کہ یہاں شهر کے مقابل شهر لانے کا کوئی فائدہ نہیں کہ مقصود مسلمانوں کے اس وہم کا ازالہ تھا کہ شہر حرام میں قتل جائز نہیں، اشہر حرم کا حال بیان کرنا مقصود نہیں۔ (ترویح الارواح)

قوله: ای يقتص بمثلها. یہ دفع دخل مقدر ہے، سوال یہ پیدا ہوا کہ قصاص بمعنی تساوی مصدر ہے، لہٰذا الحرمات پر اس کا حمل درست نہیں کہ اس صورت میں معنی ہوگا "حرمتیں برابر ہیں" ظاہر ہے اس کا کوئی مطلب نہیں، جواب کا حاصل یہ

ہے کہ یہاں عبارت بتقدیر مضاف ہے یعنی ذوات القصاص، یا جار مجرور مقدر ہے اور تقدیری عبارت ہے، و الحرمت فیھا قصاص اب معنی بالکل واضح ہو گیا اور کسی اعتراض کی گنجائش نہ رہی۔

قوله: سمی مقابلته الخ یہ بھی ایک شبہ کا ازالہ ہے، ؟ شبہ یہ پیدا ہوا کہ یہاں آیت میں ظلم کی سزا کو اعتداء یعنی ظلم ہی سے تعبیر کیا گیا ہے حالانکہ ظلم کی سزا ظلم نہیں بلکہ وہ عدل ہے، حاصل ازالہ یہ ہے کہ یہ جزاء السیئة سیئة کے قبیل سے ہے یعنی صوری مشابہت کی وجہ سے جزاء اعتداء کو اعتداء سے تعبیر فرمایا۔

﴿وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ اَدُّوْهُمَا بِحُقُوْقِهِمَا ﴿فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ﴾ مُنِعْتُمْ عَنْ اِتْمَامِهِمَا بِعَدُوٍّ اَوْ نَحْوِهٖ ﴿فَمَا اسْتَيْسَرَ﴾ تَيَسَّرَ ﴿مِنَ الْهَدْيِ﴾ عَلَيْكُمْ وَهُوَ شَاةٌ ﴿وَ لَا تَحْلِقُوْا رُؤُسَكُمْ﴾ اَیْ لَاتَتَحَلَّلُوْا ﴿حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْیُ﴾ اَلْمَذْكُوْرُ ﴿مَحِلَّهٗ﴾ حَيْثُ يَحِلُّ ذَبْحُهٗ وَ هُوَ مَكَانُ الْاِحْصَارِ عِنْدَ الشَّافِعِيِّ فَيُذْبَحُ فِيْهِ بِنِيَّةِ التَّحَلُّلِ وَ يُفَرَّقُ عَلٰى مَسَاكِيْنِهٖ وَ يُحْلَقُ وَ بِهٖ يَحْصُلُ التَّحَلُّلُ ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِنْ رَّاْسِهٖ﴾ كَقُمَّلٍ وَ صُدَاعٍ فَحَلَقَ فِی الْاِحْرَامِ ﴿فَفِدْيَةٌ﴾ عَلَيْهِ ﴿مِنْ صِيَامٍ﴾ لِثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ﴿اَوْ صَدَقَةٍ﴾ لِثَلٰثَةِ اٰصُعٍ مِنْ غَالِبِ قُوْتِ الْبَلَدِ عَلٰى سِتَّةِ مَسَاكِيْنَ ﴿اَوْ نُسُكٍ﴾ اَیْ ذَبْحِ شَاةٍ وَاَوْ لِلتَّخْيِيْرِ وَ اُلْحِقَ بِهٖ مَنْ حَلَقَ بِغَيْرِ عُذْرٍ لِاَنَّهٗ اَوْلٰى بِالْكَفَّارَةِ وَ كَذَا مَنِ اسْتَمْتَعَ بِغَيْرِ الْحَلْقِ كَالطِّيْبِ وَ اللُّبْسِ وَ الدُّهْنِ لِعُذْرٍ اَوْ غَيْرِهٖ ﴿فَاِذَآ اَمِنْتُمْ﴾ اَلْعَدُوَّ بِاَنْ ذَهَبَ اَوْ لَمْ يَكُنْ ﴿فَمَنْ تَمَتَّعَ﴾ اِسْتَمْتَعَ ﴿بِالْعُمْرَةِ﴾ اَیْ بِسَبَبِ فَرَاغِهٖ مِنْهَا وَ التَّحَلُّلِ عَنْهَا بِمَحْظُوْرَاتِ الْاِحْرَامِ ﴿اِلَى الْحَجِّ﴾ اَیِ الْاِحْرَامِ بِهٖ بِاَنْ يَّكُوْنَ اَحْرَمَ بِهَا فِیْ اَشْهُرِهٖ ﴿فَمَا اسْتَيْسَرَ﴾ تَيَسَّرَ ﴿مِنَ الْهَدْیِ﴾ عَلَيْهِ وَهُوَ شَاةٌ يَذْبَحُهَا بَعْدَ الْاِحْرَامِ بِهٖ وَ الْاَفْضَلُ يَوْمُ النَّحْرِ ﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ﴾ الْهَدْیَ لِفَقْدِهٖ اَوْ فَقْدِ ثَمَنِهٖ ﴿فَصِيَامُ﴾ اَیْ فَعَلَيْهِ صِيَامُ ﴿ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِی الْحَجِّ﴾ اَیْ فِیْ حَالِ اِحْرَامِهٖ فَيَجِبُ حِيْنَئِذٍ اَنْ يُّحْرِمَ قَبْلَ السَّابِعِ مِنْ ذِی الْحِجَّةِ وَ الْاَفْضَلُ قَبْلَ السَّادِسِ لِكَرَاهَةِ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ لِلْحَاجِّ وَ لَايَجُوْزُ صَوْمُهَا اَيَّامَ التَّشْرِيْقِ عَلٰى اَصَحِّ قَوْلَيِ الشَّافِعِيِّ ﴿وَ سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ﴾ اِلٰى وَطَنِكُمْ مَكَّةَ اَوْ غَيْرِهَا وَ قِيْلَ اِذَا فَرَغْتُمْ مِنْ اَعْمَالِ الْحَجِّ وَ فِيْهِ الْتِفَاتٌ عَنِ الْغَيْبَةِ ﴿تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ﴾ جُمْلَةُ تَاكِيْدٍ لِمَا قَبْلَهَا ﴿ذٰلِكَ﴾ اَلْحُكْمُ الْمَذْكُوْرُ مِنْ وُجُوْبِ الْهَدْیِ اَوِ الصِّيَامِ عَلٰى مَنْ تَمَتَّعَ ﴿لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ بِاَنْ لَّمْ يَكُوْنُوْا عَلٰى مَرْحَلَتَيْنِ مِنَ الْحَرَمِ عِنْدَ الشَّافِعِيِّ فَاِنْ كَانَ فَلَادَمَ عَلَيْهِ وَ لَاصِيَامَ وَاِنْ تَمَتَّعَ وَ فِیْ ذِكْرِ الْاَهْلِ اِشْعَارٌ بِاشْتِرَاطِ الْاِسْتِيْطَانِ فَلَوْ اَقَامَ قَبْلَ اَشْهُرِ الْحَجِّ وَ لَمْ يَسْتَوْطِنْ وَ تَمَتَّعَ فَعَلَيْهِ ذٰلِكَ وَهُوَ اَحَدُ الْوَجْهَيْنِ عِنْدَنَا وَ الثَّانِیْ لَا وَ الْاَهْلُ كِنَايَةٌ عَنِ النَّفْسِ وَ اُلْحِقَ بِالْمُتَمَتِّعِ فِيْمَا ذُكِرَ بِالسُّنَّةِ الْقَارِنُ وَهُوَ مَنْ يُّحْرِمُ بِالْعُمْرَةِ وَ الْحَجِّ مَعًا اَوْ يَدْخُلُ الْحَجَّ عَلَيْهَا قَبْلَ الطَّوَافِ ﴿وَ اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ فِيْمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖ وَ يَنْهٰكُمْ عَنْهُ ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۝﴾ لِمَنْ خَالَفَهٗ.

حلّ اللغات: ﴿ادوا﴾ از تأدیة تم ادا کرو ﴿منعتم﴾ (ف) تم روک دیئے گئے ﴿اتمام﴾ مصدر، پورا کرنا ﴿لاتحللوا﴾ حلال نہ ہو، مصدر تحلل ﴿مکان الاحصار﴾ روکنے کی جگہ، جہاں حج یا عمرہ کی ادائیگی سے کوئی روکاوٹ پیدا ہوجائے۔ ﴿یحلق﴾ سر منڈوالے گا ﴿القمل﴾ جوں، واحد قملة۔ ﴿الصداع﴾ دردسر ﴿الحق﴾ از الحاق لاحق کردیا جائے گا، ملادیا جائے گا ﴿استمتع﴾ فائدہ حاصل کیا۔ ﴿الطیب﴾ خوشبو جمع اطیاب و طیوب ﴿الدهن﴾ (ن) سر پر تیل ملنا۔ ﴿محظورات﴾ روکا ہوا، حرام، ناجائز۔ واحد محظورة ﴿الفقد﴾ (ض) گم کرنا، کھونا۔ ﴿الهدی﴾ قربانی کا جانور جو حرم میں بھیجا جائے۔ ﴿مرحلتین﴾ تثنیہ، مسافر کے دو دن کے سفر کی مسافت، واحد مرحلة، جمع مراحل ﴿الاستیطان﴾ وطن بنانا۔

ترجمہ: ﴿اور حج اور عمرہ اللہ کے لئے پورا کرو﴾ دونوں کو ان کے حقوق کے ساتھ ادا کرو ﴿پھر اگر تم روکے جاؤ﴾ یعنی تم روک دیئے جاؤ ان دونوں کے پورا کرنے سے دشمن یا اس جیسی کسی اور چیز کی وجہ سے ﴿تو قربانی کا جانور بھیجو جو میسر آئے﴾ یعنی تم پر واجب ہے اور وہ ایک بکری ہے ﴿اور اپنے سر نہ منڈاؤ﴾ یعنی حلال نہ ہو ﴿یہاں تک کہ پہنچ جائے قربانی کا جانور﴾ جس کا ذکر ہوا ﴿اپنے ٹھکانے پر﴾ جہاں اس کا ذبح کرنا جائز ہے اور وہ امام شافعی کے نزدیک احصار کی جگہ ہے تو حلال ہونے کی نیت سے وہیں اس کو ذبح کردے اور وہیں کے مسکینوں پر اسے تقسیم کردے اور حلق کرالے اس سے حلت حاصل ہوجائے گی ﴿پھر جو تم میں بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو﴾ مثلاً جوئیں پڑ جائیں یا دردسر ہو اور وہ حالت احرام میں حلق کرالے ﴿تو فدیہ ہے﴾ اس پر ﴿روزوں سے﴾ تین دن کے ﴿یا خیرات سے﴾ تین صاع مقامی مروجہ صاع سے چھ مسکینوں پر ﴿یا قربانی سے﴾ یعنی ایک بکری ذبح کرکے اور او تخییر کے لئے ہے اور اسی حکم کے ساتھ وہ بھی لاحق ہے جو بغیر کسی عذر کے حلق کرالے کہ اس پر کفارہ بدرجۂ اولیٰ ہے یہی حکم اس کا بھی ہے جس نے حلق کے علاوہ کوئی اور فائدہ اٹھایا مثلاً خوشبو لگا کر یا سلا ہوا لباس پہن کر یا تیل لگا کر خواہ عذر کے سبب ہو یا بغیر عذر ﴿پھر جب تم اطمینان سے ہو﴾ دشمن سے اس طرح کہ وہ چلا گیا یا تھا ہی نہیں ﴿تو جو فائدہ اٹھانا چاہے عمرہ کا﴾ یعنی عمرہ سے فارغ ہونے کے سبب اور حالت احرام کے ممنوعات حلال ہونے کے سبب ﴿حج کے ساتھ﴾ یعنی عمرہ کا احرام باندھ لے اس طرح کہ یہ باندھنا حج کے مہینے میں ہو ﴿تو جو اسے میسر آئے قربانی دے﴾ اس پر واجب ہے کہ احرام باندھنے کے بعد ایک بکری ذبح کرے اور افضل یوم نحر ہے ﴿پھر جسے مقدور نہ ہو﴾ قربانی کی اس کے نہ ملنے کی وجہ سے یا اس کی قیمت نہ ہونے کی وجہ سے ﴿تو روزے رکھے﴾ یعنی اس پر روزے لازم ہیں ﴿تین دنوں کے حج کے وقت﴾ یعنی حج کے احرام کی حالت میں، تو اس وقت ضروری ہے کہ ذوالحجہ کی سات تاریخ سے پہلے احرام باندھے اور افضل یہ ہے کہ چھ تاریخ سے پہلے باندھے کیونکہ یوم عرفہ کا روزہ حاجی کے لئے مکروہ ہے اور ایام تشریق میں امام شافعی کے صحیح تر قول کے مطابق روزہ جائز نہیں۔ ﴿اور سات جب تم پلٹ کر جاؤ﴾ اپنے وطن خواہ مکہ ہو یا کوئی اور مقام اور بعض نے کہا "اذا رجعتم کا مطلب ہوا" جب تم ارکان حج سے فارغ ہوجاؤ اور اس میں غائب سے حاضر کی طرف التفات ہے ﴿یہ پورے دس ہوئے﴾ یہ جملہ اپنے ماقبل کی تاکید ہے ﴿یہ﴾ حکم مذکور یعنی قربانی یا روزوں کا وجوب

حج تمتع کرنے والے پر ﴿اس کے لئے ہے جو مکہ کا رہنے والا نہ ہو﴾ اس طرح کہ حرم سے دو مرحلوں سے کم مسافت پر نہ ہو امام شافعی کے نزدیک اور اگر ہو تو اس پر نہ قربانی ہے نہ روزہ اگرچہ حج تمتع کر لیا ہو اور اہل کے ذکر کرنے میں وطن بنانے کی شرط کی طرف اشارہ ہے، لہٰذا اگر کسی نے ایام حج سے پہلے قیام کیا اور وطن نہیں بنایا اور تمتع کی نیت کی تو اس پر مذکورہ احکام نافذ ہوں گے اور یہ ہمارا (شوافع کا) ایک قول ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس پر کچھ واجب نہیں اور اہل کنایہ ہے نفس سے اور مذکورہ احکام میں بحکم حدیث متمتع کے ساتھ قارن کو بھی داخل کر لیا گیا ہے اور قارن وہ ہے جو عمرہ اور حج کا احرام ایک ساتھ باندھے یا حج کو عمرہ پر داخل کر دے طواف عمرہ سے پہلے ﴿اور ڈرا کرو اللہ سے﴾ ان چیزوں میں جن کا تمہیں حکم دیا اور جن سے تمہیں روکا ﴿اور جان رکھو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے﴾ اس کی مخالفت کرنے والے کے لئے۔

توضیح و تشریح: قوله ادوهما بحقوقهما۔ مفسر علام نے اس تفسیر سے حج و عمرہ دونوں کے وجوب کی طرف اشارہ فرمایا ہے چونکہ امام شافعی کے نزدیک حج کی طرح عمرہ بھی واجب ہے اور دلیل یہی آیت ہے اس طرح کہ امام شافعی علیہ الرحمہ یہاں آیت میں اتمام کو ادا پر محمول کرتے ہیں جیسا کہ مفسر علام نے اتموا کی تفسیر ادوا سے کر کے اسی طرف اشارہ کیا ہے گویا اس آیت میں ابتداءً حج اور عمرہ ادا کرنے کا حکم ہے اور امر چونکہ وجوب کے لئے ہے اس لئے حج کی طرح عمرہ بھی واجب ہے۔

مگر احناف کے نزدیک عمرہ واجب نہیں بلکہ سنت ہے اور اس آیت کا معنی احناف کے نزدیک یہ ہے کہ جس نے حج اور عمرہ شروع کر دیا ہو تو اس کو پورا کرنا ضروری ہے۔ اس سے عمرہ کا وجوب ثابت نہیں ہوتا بلکہ صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ عمرہ شروع کرنے کے بعد اس کا پورا کرنا لازم ہے احناف کے مسلک پر دلائل آگے مذکور ہیں۔

قوله: بعدو۔ یہ تفسیر بھی امام شافعی کے مسلک کے مطابق ہے کہ ان کے نزدیک احصار یعنی حج سے رکاوٹ صرف دشمن کی وجہ سے معتبر ہوتی ہے کیونکہ ہدی کے ذریعہ حلال ہونا دشمن سے محصر کی نجات کے لئے مشروع ہے اور حلال ہونے سے دشمن سے تو نجات مل جاتی ہے مگر مرض وغیرہ سے نہیں ملتی، احناف کا مسلک دلیل کے ساتھ آگے مذکور ہے۔

قوله: تیسر۔ اس تفسیر سے اشارہ فرمایا کہ استیسر میں "س" اور "ت" طلب کے لئے نہیں بلکہ تاکید کے لئے ہے لہٰذا استیسر بمعنی تیسّر ہے جیسے استصعب بمعنی صعب ہے، آگے لفظ علیکم کے اضافہ سے مفسر علام نے ایک اشکال کا ازالہ کیا ہے، اشکال یہ ہے کہ "فما استیسر من الهدی" جواب شرط ہے اور یہ جملہ تامہ نہیں جب کہ جواب شرط کے لئے جملہ تامہ ہونا شرط ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں "ما" مبتداء کی خبر "علیکم" محذوف ہے، لہٰذا مبتداء اپنی خبر محذوف سے مل کر جملہ تامہ ہو کر جواب شرط واقع ہے، تقدیری عبارت یوں ہے فعلیکم ما استیسر۔

(ترویح الارواح)

قوله: لاتتحللوا۔ اس تفسیر سے اشارہ فرمایا کہ آیت میں حلق بمعنی حلت ہے، یہ تفسیر بھی امام شافعی کے مسلک کے مطابق ہے کہ ان کے نزدیک محض سر منڈانے سے ہی حلال ہو جاتا ہے جیسا کہ آگے کی تفسیر "و به یحصل التحلل" سے

ظاہر ہے، مگر امام اعظم کے نزدیک محصر صرف ذبح سے حلال ہوتا ہے اس پر حلق وقصر واجب نہیں۔

قوله: وهو مكان الاحصار الخ یہ بھی امام شافعی علیہ الرحمہ کے مسلک کا بیان ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ آیت میں لفظ "محله" سے مراد امام شافعی کے نزدیک مقام احصار ہے یعنی جہاں آدمی دشمن کی وجہ سے آگے بڑھنے سے رک جائے وہیں قربانی کرے، عام ازیں کہ وہ مقام حل ہو یا حرم، امام شافعی کی دلیل حدیبیہ کا واقعہ ہے کہ جب کفار نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حدیبیہ میں روک دیا تو حضور نے وہیں قربانی کی اور بقول شوافع حدیبیہ حرم سے خارج ہے، جیسا کہ امام بخاری نے بھی اس کی تصریح فرمائی ہے مگر احناف کے نزدیک آیت میں وارد لفظ "محلـه" سے حرم مراد ہے لہٰذا محصر پر لازم ہے کہ وہ قربانی کا جانور حرم میں بھیجے اور جب جانور ذبح ہو جائے تو سر منڈا کر احرام کھولے۔ احناف کی دلیل یہ ہے کہ حدیبیہ کا بعض حصہ حرم سے خارج ہے اور بعض حرم میں داخل ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے جس حصہ میں قیام فرمایا تھا وہ حرم میں تھا، جیسا کہ علامہ بدر الدین عینی حنفی تحریر فرماتے ہیں۔

حدیبیہ کا بعض حصہ حرم سے خارج ہے اور بعض حصہ حرم میں ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حدیبیہ کے جس حصہ میں رکے تھے وہ حرم میں تھا اس کی دلیل یہ ہے کہ امام ابن ابی شیبہ نے ابو عمیس سے روایت کیا ہے کہ عطاء نے کہا ہے کہ حدیبیہ کے دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قیام حرم میں تھا۔ (عمدۃ القاری جلد ۱۰، ص ۱۴۹، مطبوعہ بیروت بحوالہ نزہۃ القاری)

قولـه: فحلق فى الاحرام۔ اس لفظ سے اشارہ فرمایا کہ فدیہ حلق سے مقید ہے یعنی کوئی مرض اور تکلیف بغیر حلق کے موجب فدیہ نہیں، یوں ہی حلق کو احرام سے مقید اس لئے فرمایا کہ احرام سے نکلنے کے بعد حلق موجب فدیہ نہیں ہے، آگے لفظ "علیہ" سے فدیہ کی خبر محذوف کی طرف اشارہ فرمایا۔

قولـه: بـان ذهب او لم يكن۔ چونکہ لفظ امنتم کے مشتق منہ میں دو احتمال ہے پہلا یہ کہ وہ امنة سے مشتق ہو جس کا معنی ہے زوال خوف، دوسرا یہ کہ وہ امن سے مشتق ہو جس کا معنی ہے ضد الخوف، لہٰذا بر تقدیر اول امنتم کا معنی ہوا "فـاذا زال عـنكم خوف العدو" اس صورت میں جس کا احصار زائل ہو گیا ہو اس کا حکم بطور عبارۃ النص ہوگا اور جو پہلے سے امن میں ہو اس کا حکم بطور دلالت النص مفہوم ہوگا، اور بر تقدیر ثانی امـنـتـم کا معنی ہوگا "جب تم امن واطمینان سے ہو اور تم کو کسی قسم کا خوف نہ لاحق ہو" مفسر علام نے اسی تفصیل کی طرف اپنے قول بان ذهب الخ سے اشارہ فرمایا ہے۔

قولـه: استـمتـع۔ اس اضافہ سے اشارہ فرمایا کہ تمتع کا لغوی معنی مراد ہے یعنی مطلق انتفاع، شرعی معنی یعنی انتفاع بالعمرۃ مراد نہیں، لہٰذا یہاں یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ تمتع کے ذکر کے بعد عمرہ کا ذکر لا حاصل ہے۔

قوله: احرم بها فى اشهره۔ یہاں فمن تمتع بالعمرة الى الحج سے یہ وہم پیدا ہو رہا تھا کہ شاید متمتع کے لئے اتمام عمرہ کے ساتھ احرام حج کا اتصال شرط ہے، اس وہم کا مفسر علام نے ازالہ فرمایا ہے اپنے قول احرم الخ سے یعنی متمتع کے لئے صرف یہ شرط ہے کہ اس کا عمرہ حج کے مہینہ میں ہو دونوں کا بلا فصل ہونا کچھ ضروری نہیں۔

قوله: الى وطنكم الى مكة الخ چونکہ لفظ رجعتم کی تفسیر میں شوافع اور احناف کے درمیان اختلاف ہے، شوافع

کے نزدیک واپسی سے مراد یہ ہے کہ جب حج کرنے والا اپنے گھر لوٹ آئے، تب وہ سات روزے رکھے۔احناف کہتے ہیں کہ واپسی سے مراد یہ ہے کہ حج کرنے والا افعال حج یعنی طواف زیارت، رمی جمار، ذبح اور حلق سے فارغ ہوجائے، تب سات روزے رکھے، گھر لوٹ آنا ضروری نہیں مفسر علام نے اپنے قول الیٰ وطنکم الخ سے یہی تفصیل بیان فرمائی ہے۔

قوله الحکم المذکور الخ یہ بھی حضرت امام شافعی کے مسلک کی طرف اشارہ ہے کہ ان کے نزدیک تمتع اور قران عام ہے آفاقی اور مکی دونوں کے لئے لہٰذا شافعی مسلک کے مطابق ذلك کا مشار الیہ وجوب ہدی یا وجوب صیام ہے مگر مکی چونکہ متمتع حکمی ہے اس لئے شوافع کے نزدیک بھی اس پر دم یا روزہ واجب نہیں، احناف کے نزدیک تمتع اور قران صرف آفاقی کے لئے ہے مکی کے لئے صرف حج افراد ہے، لہٰذا احناف کے مسلک کے مطابق ذلك کا مشار الیہ صرف تمتع ہے۔

قولہ: بان لم یکونوا علی مرحلتین الخ یہ تفسیر بھی مسلک شافعی کے مطابق ہے کہ ان کے نزدیک مکہ سے دو مرحلہ یعنی سفر قصر سے کم مسافت پر جو لوگ رہتے ہیں وہ حضری ہیں ان پر دم تمتع واجب نہیں اور نہ ہی روزہ واجب ہے، اور جو لوگ دو مرحلوں کی مسافت یا اس سے دور کے رہنے والے ہوں وہ آفاقی ہیں اور اگر وہ متمتع ہوں تو ان پر دم تمتع واجب ہے، امام اعظم کے نزدیک حدود میقات کے اندر رہنے والے حضری ہیں اور اس سے باہر رہنے والے آفاقی ہیں۔

قولہ: فی ذکر الاهل الخ اس سے اس مسئلہ کی وضاحت مقصود ہے کہ حاجی سے دم تمتع کب ساقط ہے، حاصل اس کا یہ ہے کہ حضری اگر حقیقی ہو یعنی حقیقتاً مکہ سے دو مرحلوں کی مسافت سے کم کا باشندہ ہو یا آفاقی ہو مگر حرم میں آکر اس نے اقامت شرعی کی نیت کر لی ہو یعنی پندرہ دن قیام کا ارادہ کر لیا ہو تو اس سے دم تمتع ساقط ہوجائے گا اور اگر آفاقی نے اقامت شرعی کی نیت نہ کی تو خواہ پندرہ دن سے زیادہ حرم میں اقامت اختیار کرے وہ حضری نہ ہوگا اور اس پر دم تمتع واجب ہوگا۔

فوائد: (۱) حج بقول راجح ۹ھ میں فرض ہوا اس میں تین فرائض ہیں اور پانچ واجبات، فرائض (۱) احرام باندھنا۔ (۲) عرفات میں ٹھہرنا (۳) طواف زیارت کرنا، واجبات (۱) مزدلفہ میں ٹھہرنا (۲) صفا مروہ کی سعی کرنا، (۳) جمروں پر کنکری مرنا، (۴) طواف وداع کرنا۔ (۵) حلق یا قصر کرانا۔ (خزائن العرفان)

(۲) ہدی قربانی کے جانور کو کہتے ہیں جو حرم میں بھیجا جائے اس میں اعلیٰ اونٹ اور ادنیٰ درجہ میں بکری ہے۔ (حقانی)

(۳) میقات اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں باہر سے قصد حرم کرنے والا جب پہنچے تو اسے حکم ہے کہ بغیر احرام باندھے آگے نہ بڑھے، مختلف اطراف کے لئے مختلف مقامات میقات ہیں اور یہ کل پانچ ہیں اہل مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ، اہل عراق کے لئے ذات عرق، اہل شام کے لئے جحفہ، اہل نجد کے لئے قرن، اہل یمن اور اہل ہندو پاک کے لئے یلملم۔

احناف کے نزدیک عمرہ سنت مؤکدہ ہے:

عمرہ سے متعلق شوافع کا مسلک گزرا کہ ان کے نزدیک واجب ہے شوافع کی ایک دلیل توضیح کے ضمن میں گزری ان حضرات کی دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عمر کا قول "لیس احد الا وعلیه حجة و عمرة" ہر شخص پر ایک حج اور ایک

عمرہ ہے۔اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول "انھا لقرینة فی کتاب اللّٰہ و اتمو الحج و العمرة للّٰہ "عمرہ کتاب اللہ میں حج کے ساتھ مذکور ہے کہ فرمایا حج اور عمرہ اللہ کے لئے پورا کرو۔ یہ دونوں اقوال امام بخاری نے تعلیقاً اپنی صحیح بخاری میں نقل کئے ہیں جس کا مقصد وجوب عمرہ کو ثابت کرنا ہے۔ مگر ظاہر ہے یہ ان حضرات کا اجتہاد اور اپنا اپنا فتویٰ ہے جو بہر حال حدیث حسن صحیح کے مقابل مرجوح ہے، احناف کے نزدیک عمرہ سنت مؤکدہ ہے اور دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عمرہ کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کیا وہ واجب ہے؟ فرمایا نہیں، تم لوگ عمرہ کرو افضل ہے، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ (جامع ترمذی حصہ اول، ص ۱۸۶، مکتبہ سعد، دیوبند)

احصار سے متعلق احناف کا مسلک:

احصار کے تعلق سے شوافع کا مسلک گزرا کہ ان کے نزدیک اگر دشمن سفر حج پر جانے والے کو راستہ میں کسی جگہ روک لے تو یہ احصار ہے، مگر احناف کے نزدیک راستہ میں دشمن کے روکنے کے علاوہ اگر بیمار ہو جائے یا کسی اور وجہ سے سفر کے قابل نہ رہے تو یہ بھی احصار ہے، لغت میں احصار اسی کو کہتے ہیں اور احادیث بھی اسی کی مؤید ہیں، چنانچہ امام بخاری لکھتے ہیں۔

عطاء نے کہا ہر وہ چیز جو حج کرنے سے روک دے وہ احصار ہے۔ (بخاری جلد اول، ص ۲۴۳، مکتبہ تھانوی، دیوبند)

امام بخاری نے ایک اور روایت یوں ذکر کی ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس شخص کو کوئی عذر حج کرنے سے روک دے یا اس کے سوا اور کوئی چیز مانع ہو تو وہ حلال ہو جائے گا اور رجوع نہ کرے گا اور جس وقت وہ محصر ہو تو اگر اس کے پاس قربانی کا جانور ہو اور وہ اس کو حرم میں بھیجنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہیں ذبح کردے، اور اگر حرم میں بھیجنے کی استطاعت رکھتا ہو تو جب تک وہ قربانی حرم میں ذبح نہیں ہوگی وہ حلال نہیں ہوگا۔ (ایضاً)

اس حدیث میں عذر کا لفظ ہے جو عام ہے دشمن کے منع کرنے اور بیمار پڑنے دونوں کو جس سے ثابت ہوا کہ احصار صرف دشمن کی وجہ سے نہیں ہوتا۔

اقسام حج : حج کی تین قسمیں ہیں (۱) افراد یعنی حج کے دنوں میں صرف حج کرے، اس میں قربانی واجب نہیں اور یہ آفاقی اور مکی سب کے لئے ہے، امام شافعی کے نزدیک سب سے افضل حج کا یہی طریقہ ہے، کہ ان کے بقول حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حج افراد کیا تھا۔ (۲) تمتع، ایک سفر میں ایام حج میں پہلے عمرہ کا احرام باندھے، اور طواف وسعی کرنے کے بعد حلق کر کے اس احرام سے فارغ ہو جائے، پھر وقت پر حج کا احرام باندھے اور مناسک حج ادا کرے۔ (۳) قران، ایک ساتھ ہی حج وعمرہ کا احرام باندھے پہلے عمرہ کے ارکان ادا کرے اور بدستور احرام میں رہے یہاں تک کہ ایام حج میں حج کے ارکان ادا کر کے حلق کرائے اور احرام سے فارغ ہو جائے، احناف کے نزدیک حج کی یہ دونوں قسمیں صرف آفاقی کے لئے ہیں اور ان کے نزدیک سب سے افضل قران ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج قران ہی کیا تھا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حج قران تھا

حج قران اور حج افراد کے متعلق احناف اور شوافع کا مسلک گزرا کہ امام اعظم کے نزدیک حج قران افضل ہے اور امام شافعی کے نزدیک حج افراد، اس اختلاف میں امام مالک امام شافعی کے ساتھ ہیں اور امام احمد بن حنبل امام اعظم کے ساتھ جب کہ بعض دیگر علما کے نزدیک حج تمتع افضل ہے، اس اختلاف کی بنیاد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حج ہے جسے حجۃ الوداع کہتے ہیں۔ روایات اس سلسلہ میں مختلف ہیں کہ یہ حج قران تھا یا حج افراد یا حج تمتع، بعض روایات سے قران کی تائید ہوتی ہے بعض سے افراد کی اور بعض سے تمتع کی، ایک ہی حج میں اس قدر اختلاف کی وجہ بیان کرتے ہوئے امام طحاوی لکھتے ہیں۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حج قران کیا تھا احرام باندھتے وقت حج اور عمرہ دونوں کی نیت کی تھی۔ اور تلبیہ کہتے وقت جب آپ نے "لبیك بحجة" فرمایا تو بعض صحابہ نے سمجھا کہ آپ نے صرف حج کا احرام باندھا ہے، تو انھوں نے حج افراد کی روایت کی، اور جب آپ نے لبیك بعمرة فرمایا اور اس کے بعد حج کیا تو بعض صحابہ نے سمجھا کہ حج تمتع ادا فرمایا ہے اور جب آپ نے لبیك بحج و عمرة فرمایا تو اس سے بعض صحابہ نے یہ سمجھا کہ آپ نے حج قران کیا ہے۔ (شرح معانی الآثار جلد اول، ص ۳۷۹ غزالی بکڈپو دیوبند)

مگر تحقیق یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج قران ہی ادا فرمایا تھا، یہاں اختصار کے ساتھ چند دلائل پیش ہیں۔

(۱) صحیح بخاری شریف میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ ''حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں مدینہ میں چار رکعات نماز ظہر پڑھائی اور ذوالحلیفہ میں عصر کی نماز دو رکعت پڑھائی، رات ذوالحلیفہ میں گزاری، صبح کو اپنی سواری پر سوار ہوئے اور جب مقام بیداء میں وہ سواری سیدھی کھڑی ہوگئی تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح کی اور پھر حج اور عمرہ کا احرام باندھا اور لوگوں نے بھی حج اور عمرہ کا احرام باندھا۔ جب ہم آگے گئے تو آپ نے لوگوں کو حلال ہونے کا حکم دیا اور انھوں نے یوم ترویہ (آٹھ ذوالحجہ) کو حج کا احرام باندھا (جلد اول ۲۱۰ مکتبہ تھانوی، دیوبند)

(۲) مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں عمرہ کا حج کے ساتھ تمتع کیا اور قربانی کی اور ذوالحلیفہ سے اپنے ساتھ ہدی لے گئے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہلے عمرہ کا احرام باندھا، پھر حج کا احرام باندھا۔ (جلد اول ص ۴۰۳، اشرفی بکڈپو، دیوبند)

(۳) نسائی میں مروان بن حکم کی روایت ہے کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھا تھا انھوں نے سنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہہ رہے تھے۔ "اللهم لبيك بحج و عمرة" حضرت عثمان نے کہا آپ اس سے باز نہیں آتے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حج اور عمرہ کے ساتھ تلبیہ کرتے ہوئے سنا ہے اور میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول کو آپ کے کہنے سے نہیں چھوڑ سکتا۔ (جلد دوم ص ۱۳، اشرفی بکڈپو، دیوبند)

ان صریح اور واضح احادیث سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حج قران ہی ادا کیا تھا مذکورہ احادیث

کے علاوہ بھی کئی دیگر احادیث ہیں جن سے حجۃ الوداع کے حج قران ہونے کا ثبوت ملتا ہے مگر یہاں سب کے ذکر کی گنجائش نہیں، تفصیل کے لئے مطولات کا مطالعہ کیجئے ہم یہاں مسئلہ بالا سے متعلق علامہ بدر الدین عینی کی تحقیق پر اپنی گفتگو ختم کرتے ہیں، موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ:

افضلیت قران پر دلیل یہ ہے کہ صحیح بخاری میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے پاس ہدی ہو وہ حج اور عمرہ کو ملا کر احرام باندھے" اور یہ بعینہ قران ہے، نیز فرمایا "پھر جب تک وہ ان دونوں سے حلال نہ ہو اس وقت تک حلال نہ ہو" اور یہی قران کا حکم ہے، علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قران کا حکم دیا (عمدۃ القاری جلد ۹ ص ۱۸۴، مطبوعہ بیروت)

﴿اَلْحَجُّ﴾ وَقْتُهٗ ﴿اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ﴾ شَوَّالٌ وَ ذُوْ الْقَعْدَةِ وَ عَشْرُ لَيَالٍ مِّنْ ذِي الْحِجَّةِ وَ قِيْلَ كُلُّهٗ ﴿فَمَنْ فَرَضَ﴾ عَلٰى نَفْسِهٖ ﴿فِيْهِنَّ الْحَجَّ﴾ بِالْاِحْرَامِ بِهٖ ﴿فَلَا رَفَثَ﴾ جِمَاعَ فِيْهِ ﴿وَ لَا فُسُوْقَ﴾ مَعَاصِيَ ﴿وَ لَاجِدَالَ﴾ خِصَامَ ﴿فِي الْحَجِّ﴾ وَ فِيْ قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ الْاَوَّلَيْنِ وَ الْمُرَادُ فِي الثَّلٰثَةِ النَّهْيُ ﴿وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ﴾ كَصَدَقَةٍ ﴿يَعْلَمْهُ اللّٰهُ﴾ فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ وَ نَزَلَ فِيْ اَهْلِ الْيَمَنِ وَ كَانُوْا يَحُجُّوْنَ بِلَا زَادٍ فَيَكُوْنُوْنَ كَلًّا عَلَى النَّاسِ ﴿وَ تَزَوَّدُوْا﴾ مَا يُبَلِّغُكُمْ بِسَفَرِكُمْ ﴿فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى﴾ مَا يُتَّقٰى بِهٖ سُؤَالُ النَّاسِ وَغَيْرُهٗ ﴿وَ اتَّقُوْنِ يٰاُولِي الْاَلْبَابِ﴾ ذَوِي الْعُقُوْلِ ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ﴾ فِيْ ﴿اَنْ تَبْتَغُوْا﴾ تَطْلُبُوْا ﴿فَضْلًا﴾ رِزْقًا ﴿مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ بِالتِّجَارَةِ فِي الْحَجِّ نَزَلَ رَدًّا لِكَرَاهَتِهِمْ ذٰلِكَ ﴿فَاِذَآ اَفَضْتُمْ﴾ دَفَعْتُمْ ﴿مِنْ عَرَفَاتٍ﴾ بَعْدَ الْوُقُوْفِ بِهَا ﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ﴾ بَعْدَ الْمَبِيْتِ بِمُزْدَلِفَةَ بِالتَّلْبِيَةِ وَ التَّهْلِيْلِ وَالدُّعَاءِ ﴿عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ﴾ هُوَ جَبَلٌ فِيْ اٰخِرِ الْمُزْدَلِفَةِ يُقَالُ لَهٗ قُزَحُ وَ فِي الْحَدِيْثِ اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَ بِهٖ يَذْكُرُ اللّٰهَ وَ يَدْعُوْ حَتّٰى اَسْفَرَ جِدًّا رَوَاهُ مُسْلِمٌ ﴿وَ اذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰكُمْ﴾ لِمَعَالِمِ دِيْنِهٖ وَ مَنَاسِكِ حَجِّهٖ وَ الْكَافُ لِلتَّعْلِيْلِ ﴿وَ اِنْ﴾ مُخَفَّفَةٌ ﴿كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهٖ﴾ قَبْلَ هُدَاهُ ﴿لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝﴾ ﴿ثُمَّ اَفِيْضُوْا﴾ يَا قُرَيْشُ ﴿مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ﴾ اَيْ مِنْ عَرَفَةَ بِاَنْ تَقِفُوْا بِهَا مَعَهُمْ وَ كَانُوْا يَقِفُوْنَ بِالْمُزْدَلِفَةِ تَرَفُّعًا عَنِ الْوُقُوْفِ مَعَهُمْ وَ ثُمَّ لِلتَّرْتِيْبِ فِي الذِّكْرِ ﴿وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ﴾ مِنْ ذُنُوْبِكُمْ ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ﴾ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿رَحِيْمٌ ۝﴾ بِهِمْ ﴿فَاِذَا قَضَيْتُمْ﴾ اَدَّيْتُمْ ﴿مَنَاسِكَكُمْ﴾ عِبَادَاتِ حَجِّكُمْ بِاَنْ رَمَيْتُمْ جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ وَ حَلَقْتُمْ وَ طُفْتُمْ وَ اسْتَقْرَرْتُمْ بِمِنٰى ﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ﴾ بِالتَّكْبِيْرِ وَ الثَّنَاءِ ﴿كَذِكْرِكُمْ اٰبَآئَكُمْ﴾ كَمَا كُنْتُمْ تَذْكُرُوْنَهُمْ عِنْدَ فَرَاغِ حَجِّكُمْ بِالْمَفَاخِرِ ﴿اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا﴾ مِنْ ذِكْرِكُمْ اِيَّاهُمْ وَ نَصَبُ اَشَدَّ عَلَى الْحَالِ مِنْ ذِكْرِ الْمَنْصُوْبِ بِاُذْكُرُوْا اِذْ لَوْ تَاَخَّرَ عَنْهُ لَكَانَ صِفَةً لَهٗ ﴿فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا﴾ نَصِيْبَنَا ﴿فِي الدُّنْيَا﴾ فَيُؤْتَاهُ فِيْهَا ﴿وَ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝﴾ نَصِيْبٍ ﴿وَ مِنْهُمْ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً﴾ نِعْمَةً ﴿وَ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً﴾ هِيَ الْجَنَّةُ ﴿وَّ

قِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ بِعَدَمِ دُخُولِهَا وَ هٰذَا بَيَانٌ لِمَا كَانَ عَلَيْهِ الْمُشْرِكُوْنَ وَ لِحَالِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْقَصْدُ بِهِ الْحَثُّ عَلٰى طَلَبِ خَيْرِ الدَّارَيْنِ كَمَا وَعَدَ بِالثَّوَابِ عَلَيْهِ بِقَوْلِهِ ﴿أُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ﴾ ثَوَابٌ مِّنْ اَجْلِ ﴿مِمَّاكَسَبُوْا﴾ عَمِلُوْا مِنَ الْحَجِّ وَ الدُّعَاءِ ﴿وَ اللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ يُحَاسِبُ الْخَلْقَ كُلَّهُمْ فِيْ قَدْرِ نِصْفِ نَهَارٍ مِنْ اَيَّامِ الدُّنْيَا لِحَدِيْثٍ بِذٰلِكَ.

ترجمہ: ﴿حج﴾ کا وقت ﴿چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں﴾ شوال، ذوالقعدۃ اور ذوالحجہ کی دس راتیں اور بعض نے کہا کہ ذوالحجہ کا پورا مہینہ ﴿پس جو لازم کرلے﴾ اپنی ذات پر ﴿ان میں حج کو﴾ حج کا احرام باندھ کر ﴿تو نہ بے حیائی کی بات ہو﴾ جماع ﴿اور نہ نافرمانی﴾ گناہ ﴿اور نہ جھگڑا﴾ بحث وتکرار ﴿حج کے دنوں میں﴾ اور ایک قرأۃ میں اول کے دونوں صیغے (رفث، فسوق) فتحہ کے ساتھ ہیں اور تینوں صیغوں سے مراد نہی ہے ﴿اور تم جو بھلائی کرو﴾ مثلاً خیرات ﴿اللہ اسے جانتا ہے﴾ تو وہ تمہیں اس کا بدلہ دے گا اور آنے والی آیت اہل یمن کے بارے میں نازل ہوئی جو بلا زادراہ حج کرتے اور لوگوں پر بوجھ بن جاتے تھے ﴿اور توشہ ساتھ لو﴾ جو تمہارے سفر میں تمہیں کفایت کرے ﴿کہ سب سے بڑھکر توشہ پرہیزگاری ہے﴾ کہ جس کے ذریعہ لوگوں سے سوال وغیرہ کرنے سے بچا جائے ﴿اور مجھ سے ڈرتے رہو اے عقل مندو!﴾ ذی ہوش لوگو! ﴿تم پر کچھ گناہ نہیں﴾ اس میں کہ ﴿تم تلاش کرو﴾ طلب کرو ﴿اپنے رب کا فضل﴾ ایام حج میں تجارت کے ذریعہ، جو لوگ اسے ناپسند کرتے تھے ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی ﴿پھر جب پلٹو﴾ تم واپس لوٹو ﴿عرفات سے﴾ وقوف عرفہ کے بعد ﴿تو اللہ کا ذکر کرو﴾ مزدلفہ میں رات گزارنے کے بعد تلبیہ، تہلیل اور دعا کے ساتھ ﴿مشعر حرام کے پاس﴾ یہ مزدلفہ کے آخر میں ایک پہاڑ ہے جسے قزح کہتے ہیں حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس مقام پر قیام فرمایا اور اللہ کا ذکر اور دعا کرتے رہے یہاں تک کہ خوب اجالا ہوگیا، (رواہ مسلم) ﴿اور اس کا ذکر کرو جیسے اس نے تمہیں ہدایت فرمائی﴾ اپنے دین کے احکام اور مسائل حج کی اور (کما) میں کاف تعلیلیہ ہے ﴿اور بے شک﴾ ان مخففہ ہے ﴿تم اس سے پہلے﴾ اس کی رہنمائی سے پہلے ﴿بہکے ہوئے تھے، پھر تم بھی وہیں سے پلٹو﴾ اے قریشیو! ﴿جہاں سے لوگ پلٹتے ہیں﴾ یعنی عرفات سے اس طرح کہ تم بھی ان کے ساتھ وہیں قیام کرو اور قریش مزدلفہ میں ٹھہرتے تھے لوگوں کے ساتھ قیام سے خود کو برتر سمجھتے ہوئے اور ثم تو تیب ذکری کے لئے ہے۔ ﴿اور اللہ سے معافی مانگو﴾ اپنے گناہوں سے ﴿بے شک اللہ بخشنے والا ہے﴾ مؤمنین کو ﴿رحم کرنے والا ہے﴾ ان کے ساتھ ﴿پھر جب تم پورے کر چکو﴾ ادا کر چکو ﴿اپنے حج کے ارکان﴾ حج کی عبادتوں کو اس طرح کہ جمرہ عقبہ کی رمی کر چکو اور حلق وطواف سے فارغ ہو کر منیٰ میں ٹھہر جاؤ ﴿تو اللہ کا ذکر کرو﴾ تکبیر اور ثنا کے ذریعہ ﴿جیسے اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے تھے﴾ جیسے تم حج سے فارغ ہو کر بطور تفاخر ان کا ذکر کرتے تھے ﴿بلکہ اس سے بھی زیادہ﴾ یعنی اپنے باپ دادا کے ذکر سے بھی زیادہ اور لفظ اشد، ذکرا سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے جو اذکروا کی وجہ سے منصوب ہے اور (وجہ تقدیم یہ ہے کہ) اگر مؤخر کر دیا جاتا تو وہ ذکر کی صفت ہو جاتا ﴿اور کچھ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب دیدے ہمیں﴾ ہمارا حصہ ﴿دنیا ہی میں﴾ تو وہ انہیں دنیا میں دے دیا جاتا ہے ﴿اور آخرت میں ان کا کچھ حصہ

نہیں ﴾ کچھ نصیب نہیں ﴿اور کوئی یوں کہتا ہے کہ اے رب ہمارے ہمیں دنیا میں بھلائی دے﴾ نعمت ﴿اور ہمیں آخرت میں بھلائی دے﴾ یعنی جنت ﴿اور ہمیں عذاب دوزخ سے بچا﴾ اس میں داخل نہ کر کے اور یہ مشرکین کے طریقہ اور حال مسلمین کا بیان ہے جس کا مقصد دنیا اور آخرت کی بھلائی طلب کرنے پر ابھارنا ہے چنانچہ اس پر ثواب کا وعدہ بھی فرمایا اپنے اس قول سے ﴿انہیں لوگوں کو بڑا حصہ ملے گا﴾ ثواب ﴿ان کی کمائی سے﴾ ان کے اعمال حج اور دعا کی وجہ سے ﴿اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب چکانے والا ہے﴾ پوری مخلوق کا حساب چکادے گا دنیا کے دنوں کے لحاظ سے نصف دن میں جیسا کہ حدیث میں ہے۔

توضیح و تشریح: قوله وَقْتُهُ. یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ پیدا ہوا کہ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ کا معنی ہوا "حج مہینے ہیں" اور ظاہر ہے یہ معنی درست نہیں، جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں الحج سے پہلے مضاف محذوف ہے، تقدیری عبارت ہے "وقت الحج اشهر معلومات" فلا اعتراض.

قوله: و قيل كله. یہ اشارہ ہے حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم، عطا، طاؤس زہری، ربیع اور امام مالک علیہم الرحمہ کے قول کی جانب، کہ ان حضرات کے نزدیک شوال، ذوالقعدہ اور پورا ذوالحجہ حج کے مہینے ہیں۔

قوله: بالاحرام به. یہ امام احمد و امام شافعی کے مسلک کی طرف اشارہ ہے کہ ان کے نزدیک حج کی نیت سے احرام باندھنے سے حج فرض ہو جاتا ہے خواہ تلبیہ پڑھے یا نہ پڑھے، جب کہ احناف کے نزدیک حج کی نیت کے ساتھ احرام باندھ کر تلبیہ پڑھنے یا حج کی نیت سے احرام باندھ کر قربانی کے جانور کے گلے میں ہار ڈال کر اس کو روانہ کرنے سے حج فرض ہوتا ہے اس اختلاف میں امام مالک بھی امام شافعی کے ساتھ ہیں۔

قوله: جماع فيه. یہ دفع دخل مقدر ہے، اعتراض یہ ہے کہ شرط کی جزا کے لئے جملہ تامہ ہونا ضروری ہے مگر یہاں ایسا نہیں، کیونکہ فمن فرض، شرط ہے اور اس کی جزا لا رفث ہے جو جملہ تامہ نہیں کہ لائے نفی جنس کا اسم "رفث" تو ہے مگر خبر نہیں ہے، حاصل جواب یہ ہے کہ یہاں لفظ رفث کے بعد فیہ محذوف ہے جو اپنے متعلق محذوف مثلاً جائز وغیرہ سے مل کر لائے نفی جنس کی خبر ہے اور لائے نفی جنس اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ تامہ ہو گیا اور یہی جملہ شرط کی جزاء ہے۔

قوله: و فى قرأة. یہ اختلاف قرأت کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ابن کثیر اور ابو عمرو کی قرأت میں اوّلین (رفث، فسوق) کا رفع ہے اور تیسرے کا فتحہ، باقی قراء کے نزدیک تینوں کا فتحہ ہے، اغلب یہ ہے کہ مفسر علام کے پیش نظر قرآن پاک کا ایسا نسخہ رہا ہو جس میں اوّلین پر رفع ہے، اسی لئے فرمایا "و فى قرأة فتح الاولين".

والمراد فى الثلثة النهى. یہ اس سوال کا جواب ہے کہ آیت میں فلا رفث، و لافسوق و لاجدال نفی کے صیغے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حج میں فحش گوئی فسق اور جھگڑا وغیرہ کا وجود نہیں حالانکہ ان چیزوں کا ایام حج میں وقوع مشاہد ہے اس سے کلام الٰہی میں تخلف لازم آتا ہے حالانکہ یہ ممکن نہیں، جواب یہ ہے کہ آیت میں مذکور نفی بمعنی نہی ہے۔ یعنی و لاترفثوا، و لاتفسقوا، و لاتجادلوا کے معنی میں ہے مگر نہی کو نفی سے اس لئے تعبیر فرمایا کہ نفی میں مبالغہ ہوتا ہے، گویا آیت میں مذکورہ چیزوں کی نفی نہیں بلکہ مبالغہ کے ساتھ ممانعت مقصود ہے۔ (ترویح الارواح)

قولہ: فیجازیکم بہ۔ یہ بھی دفع دخل مقدر ہے، کہ اللہ تعالیٰ خیر وشر دونوں کو جانتا ہے پھر یہاں محض خیر کے ساتھ علم الٰہی کی تخصیص کیوں؟ جواب یہ ہے کہ یہاں مقصود خیر پر ابھارنا ہے چونکہ اللہ تعالیٰ نے نیک کام کرنے پر ثواب عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اور جب بندے کو یہ معلوم ہوگا کہ اسے نیکی کرنے پر اچھی جزا ملے گی تو وہ نیکی کی طرف سبقت کرے گا، اس لئے یہاں صرف خیر کا ذکر ہوا ورنہ اللہ تعالیٰ عالم کل شئی ہے۔

قولہ: ما یبلغکم لسفرکم۔ یہ تزودوا کے مفعول محذوف کی طرف اشارہ ہے، آگے و ما یتقی بہ سوال الناس سے اشارہ فرمایا کہ آیت میں لفظ تزودوا اپنے معنی حقیقی میں ہے یعنی اس سے مراد سفر کا خرچ اور توشہ ہے اور تقوی کا شرعی معنی مراد نہیں بلکہ اس کا مجازی معنی مراد ہے یعنی بھیک مانگنے سے بچنا۔

قولہ: بعد الوقوف بہا۔ اس میں اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ وقوف عرفات کا وجوب اسی آیت سے ثابت ہے کہ عرفات سے رجوع بغیر وقوف کے ممکن نہیں، اس میں ان علما کا رد بھی ہے جنھوں نے کہا ہے کہ "فاذا افضتم" کے مخاطب صرف قریش ہیں، وجہ رد ظاہر ہے کہ اس صورت میں وقوف عرفہ کا وجوب صرف قریش کیلئے ثابت ہوگا اور یہ صحیح نہیں۔

خیال رہے کہ عرفات اصطلاح میں اس میدان کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے نو میل کے فاصلہ پر مزدلفہ سے تین میل آگے واقع ہے، حجاج کرام کو حکم ہے کہ نویں ذوالحجہ کی فجر منیٰ میں ادا کرکے عرفات روانہ ہو جائیں، وہاں اگر جماعت میسر ہو تو ظہر اور عصر ملا کر پڑھیں اور تنہا پڑھیں تو دونوں کو ان کے وقتوں میں ادا کریں، یہاں آفتاب ڈوبنے تک قیام کریں اور دعا وغیرہ میں مشغول رہیں پھر آفتاب غروب ہونے کے بعد مزدلفہ کے لئے روانہ ہو جائیں اسی کو وقوف عرفات کہتے ہیں، یہ حج کا رکن اعظم ہے، جس پر مدار حج ہے کہ یہ اگر فوت ہو جائے تو حج فوت ہو جائے گا۔

قولہ: لمعالم دینہ الخ اس اضافہ سے اشارہ فرمایا کہ آیت میں ہدایت سے مطلق ہدایت مراد نہیں بلکہ اس سے مراد خاص مناسک حج ہیں کہ یہی معنی یہاں مناسب ہے، آگے و الکاف للتعلیل سے اشارہ فرمایا کہ کماھدکم میں کاف تعلیلیہ ہے تشبیہ کے لئے نہیں، یعنی آیت کا معنی ہے تم اللہ کا ذکر اس لئے کرو کہ اس نے تمہیں مناسک حج ادا کرنے کی توفیق دی یا مناسک حج کی ہدایت دی۔

قولہ: یا قریش۔ اس سے اشارہ فرمایا کہ یہاں خطاب قریش سے ہے، تاکہ خطاب کے عام ہونے کا وہم نہ پیدا ہو کہ اگر خطاب تمام لوگوں کے لئے عام ہو تو آگے کا جملہ من حیث افاض الناس بے معنی ہو جائے گا، کیونکہ اس صورت میں عبارت اصل میں یوں ہوگی "ثم افیضوا ایھا الناس من حیث افضتم."

خیال رہے یہاں خصوصیت کے ساتھ قریش سے اس لئے خطاب ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کی طرح عرفات میں وقوف کرنے میں اپنی ہتک محسوس کرتے تھے اور مزدلفہ میں ہی ٹھہرے رہتے، اس کی وجہ یہ بیان کرتے کہ ہم اہل اللہ اور اس کے حرم کے باشندے و پاسبان ہیں، اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ مغرورانہ ادا پسند نہ آئی اور انہیں حکم دیا کہ جہاں سے سب لوٹتے ہیں وہیں سے تم بھی لوٹو۔

قوله: ثم للترتیب فی الذکر۔ یہ ایک اشکال کا ازالہ ہے، اشکال یہ ہے کہ "فاذا افضتم من عرفات" میں عرفات سے روانہ ہونے کا ذکر ہے اور اسی پر ثم افیضوا الخ کا عطف ہے اور اس میں بھی عرفات سے روانگی کا ذکر ہے اور ثم تراخی کے لئے ہے، لہٰذا تراخی الشئ عن نفسه لازم آیا، جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں ثم تراخی کے لئے نہیں بلکہ ترتیب ذکری کے لئے ہے۔ فلا اعتراض (ترویح الارواح)

قوله: من ذکرکم ایاهم الخ اس اضافہ سے اشارہ فرمایا کہ من تفضیلیہ محذوف ہے، تاکہ اسم تفضیل کے استعمال کے جو تین طریقے متعین ہیں ان سے خالی ہونے کا اعتراض نہ پڑے، آگے و نصب اشد الخ سے لفظ اشد کے منصوب ہونے کی وجہ بیان فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ لفظ "اشدا ذکروا" کے مفعول مطلق یعنی ذکرا سے حال واقع ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور ذوالحال پر مقدم اس لئے ہے کہ مؤخر ہونے کی صورت میں صفت ہونے کا شبہ ہوتا جس سے لفظ ذکر کے بلا فصل مکرر ہونے کا عیب پیدا ہو جاتا۔

قوله: فیؤتاه فیها۔ اس اضافہ سے اشارہ فرمایا کہ آگے کا جملہ یعنی "و ماله فی الاخرة من خلاق" کا عطف محذوف پر ہے، مذکور یعنی ربنا اٰتنا الخ پر نہیں، کہ یہ انشاء ہے اور و ماله الخ خبر ہے اور خبر کا عطف انشاء پر جائز نہیں، اور اس لئے بھی کہ اگر و ماله الخ کا عطف مذکور پر ہو تو یہ وہم پیدا ہوگا کہ دونوں ہی بعض لوگوں کا قول ہے۔ حالانکہ ربنا اٰتنا الخ بعض انسانوں کے مقولہ سے ہے اور و ماله الخ اللہ تعالیٰ کے مقولہ سے ہے۔

حج ادا کرنے کا طریقہ:

حج کرنے ولا آٹھ ذوالحجہ کو صبح کی نماز مسجد حرام میں ادا کرے، پھر حج کی نیت سے غسل کر کے احرام باندھے دو رکعت نماز پڑھے اور یہ دعا کرے "اے اللہ میں حج کا ارادہ کرتا ہوں تو اس کو میرے لئے آسان کر دے اور قبول فرما" پھر مکہ مکرمہ سے منیٰ کے لئے روانہ ہو جائے اور وہاں پہنچ کر ظہر کی نماز پڑھے، حج کی سعی کو طواف پر مقدم کرنا جائز ہے اس لئے آسانی اس میں ہے کہ سات ذوالحجہ کو احرام باندھ لے اور حج کی سعی کرے اور آٹھ تاریخ کو فجر کی نماز کے بعد منیٰ روانہ ہو جائے۔ اور بقیہ نمازیں منیٰ میں ادا کرے۔

نویں ذوالحجہ کی فجر پڑھکر عرفات کے لئے روانہ ہو، اگر امام کے ساتھ نماز پڑھے تو ظہر کے وقت میں ظہر اور عصر دونوں نمازوں کو جمع کر کے پڑھے ورنہ ہر نماز اپنے وقت میں پڑھے اس کے بعد جبل رحمت کے قریب کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر بلند آواز سے دعا مانگے اور سورج ڈوبنے تک دعا ہی میں مصروف رہے، غروب آفتاب کے بعد میدان عرفات سے مزدلفہ کے لئے روانہ ہو، یہاں مغرب کی نماز عشاء کے وقت میں پڑھے اور مغرب کی سنتوں کو ترک کر دے، طلوع فجر کے بعد صبح کی نماز اول وقت میں پڑھے اس کے بعد وقوف کرے۔ (کھڑے ہو کر دعا کرے) وقوف کا وقت طلوع فجر سے لے کر طلوع شمس تک ہے، جب خوب روشنی پھیل جائے تو منیٰ کے لئے روانہ ہو اور جمرہ عقبہ کو رمی کرے۔ پانچ ہاتھ کے فاصلہ سے سات کنکریاں

مارے، ہر کنکری مارتے وقت اللہ اکبر کہے، رمی کے بعد قربانی کرے پھر سر کے بال منڈوالے یا کٹوالے مگر منڈانا افضل ہے، اس کے بعد وہ حلال ہو گیا اور بیوی سے جماع کے علاوہ اس پر ہر چیز حلال ہو گئی۔

پھر ایام نحر کے تین دنوں میں سے کسی ایک دن مکہ جا کر طواف زیارت کرے۔ اگر پہلے سعی کر چکا ہے تو اس طواف میں رمل نہیں کرے گا۔ اور اگر پہلے سعی نہیں کی تو پہلے تین چکروں میں رمل کرے اور سات چکر پورے کرے، دو رکعت نماز طواف پڑھے اس کے بعد حج کے فرائض ادا ہو گئے، وقوف مزدلفہ، حج کی سعی اور رمی جمرات واجب ہیں، ان میں سے کسی ایک کے بھی ترک کرنے سے دم لازم آئے گا۔

دس ذوالحجہ کو طواف زیارت کرنے کے بعد منیٰ لوٹ آئے اور رات وہاں گزارے اور گیارہ تاریخ کو زوال کے بعد تینوں جمرات پر رمی کرے اور جمرہ پر سات سات کنکریاں مارے، پھر بارہ تاریخ کو اسی طرح کنکریاں مارے، دس تاریخ کو رمی کا وقت فجر سے غروب تک ہے اور گیارہ و بارہ تاریخ کو زوال سے لے کر غروب تک ہے، تیرہ تاریخ کو طلوع فجر سے پہلے منیٰ سے مکہ روانہ ہو سکتا ہے اور اگر تیرہ تاریخ کی فجر پالیا تو پھر اس دن کی رمی کرنی ہوگی، جب مکہ مکرمہ سے روانہ ہونے کا ارادہ کرے تو الوداعی طواف کرے اس کو طواف صدر کہتے ہیں اور یہ طواف واجب ہے۔ اور ابتدائی طواف کو طواف قدوم کہتے ہیں، یہ مستحب ہے، اور طواف زیارت فرض ہے۔

طواف وداع کرنے کے بعد حج کے تمام ارکان اور واجبات ادا ہو گئے اور حج مکمل ہو گیا، اس کے بعد مدینہ منورہ کا سفر کرے اور وہاں آٹھ یا نو دن کے قیام میں کوشش کرے کہ مسجد نبوی میں متواتر چالیس نمازیں پڑھے، اور اگر حج نفل ہو تو بہتر ہے کہ پہلے مدینہ منورہ حاضری دے۔ (تبیان القرآن مع حذف واضافہ)

﴿وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ﴾ بِالتَّكْبِيْرِ عِنْدَ رَمْيِ الْجَمَرَاتِ ﴿فِیْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ﴾ اَیْ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ الثَّلَاثَةِ ﴿فَمَنْ تَعَجَّلَ﴾ اَیْ اِسْتَعْجَلَ بِالنَّفَرِ مِنْ مِنًى ﴿فِیْ يَوْمَيْنِ﴾ اَیْ فِیْ ثَانِیْ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ بَعْدَ رَمْيِ جِمَارِهٖ ﴿فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ﴾ بِالتَّعْجِيْلِ ﴿وَ مَنْ تَاَخَّرَ﴾ بِهَا حَتّٰى بَاتَ لَيْلَةَ الثَّالِثِ وَ رَمٰى جِمَارَهٗ ﴿فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ﴾ بِذٰلِكَ اَیْ هُمْ مُخَيَّرُوْنَ فِیْ ذٰلِكَ وَ نَفْيُ الْاِثْمِ ﴿لِمَنِ اتَّقٰى﴾ اللّٰهَ فِیْ حَجِّهٖ لِاَنَّهُ الْحَاجُّ عَلَى الْحَقِيْقَةِ ﴿وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝﴾ فِی الْاٰخِرَةِ فَيُجَازِيْكُمْ بِاَعْمَالِكُمْ ﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ وَ لَا يُعْجِبُكَ فِی الْاٰخِرَةِ لِمُخَالَفَتِهٖ لِاعْتِقَادِهٖ ﴿وَ يُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِیْ قَلْبِهٖ﴾ اِنَّهٗ مُوَافِقٌ لِقَوْلِهٖ ﴿وَ هُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ﴾ شَدِيْدُ الْخُصُوْمَةِ لَكَ وَ لِاَتْبَاعِكَ لِعَدَاوَتِهٖ لَكَ وَهُوَ الْاَخْنَسُ بْنُ شُرَيْقٍ كَانَ مُنَافِقًا حُلْوَ الْكَلَامِ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْلِفُ اَنَّهٗ مُؤْمِنٌ بِهٖ وَ مُحِبٌّ لَهٗ فَيُدْنِیْ مَجْلِسَهٗ فَاَكْذَبَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِیْ ذٰلِكَ وَ مَرَّ بِزَرْعٍ وَ حُمُرٍ لِبَعْضِ الْمُسْلِمِيْنَ فَاَحْرَقَهٗ وَ عَقَرَهَا لَيْلًا كَمَا قَالَ تَعَالٰى ﴿وَ اِذَا تَوَلّٰى﴾ اِنْصَرَفَ عَنْكَ ﴿سَعٰى﴾ مَشٰى ﴿فِی الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَ يُهْلِكَ الْحَرْثَ وَ النَّسْلَ﴾ مِنْ جُمْلَةِ الْفَسَادِ ﴿وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝﴾ اَیْ لَا يَرْضٰى بِهٖ ﴿وَ اِذَا قِيْلَ لَهُ

اتَّقَى اللّٰهَ۝﴾ فِیْ فِعْلِكَ ﴿اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ﴾ حَمَلَتْهُ الْاَنَفَةُ وَ الْحَمِيَّةُ عَلَى الْعَمَلِ ﴿بِالْاِثْمِ﴾ اَلَّذِیْ اُمِرَ بِاتِّقَائِهٖ ﴿فَحَسْبُهٗ﴾ كَافِيْهِ ﴿جَهَنَّمُ وَ لَبِئْسَ الْمِهَادُ۝﴾ اَلْفِرَاشُ هِیَ ﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِیْ﴾ يَبِيْعُ ﴿نَفْسَهُ﴾ اَیْ يَبْذُلُهَا فِیْ طَاعَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿اِبْتِغَاءَ﴾ طَلَبَ ﴿مَرْضَاتِ اللّٰهِ﴾ رِضَاهُ وَهُوَ صُهَيْبٌ لَمَّا اٰذَاهُ الْمُشْرِكُوْنَ هَاجَرَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ وَ تَرَكَ لَهُمْ مَالَهٗ ﴿وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ۝﴾ حَيْثُ اَرْشَدَهُمْ لِمَا فِيْهِ رِضَاهُ.

ترجمہ: ﴿اور اللہ کی یاد کرو﴾ رمی جمار کے وقت تکبیر کے ذریعہ ﴿گنے ہوئے دنوں میں﴾ یعنی ایام تشریق کے تین دنوں میں اور جو جلد بازی کرے ﴾ یعنی منیٰ سے روانہ ہونے میں جلد بازی کرے ﴿دو دنوں میں ہی﴾ یعنی ایام تشریق کے دوسرے دن، اس دن کی رمی کرنے کے بعد ﴿تو اس پر کچھ گناہ نہیں﴾ جلدی کرنے کا ﴿اور جو رہ جائے﴾ یہاں تک کہ تیسری رات گزار کر اس دن کی رمی کر لے ﴿تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں﴾ اس تاخیر کا یعنی انھیں اس کا اختیار ہے اور گناہ کی نفی ﴿اس کے لئے ہے جو ڈرتا رہے﴾ اللہ سے اپنے حج میں کہ وہی حقیقت میں حاجی ہے ﴿اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ تمہیں اسی کی طرف اٹھنا ہے﴾ آخرت میں تو وہ تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ دے گا ﴿اور بعض آدمی وہ ہے کہ دنیا کی زندگی میں اس کی بات تجھے بھلی لگے﴾ اور آخرت میں بھلی نہ لگے گی اس کے مخالف اعتقاد ہونے کی وجہ سے ﴿اور وہ گواہ بناتا رہتا ہے اللہ کو اس پر جو اس کے دل میں ہے﴾ کہ وہ اس کے قول کے مطابق ہے ﴿اور وہ سب سے بڑا جھگڑالو ہے﴾ یعنی آپ سے عداوت کے سبب آپ سے اور آپ کے متبعین سے سخت جھگڑنے والا ہے اور وہ اخنس بن شریق منافق تھا جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شیریں گفتگو کرتا تھا اور قسمیں کھاتا تھا کہ وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہے اور محبت بھی چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کو اپنی مجلس میں قریب بیٹھاتے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی اس کے دعویٰ میں تکذیب فرمائی ایک مرتبہ وہ بعض مسلمانوں کی کھیتی اور ان کے گدھوں کے پاس سے گزرا تو رات میں کھیتی جلا دی اور گدھوں کی کونچیں کاٹ دیں جیسا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے ﴿اور جب پیٹھ پھیرے﴾ آپ کے پاس سے لوٹتا ہے ﴿تو زمین میں فساد ڈالتا پھرے اور کھیتی اور جانیں تباہ کرے﴾ یہ بھی منجملہ فساد کے ہے ﴿اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں فرماتا﴾ اس سے راضی نہیں ہوتا ﴿اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈرو﴾ اپنے کرتوت کے بارے میں ﴿تو اسے اور ضد چڑھے﴾ اسے نخوت اور عار کالے کرتوت پر ابھار دیتی ہے ﴿گناہ کی﴾ جس سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے ﴿پس اس کے لئے جہنم کافی ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے﴾ برا بچھونا ہے وہ ﴿اور لوگوں میں سے وہ بھی ہے جو بیچ ڈالتا ہے اپنی جان﴾ یعنی اللہ کی اطاعت میں اسے خرچ کر ڈالتا ہے ﴿اللہ کی مرضی چاہنے میں﴾ اور وہ صہیب رومی ہیں جب مشرکین نے انھیں اذیت پہنچائی تو وہ مدینہ منورہ ہجرت کر گئے اور مشرکین کے لئے اپنا مال چھوڑ دیا ﴿اور اللہ بندوں پر مہربان ہے﴾ کہ انھیں ان باتوں کی رہنمائی فرمائی جن میں اس کی رضا ہے۔

توضیح و تشریح: قوله ای هم مخیرون الخ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ منیٰ میں تیرہ تاریخ یعنی ایام تشریق کے تیسرے دن تک ٹھہرنا افضل ہے اور اس سے پہلے واپس آ جانا جائز ہے، لہٰذا تاخیر کی صورت میں نفی اثم کی ضرورت نہیں تھی، جواب یہ ہے کہ یہاں صرف اختیار کا بیان مقصود ہے تاخیر کی صورت میں محض اثم کی نفی مقصود نہیں،

آگے مفسر علام نے ونفی الاثم سے اشارہ فرمایا کہ لمن اتقی مبتداء محذوف "تخییر" کی خبر ہے جمیع احکام حج کی نہیں۔

قوله: الله فی حجه الخ اس اضافہ سے اشارہ فرمایا کہ آیت میں تقویٰ سے محض تجنب عن الشرك مراد نہیں بلکہ یہاں تقویٰ کا معنی متعارف مراد ہے یعنی ہر اس چیز سے بچنا جو گناہ کی قسم سے ہو خواہ اس کا تعلق فعل سے ہو یا ترک سے آگے حضرت مفسر نے لانه الحاج علی الحقیقة سے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے، سوال یہ ہے کہ لمن میں لام اختصاص کا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مذکورہ اختیار صرف ان حجاج کو ہے جو متقی ہیں، حالانکہ ایسا نہیں بلکہ یہ اختیار متقی اور غیر متقی دونوں کے لئے ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں تخصیص غیر متقی سے احتراز کے لئے نہیں بلکہ اس بات پر تنبیہ کے لئے ہے کہ اس اختیار سے فائدہ صرف متقی ہی اٹھا سکتے ہیں کہ وہی دراصل حاجی ہیں۔

قوله: شدید الخصومة۔ اس تفسیر سے حضرت مفسر قدس سرہ نے اشارہ فرمایا کہ الد اسم تفضیل نہیں ہے بلکہ صیغۂ صفت ہے کیونکہ اس کی مونث لُدّی اور جمع لَدٌّ آتی ہے اور الد کی اضافت خصام کی جانب مجازاً ہے اسم تفضیل ہونے کے لحاظ سے نہیں۔ (ترویح الارواح)

قوله: انصرف عنك. اس تفسیر میں اشارہ ہے کہ تولّٰی بمعنی انصرف ہے بمعنی ولایت نہیں، کیونکہ یہ آیت شریق بن اخنس کے متعلق نازل ہوئی ہے اور وہ والی نہیں تھا۔

قوله: مشی. سعی کی تفسیر مشی سے کرنے میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ سعی مطلق سیر کے معنی میں ہے سریع یعنی تیز رفتاری کے معنی میں نہیں کہ یہاں اس معنی پر کوئی قرینہ نہیں ہے۔

قوله: من جملة الفساد. یہ دفع دخل مقدر ہے، سوال یہ پیدا ہوا کہ یفسد فیها عام ہے جس میں ہر قسم کا فساد شامل ہے لہٰذا اس کے بعد ویهلك الحرث و النسل کہنے کی ضرورت نہیں تھی، جواب کا حاصل یہ ہے کہ لیفسد فیها کے بعد و یهلك الحرث والنسل کا ذکر عطف الخاص علی العام کے قبیل سے ہے، چونکہ جس منافق کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی اس نے مسلمانوں کے کھیتوں کو جلایا اور ان کے گدھوں کی کونچیں کاٹ دیا تھا اس لئے خصوصیت کے ساتھ حرث و نسل کی تباہی کا ذکر ہوا۔

قوله: ای لا یرضیٰ به. یہ بھی ایک سوال کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ محبت نام ہے میلان قلب کا اور اللہ تعالیٰ قلب سے پاک ہے کہ یہ جسم وجسمانیت کو مستلزم ہے پھر یہاں اللہ کی محبت سے کیا مراد ہے؟ جواب یہ ہے کہ اللہ کی محبت سے مراد اس کی رضا ہے۔

قوله: طلب. ابتغاء کی تفسیر طلب سے کر کے اشارہ فرمایا کہ ابتغاء کا نصب مفعول لہ ہونے کی وجہ سے ہے آگے رضاہ سے لفظ مرضات کے مصدر میمی ہونے کی طرف اشارہ ہے جس میں ''ت'' خلاف قیاس ہے۔

وَ نَزَلَ فِیْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ وَ اَصْحَابِهٖ لَمَّا عَظَّمُوا السَّبْتَ وَ كَرِهُوا الْاِبِلَ وَ اَلْبَانَهَا بَعْدَ الْاِسْلَامِ ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ﴾ بِفَتْحِ السِّیْنِ وَ كَسْرِهَا الْاِسْلَامِ ﴿كَافَّةً﴾ حَالٌ مِنَ

السِّلْمِ اَیْ فِیْ جَمِیْعِ شَرَائِعِہٖ ﴿وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ﴾ طُرُقِ ﴿الشَّیْطٰنِ﴾ اَیْ تَزْیِیْنِہٖ بِالتَّفْرِیْقِ ﴿اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ٥﴾ بَیِّنُ الْعَدَاوَۃِ ﴿فَاِنْ زَلَلْتُمْ﴾ مِلْتُمْ عَنِ الدُّخُوْلِ فِیْ جَمِیْعِہٖ ﴿مِنْ بَعْدِ مَاجَاۗءَتْکُمُ الْبَیِّنٰتُ﴾ اَلْحُجَجُ الظَّاھِرَۃُ عَلٰی اَنَّہٗ حَقٌّ ﴿فَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ﴾ لَا یُعْجِزُہٗ شَیْءٌ عَنْ اِنْتِقَامِہٖ مِنْکُمْ ﴿حَکِیْمٌ٥﴾ فِیْ صُنْعِہٖ ﴿ھَلْ﴾ مَا ﴿یَنْظُرُوْنَ﴾ یَنْتَظِرُ التَّارِکُوْنَ الدُّخُوْلَ فِیْہِ ﴿اِلَّا اَنْ یَّاْتِیَھُمُ اللّٰہُ﴾ اَیْ اَمْرُہٗ کَقَوْلِہٖ اَوْ یَاْتِیَ اَمْرُ رَبِّکَ اَیْ عَذَابُہٗ ﴿فِیْ ظُلَلٍ﴾ جَمْعُ ظُلَّۃٍ ﴿مِنَ الْغَمَامِ﴾ السَّحَابِ ﴿وَ الْمَلٰۗئِکَۃُ وَ قُضِیَ الْاَمْرُ﴾ تَمَّ اَمْرُ اِھْلَاکِھِمْ وَ ﴿اِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ٥﴾ بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ وَ الْفَاعِلِ فِی الْاٰخِرَۃِ فَیُجَازِیْ ﴿سَلْ﴾ یَا مُحَمَّدُ ﴿بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ﴾ تَبْکِیْتًا ﴿کَمْ اٰتَیْنٰھُمْ﴾ کَمْ اِسْتِفْھَامِیَّۃٌ مُعَلِّقَۃٌ لِسَلْ مِنَ الْمَفْعُوْلِ الثَّانِیْ وَ ھِیَ ثَانِیْ مَفْعُوْلَیْ اٰتَیْنَا وَ مُمَیِّزُھَا ﴿مِنْ اٰیَۃٍ بَیِّنَۃٍ﴾ ظَاھِرَۃٍ کَفَلْقِ الْبَحْرِ وَ اِنْزَالِ الْمَنِّ وَ السَّلْوٰی فَبَدَّلُوْھَا کُفْرًا ﴿وَ مَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَۃَ اللّٰہِ﴾ اَیْ مَا اَنْعَمَ بِہٖ عَلَیْہِ مِنَ الْاٰیَاتِ لِاَنَّھَا سَبَبُ الْھِدَایَۃِ ﴿مِنْ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْہُ﴾ کُفْرًا ﴿فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ٥﴾ لَہٗ ﴿زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا﴾ مِنْ اَھْلِ مَکَّۃَ ﴿الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا﴾ بِالتَّمْوِیْہِ فَاَحَبُّوْھَا وَ ھُمْ ﴿یَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ لِفَقْرِھِمْ کَعَمَّارٍ وَ بِلَالٍ وَ صُھَیْبٍ اَیْ یَسْتَھْزِءُوْنَ بِھِمْ وَ یَتَعَالَوْنَ عَلَیْھِمْ بِالْمَالِ ﴿وَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا﴾ الشِّرْکَ وَ ھُمْ ھٰۗؤُلَاءِ ﴿فَوْقَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَ اللّٰہُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَاۗءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ﴾ اَیْ رِزْقًا وَاسِعًا فِی الْاٰخِرَۃِ وَ الدُّنْیَا بِاَنْ یُّمَلِّکَ الْمَسْخُوْرَ مِنْھُمْ اَمْوَالَ السَّاخِرِیْنَ وَ رِقَابَھُمْ.

حل اللغات: ﴿عظموا﴾ از تعظیم، انھوں نے تعظیم وتوقیر کی۔ ﴿السبت﴾ سنیچر کا دن۔ ﴿البان﴾ دودھ واحد اللبن ﴿شرائع﴾ اللہ کے مقرر کیے ہوئے احکام، واحد الشریعۃ ﴿بین العداوۃ﴾ کھلی دشمنی والا، ﴿ملتم﴾ (ض) تم اعراض کروگے۔ ﴿الحجج الظاھرۃ﴾ واضح دلائل ﴿تم﴾ (ض) پورا ہوا۔ ﴿اھلاک﴾ از افعال، فنا کرنا ﴿یجازی﴾ از مجازاۃ بدلہ دے گا۔ ﴿التمویہ﴾ ملمع سازی ﴿یتعالون﴾ غرور کرتے ہیں، فخر کرتے ہیں۔ ﴿المسخور﴾ اسم مفعول، جس سے ٹھٹھا کیا جائے ﴿الساخرین﴾ ٹھٹھا کرنے والے ﴿رقاب﴾ مملوک، غلام۔ واحد الرقبۃ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں نے جب سنیچر کے دن کی تعظیم وتوقیر کی اور اونٹ کے گوشت اور اس کے دودھ کو ناپسند کیا اسلام قبول کرنے کے بعد بھی، تب یہ آیت نازل ہوئی ﴿اے ایمان والو داخل ہو جاؤ اسلام میں﴾ (السِّلم) سین کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ بمعنی اسلام ہے ﴿پورے کے پورے﴾ یہ سِلْمٌ سے حال واقع ہے یعنی اسلام کے تمام احکام قبول کرلو ﴿اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو﴾ یعنی تفریق کے ذریعہ اس کے مزین کردہ راہ پر ﴿بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے﴾ کھلی عداوت والا ہے ﴿اور اگر تم پھسلنے لگو﴾ پورے اسلام میں داخل ہونے سے تم اعراض کرو ﴿اس کے بعد کہ آ چکی ہیں تمہارے پاس روشن دلیلیں﴾ واضح دلائل اس کے حق ہونے پر ﴿تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ زبردست ہے﴾ تم سے انتقام لینے سے کوئی چیز اسے عاجز نہیں کرسکتی ﴿حکمت والا ہے﴾ اپنی کارسازی میں ﴿کیا وہ اس بات کا انتظار کر رہے ہیں﴾ مکمل طور سے اسلام میں نہ داخل ہونے والے انتظار کر رہے ہیں؟ ﴿کہ آئے ان کے پاس اللہ کا عذاب﴾ یعنی اس کا

حکم، جیسا کہ ایک اور آیت میں یوں ہے "اَوْ یَاتِیَ اَمْرُ رَبِّکَ" امر بمعنی عذاب ہے ﴿چھائے ہوئے﴾ ظُلَل جمع ہے ظلّة کی ﴿بادلوں میں﴾ غمام بمعنی سحاب ہے ﴿اور فرشتے اتریں اور کام ہو چکے﴾ ان کی ہلاکت کا حکم نافذ ہو چکا ﴿اور سب کاموں کی رجوع اللہ کی طرف ہے﴾ تُرجع مجہول اور معروف دونوں ہے، یعنی آخرت میں تو وہ بدلہ دے گا ﴿آپ پوچھئے﴾ اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ﴿بنی اسرائیل سے﴾ لاجواب کرنے کے لئے ﴿ہم نے کس قدر انھیں عنایت فرمائیں﴾ کم استفہامیہ ہے جس نے سَل کو مفعول ثانی "اٰتینھم" میں عمل کرنے سے روک دیا اور کم مفعول ثانی ہے اٰتینا کا اور اس کا ممیز یہ ہے ﴿روشن نشانیاں﴾ کھلی دلیلیں، مثلاً سمندر کا پھٹنا اور من وسلویٰ کا اتارنا، تو انھوں نے اس کی ناشکری کی ﴿اور جو اللہ کی نعمت کو بدل دے﴾ یعنی اس چیز کو جس کے ذریعہ اللہ نے اس پر انعام فرمایا ہے مثلاً آیات کہ یہ سبب ہدایت ہیں ﴿اس کے مل جانے کے بعد﴾ ناشکری سے ﴿تو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے﴾ اس کے لئے ﴿آراستہ کردی گئی ہے کافروں کے لئے﴾ مراد کفار مکہ ہیں ﴿دنیا کی زندگی﴾ ملمع سازی کے ذریعہ تو وہ اسے پسند کرتے ہیں ﴿اور یہ مذاق اڑاتے ہیں ایمان والوں کا﴾ ان کی غربت کی وجہ سے جیسے عمار، بلال اور صہیب کی، یعنی ان کا استہزاء کرتے ہیں اور مال کی وجہ سے ان پر بڑائی جتاتے ہیں ﴿حالانکہ پرہیزگاروں کی شان﴾ جو شرک سے بچیں اور وہ یہی غرباء ہیں ﴿بلند ہوگی ان سے قیامت کے دن اور اللہ تعالیٰ روزی تو جسے چاہے بے حساب دے دیتا ہے﴾ یعنی دنیا اور آخرت میں وسیع رزق عطا فرما دیتا ہے بایں طور کہ جن لوگوں کا ٹھٹھا کیا جاتا ہے انھیں ٹھٹھا کرنے والوں کے اموال اور ان کی گردنوں کا مالک بنا دیتا ہے۔

توضیح و تشریح: قولہ: و اصحابه الخ حضرت عبداللہ بن سلام کے اصحاب سے مراد یہ حضرات ہیں ثعلبہ، ابن یامین، اسد بن کعب، واسید بن کعب شعبہ یا سعید بن عمرو اور قیس بن زید رضی اللہ عنہم، ان حضرات نے یہودیت ترک کر کے اسلام قبول کیا تھا، یہ حضرات قبول اسلام کے بعد بھی ہفتہ کے دن کی تعظیم کرتے اور اونٹنیوں کے گوشت اور دودھ کو مکروہ جانتے تھے، جب مسلمانوں نے اس پر اعتراض کیا تو انھوں نے کہا کہ ہم دونوں شریعتوں پر عمل کرنے کی طاقت رکھتے ہیں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کرنے لگے کہ توریت بھی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے لہٰذا آپ ہمیں اس پر بھی عمل کرنے دیں، تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (لباب النقول فی اسباب النزول)

قولہ: حال من السلم الخ یہ ان بعض علما کا رد ہے جنھوں نے کافة کو ادخلوا کی ضمیر سے حال قرار دیا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ سلم مذکر ہے اور کافة مونث ہے لہٰذا کافة کو سلم سے حال قرار دینا درست نہیں کہ حال اور ذوالحال کا تذکیر و تانیث میں موافق ہونا ضروری ہے، اور اس لئے بھی سلم سے کافة کو حال قرار دینا درست نہیں کہ سلم بمعنی اسلام ہے اور اسلام میں اجزاء نہیں جب کہ ذوالحال کا ذات الاجزاء ہونا ضروری ہے اور ادخلوا کی ضمیر سے حال قرار دینے میں یہ خرابیاں لازم نہیں آتیں، پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ سلم مذکر اور مونث دونوں مستعمل ہے جیسے لفظ حرب مذکر اور مونث دونوں مستعمل ہے، دوسری دلیل کا جواب جس کی طرف مفسر علام نے ای جمیع شرائعه سے اشارہ فرمایا ہے یہ ہے کہ سلم بمعنی اسلام ہے اور اسلام سے جمیع شرائع واحکام مراد ہیں اور ظاہر ہے شرائع ذات الاجزاء ہے لہٰذا کافة کا سلم سے

حال واقع ہونا بلا کراہت درست ہے۔ (ترویح الارواح)

قوله: طرق۔ خطوٰت کی تفسیر طرق سے کر کے اشارہ فرمایا کہ یہاں حال کا ذکر ہے مگر مراد محل ہے کہ شیطان کے ایسے قدم نہیں جو نظر آئیں اور اس کے نقش قدم پر چلنا ممکن ہو، آگے لفظ تـزئـیـنه سے اشارہ ہے حذف مضاف کی طرف یعنی تقدیری عبارت "تـزئـیـن الشیطـان" ہے اور تزئین سے مراد شیطانی وسوسے اور شبہات ہیں۔ اور یہ طرق کی تفسیر بھی ہوسکتی ہے یعنی طرق اپنے حقیقی معنی میں نہیں کیونکہ حقیقتاً شیطان کے قدم مراد نہیں تو اس کے لئے حقیقتاً طرق بھی نہیں بلکہ طرق سے مراد تزئین ہے۔

قوله: بین العداوة یہ اس شبہ کا ازالہ ہے کہ شیطان نظر نہیں آتا پھر اسے کھلا ہوا دشمن کہنا کیونکر درست ہے؟ ازالہ کا حاصل یہ ہے کہ عدو مبین کا معنی ہے بین العداوة یعنی شیطان کی عداوت واضح ہے۔ فلا استحالة.

قوله: ملتم الخ زللتم کی تفسیر ملتم سے کر کے اشارہ فرمادیا کہ یہاں زلة بمعنی میلان ہے یعنی حق چھوڑ کر باطل کی طرف مائل ہونا۔ آگے عن الدخول سے زللتم کے متعلق محذوف کی طرف اشارہ ہے۔

قوله: ما۔ هل کی تفسیر ما سے کر کے اشارہ فرمایا کہ یہاں هل انکاری توبیخی ہے کہ اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے اس کے لئے استفہام ممکن نہیں۔

قـولـه: ای امـره چونکہ یہاں آیت میں بظاہر آنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے، حالانکہ آنا جانا جسم کی صفتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ جسم اور اس کی صفتوں سے پاک ومنزہ ہے اس لئے مفسر علام نے اتیان کو مجاز پر محمول کرتے ہوئے مضاف محذوف مانا ہے یعنی اصل عبارت یوں ہے، ان یـأتیهـم امر اللّٰه اور امر سے مراد عذاب ہے جیسا کہ حضرت مفسر نے دوسری آیت پیش کر کے اسی معنی کو واضح کیا ہے

قوله: تم امر اهلاكهم۔ اس اضافہ سے اشارہ فرمایا کہ یہاں قضاء بمعنی اتمام ہے اور الامر پر لام عہد کا ہے اس سے مراد ہے عذاب سے ان کی ہلاکت کا کام پورا ہونا۔

قـولـه: بـالبـنـاء للمفعول و الفاعل۔ یعنی اگر بمعنی رد ہے تو متعدی ہے اور اگر رجوع مصدر سے ہے تو لازم ہے، پہلی صورت میں مصدر الرجع ہوگا۔

قـولـه: تبكيتاً۔ اس سے اشارہ فرمایا کہ یہاں سوال برائے توبیخ ہے برائے استفہام نہیں یعنی مراد یہ نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنی اسرائیل سے جا کر پوچھیں کہ تم پر اللہ کی کتنی نشانیاں اتر چکی ہیں؟ کہ یہ نشانیاں تو واضح تھیں، ان کے متعلق سوال کی ضرورت ہی نہیں، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ مسلمان بنی اسرائیل کی تاریخ پر غور کریں اور ان کے بدلتے ہوئے حالات سے عبرت حاصل کریں۔

قوله: معلقة لسل من المفعول الثانی الخ اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ کم استفہامیہ نے سل کو مفعول ثانی میں عمل کرنے سے روک دیا ہے اور وہ خود قائم مقام مفعول ثانی ہے کیونکہ استفہام صدارت کلام چاہتا ہے اگر ابطال عمل نہ ہوتو

کم کی صدارت باطل ہوجائے گی، رہا یہ سوال کہ سل ان افعال سے نہیں جو متعدی بدو مفعول ہوتے ہیں، بلکہ یہ متعدی بیک مفعول ہے پھر مفعول ثانی میں ابطال عمل کا کیا مطلب؟ جواب یہ ہے کہ سوال سبب علم ہے لہٰذا وہ علم کے قائم مقام ہے یعنی سبب بمعنی مسبب ہے اور علم چونکہ افعال قلوب سے ہے جو کہ متعدی بدو مفعول ہوتا ہے اس لئے علم کا قائم مقام یعنی سوال بھی متعدی بدو مفعول ہے۔ (ترویح الارواح)

قولہ: و میزھا من آیة۔ اس شبہ کا ازالہ ہے کہ کم استفہامیہ کی تمیز پر من داخل نہیں ہوتا بعض نحویوں نے اسے ممنوع قرار دیا ہے۔ حاصل ازالہ یہ ہے کہ کم استفہامیہ کی تمیز پر من کا داخل ہونا مطلقاً ممنوع نہیں ہے بلکہ اس صورت میں ممنوع ہے جب کہ ممیّز اور تمیز کے درمیان فصل نہ ہو، اور جن بعض نحویوں نے اسے ممنوع قرار دیا ہے ان کا منع بھی اسی صورت سے متعلق ہے، لیکن ممیّز اور تمیز کے درمیان اگر فصل ہو جیسا کہ یہاں اٰتینا کا فصل ہے، تو تمیز پر من کا داخل کرنا واجب ہے۔ (جب کہ فصل فعل متعدی سے ہو) تا کہ مفعول اور تمیز کے درمیان التباس کا خوف نہ رہے۔

قولہ: فبدلوھا کفرا۔ اس عبارت سے اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ آنے والی آیت یعنی و من یبدل الخ کا عطف جملہ مقدرہ پر ہے، سل بنی اسرائیل الخ پر نہیں تا کہ انشاء پر خبر کے عطف کا اعتراض نہ پڑے، آگے "ما انعم علیه سے اشارہ فرمایا کہ آیت میں اگرچہ ذکر مصدر (نعمة) کا ہے مگر مراد مفعول ہے۔

قولہ: لانھا سبب الھدایة یہ آیات کو نعمت قرار دینے کی علت کی طرف اشارہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آیات چونکہ سبب ہدایت ہیں اور ہدایت ایک عظیم نعمت ہے لہٰذا یہاں سبب بول کر مسبب مراد ہے۔

قولہ: له۔ یہ اس شبہ کا ازالہ ہے کہ جملہ جب خبر واقع ہو تو اس میں ایک ایسی ضمیر کا ہونا ضروری ہے جو مبتداء کی طرف لوٹتی ہو مگر یہاں ایسا نہیں کہ مبتداء و من یبدل الخ کی خبر ان اللہ شدید العقاب میں مبتداء کی طرف لوٹنے والی کوئی ضمیر نہیں، حاصل ازالہ یہ ہے کہ یہاں عائد محذوف ہے اور اصل عبارت یوں ہے: "ان اللہ شدید العقاب له.

قولہ: و ھم یسخرون۔ یہاں واؤ کے بعد لفظ ھم سے واؤ کے حالیہ ہونے کی طرف اشارہ فرمایا اور یہ چونکہ جملہ اسمیہ ہے لہٰذا ماضی "زین" پر مضارع "یسخرون" کے عطف کا اعتراض جاتا رہا کہ یہ عطف کلام فصیح میں غیر مستحسن ہے۔

قولہ: کعمار و بلال الخ اس میں اشارہ ہے کہ آیت میں اسم موصول "الذین" برائے عموم نہیں بلکہ عہد کے لئے ہے کہ اسم موصول میں یہی اصل ہے۔

قولہ: رزقا واسعاً الخ یہ دفع دخل مقدر ہے، سوال یہ پیدا ہوا کہ دنیا یا آخرت میں جو بھی رزق ملتا ہے یا ملے گا وہ متناہی ہے اور ہر متناہی محسوب ہے، پھر یہاں اخروی رزق کو غیر محسوب کیوں فرمایا؟ جواب یہ ہے کہ یہاں بغیر حساب کا حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ اس سے مراد رزق وسیع ہے۔ فلا استحالة.

﴿كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ عَلَى الْإِيْمَانِ فَاخْتَلَفُوْا بِاَنْ اٰمَنَ بَعْضٌ وَ كَفَرَ بَعْضٌ ﴿فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيِّيْنَ﴾ اِلَيْهِمْ ﴿مُبَشِّرِيْنَ﴾ مَنْ اٰمَنَ بِالْجَنَّةِ ﴿وَ مُنْذِرِيْنَ﴾ مَنْ كَفَرَ بِالنَّارِ ﴿وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ﴾

بِمَعْنَی الْکُتُبِ ﴿بِالْحَقِّ﴾ مُتَعَلِّقٌ بِاَنْزَلَ ﴿لِیَحْکُمَ﴾ بِهٖ ﴿بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ﴾ اَیِ الدِّیْنِ ﴿وَ مَا اخْتَلَفَ فِیْهِ﴾ اَیِ الدِّیْنِ ﴿اِلَّا الَّذِیْنَ اُوْتُوْهُ﴾ اَیِ الْکِتَابَ فَاٰمَنَ بَعْضٌ وَ کَفَرَ بَعْضٌ ﴿مِنْ بَعْدِ مَا جَآئَتْهُمْ﴾ اَلْحُجَجُ الظَّاهِرَةُ عَلَی التَّوْحِیْدِ وَ مِنْ مُتَعَلِّقَةٌ بِاخْتَلَفَ وَ هِیَ وَ مَا بَعْدَهَا مُقَدَّمٌ عَلَی الْاِسْتِثْنَاءِ فِی الْمَعْنٰی ﴿بَغْیًا﴾ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ ﴿بَیْنَهُمْ فَهَدَی اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ مِنْ﴾ لِلْبَیَانِ ﴿الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ﴾ بِاِرَادَتِهٖ ﴿وَ اللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ﴾ هِدَایَتَهٗ ﴿اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝﴾ طَرِیْقِ الْحَقِّ وَ نَزَلَ فِیْ جُهْدٍ اَصَابَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿اَمْ﴾ بَلْ ﴿حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا﴾ لَمْ ﴿یَاْتِکُمْ مَّثَلُ﴾ شِبْهُ مَا اَتٰی ﴿الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِکُمْ﴾ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنَ الْمِحَنِ فَتَصْبِرُوْا کَمَا صَبَرُوْا ﴿مَسَّتْهُمْ﴾ جُمْلَةٌ مُسْتَانِفَةٌ مُبَیِّنَةٌ لِمَا قَبْلَهَا ﴿الْبَاْسَآءُ﴾ شِدَّةُ الْفَقْرِ ﴿وَ الضَّرَّآءُ﴾ الْمَرَضُ ﴿وَ زُلْزِلُوْا﴾ اُزْعِجُوْا بِاَنْوَاعِ الْبَلَاءِ ﴿حَتّٰی یَقُوْلَ﴾ بِالنَّصْبِ وَ الرَّفْعِ اَیْ قَالَ ﴿الرَّسُوْلُ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ﴾ اِسْتِبْطَاءً لِلنَّصْرِ لِتَنَاهِی الشِّدَّةِ عَلَیْهِمْ ﴿مَتٰی﴾ یَاْتِیْ ﴿نَصْرُ اللّٰهِ﴾ الَّذِیْ وُعِدْنَاهُ فَاُجِیْبُوْا مِنْ قِبَلِ اللّٰهِ تَعَالٰی ﴿اَلَا اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ ۝﴾ اِتْیَانُهٗ.

ترجمہ: ﴿سب لوگ ایک ہی دین پر تھے﴾ یعنی ایمان پر، پھر لوگ اختلاف کر بیٹھے اس طرح کہ بعض نے ایمان قبول کیا اور بعض نے کفر کیا ﴿تو بھیجا اللہ نے انبیاء﴾ ان کی جانب ﴿خوش خبری سنانے والے﴾ ایمان لانے والوں کو جنت کی ﴿اور ڈرانے والے﴾ کفر کرنے والوں کو جہنم سے ﴿اور نازل فرمائی ان کے ساتھ کتابیں﴾ کتاب بمعنی کتب ہے ﴿برحق﴾ یہ انزل کے متعلق ہے۔ ﴿تاکہ فیصلہ کریں﴾ اس کے ذریعہ ﴿لوگوں کے درمیان جن باتوں میں وہ جھگڑنے لگے تھے﴾ یعنی دین کے معاملہ میں ﴿اور کسی نے اختلاف نہیں کیا اس میں﴾ یعنی دین کے معاملہ میں ﴿بجز ان لوگوں کے جنھیں وہ دی گئی تھی﴾ یعنی کتاب، تو بعض ایمان لے آئے اور بعض نے کفر کیا ﴿بعد ازاں کہ آ گئی تھیں ان کے پاس روشن دلیلیں﴾ توحید پر واضح دلائل، اور من بعد متعلق ہے اختلف کے اور یہ "من الخ" اور اس کا مابعد "بغیاً" معناً استثناء پر مقدم ہیں ﴿آپسی حسد کی وجہ سے﴾ کافروں کے آپسی حسد کی وجہ سے ﴿پس اللہ نے ہدایت بخشی انہیں جو ایمان لائے تھے ان سچی باتوں پر جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے﴾ من بیانیہ ہے ﴿اپنی توفیق سے﴾ اپنے ارادے سے ﴿اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے﴾ جس کی ہدایت چاہتا ہے ﴿سیدھے راستے کی طرف﴾ راہ حق کی جانب اور اس مصیبت کے بارے میں جو مسلمانوں کو پہنچی یہ آیت نازل ہوئی ﴿کیا﴾ ام بمعنی بل ہے ﴿تم خیال کر رہے ہو کہ داخل ہو جاؤ گے جنت میں حالانکہ نہیں گزرے تم پر وہ حالات﴾ ان حالات کے مثل جو آئے ﴿ان لوگوں پر جو تم سے پہلے ہوئے ہیں﴾ مؤمنین پر مصائب آئے ہیں تو تم بھی صبر کرو جیسا صبر انھوں نے کیا ﴿پہنچی انھیں﴾ یہ جملہ مستانفہ اپنے ماقبل کا بیان ہے ﴿سختی﴾ سخت غربت ﴿اور مصیبت﴾ بیماری ﴿اور وہ لرزا ٹھے﴾ چیخ اٹھے مختلف قسم کی آزمائشوں سے ﴿یہاں تک کہ بول اٹھے﴾ یقول نصب اور رفع کے ساتھ قال کے معنی میں ہے ﴿رسول اور جو ایمان لے آئے تھے ان کے ساتھ﴾ مدد میں تاخیر اور ان پر انتہائی

شدت کی وجہ سے ﴿کب آئے گی اللہ کی مدد؟﴾ جس کا ہم سے وعدہ کیا گیا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں جواب دیا گیا ﴿سن لو یقیناً اللہ کی مدد قریب ہے﴾ اس کا آنا۔

توضیح و تشریح: قولہ: علی الایمان - یہ اس آیت کی راجح تفسیر کا بیان ہے چونکہ اس سلسلہ میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے کہ تمام لوگوں کا امت واحدہ پر ہونے سے کیا مراد ہے، حضرت ابن عباس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ لوگوں کا امت واحدہ پر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تمام لوگ کافر تھے، واقدی وغیرہ کا کہنا ہے کہ اس آیت میں الناس سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کے لوگ ہیں کہ یہ تمام لوگ دین حق پر تھے پھر حضرت نوح علیہ السلام کے بعد ان میں اختلاف ہو گیا، بعض مفسرین اس سلسلہ میں توقف کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ سب لوگ تو ایک ہی دین پر تھے مگر یہ خبر نہیں کہ کافر تھے یا مومن، بعض نے کہا کہ اس آیت میں الناس سے یہودی مراد ہیں یعنی پہلے سارے یہودی ایک ہی دین پر تھے بعد میں ان کے درمیان اختلاف ہوا۔ (درمنثور و تفسیر کبیر) مگر صحیح اور راجح وہی قول ہے جسے حضرت مفسر نے ذکر کیا یعنی یہ کہ پہلے تمام لوگ مومن تھے بعد میں ان کے درمیان اختلاف ہوا، اس قول پر حسب ذیل دلائل ہیں۔

(۱) اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ پہلے تمام لوگ ایک دین پر تھے، پھر ان میں اختلاف ہوا تو اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بھیجا، اگر وہ تمام لوگ کفر پر ہوتے تو رسولوں کو پہلے بھیجنا چاہئے تھا۔

(۲) نقل متواتر سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی اولاد کی طرف مبعوث فرمایا، ان کی تمام اولاد مسلمان اور اطاعت گزار تھی اور اس وقت تک ان میں کوئی اختلاف نہیں ہوا حتی کہ قابیل نے حسد سے ہابیل کو قتل کر دیا۔

(۳) جب طوفان سے تمام روئے زمین کے لوگ غرق ہو گئے اور صرف کشتی کے لوگ بچے تو یہ باقی ماندہ لوگ سب دین حق پر تھے پھر اس کے بعد ان میں اختلاف ہوا۔

(۴) امام بخاری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نومولود فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی بنا دیتے ہیں یا نصرانی بنا دیتے ہیں یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولاً سبھی لوگ دین حق پر ہوتے ہیں بعد میں ان میں اختلاف ہوتا ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے یوم میثاق میں فرمایا تھا الست بربکم قالوا بلی (الاعراف ۱۷۲) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا کیوں نہیں! اس دن سب لوگوں کا ایک ہی دین تھا اور وہ دین برحق ہے۔ (تبیان القرآن)

قولہ: فاختلفوا الخ چونکہ آگے فبعث اللہ میں فاء برائے وصل ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تمام لوگ دین حق پر تھے اور اسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو بھیجا، حالانکہ یہ خلاف واقعہ ہے، اسی وہم کو دور کرنے کے لئے حضرت مفسر نے یہاں "فاختلفوا" محذوف مانا ہے جس سے آیت کا مطلب بالکل صاف ہو گیا کہ اولاً تمام لوگ ملت واحدہ پر تھے پھر وہ بگڑ گئے اور ان میں اختلاف پیدا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان بگڑے ہوئے انسانوں کو راہ راست پر لانے کے لئے اور ان کا اختلاف دور کرنے کے لئے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا۔

قوله: الیهم — یہ دفع دخل مقدر ہے، سوال یہ پیدا ہوا کہ فبعث اللّٰہ الخ کا عطف فاختلفوا مقدر پر ہے جیسا کہ مفسر علام نے اس کی طرف اشارہ فرمایا، اور عطف جملہ علی الجملہ میں شرط یہ ہے کہ معطوف میں ایک ایسی ضمیر ہونی چاہئے جس کا مرجع وہ شئی ہو جس کی طرف معطوف علیہ کی ضمیر لوٹتی ہو، مگر یہاں ایسا نہیں کہ فاختلفوا کی ضمیر کا مرجع الناس ہے لیکن فبعث اللّٰہ میں الناس کی طرف لوٹنے والی کوئی ضمیر نہیں، جواب یہ ہے کہ یہاں الناس کی طرف لوٹنے والی ضمیر معطوف میں محذوف ہے تقدیری عبارت یوں ہے فبعث اللہ النبیین الیهم — فلا اعتراض

قوله: من اٰمن بالجنة - یہ اس وہم کا ازالہ ہے کہ یہاں واو جمع کے لئے ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انبیاء کرام کا بشارت دینا اور ڈرانا قوم واحد کے لئے ہے، حالانکہ ایسا نہیں۔

قوله: و من متعلقة باختلف الخ یہ آیت کے ظاہر سے پیدا ہونے والے دو اعتراضات کے جواب کی طرف اشارہ ہے پہلا اعتراض یہ ہے کہ ایک حرف استثناء کے ذریعہ متعدد کا استثناء بغیر عطف کے جائز نہیں۔ مگر یہاں حرف واحد کے ذریعہ متعدد کا استثناء لازم آ رہا ہے اس طرح کہ ما اختلف فیہ مستثنیٰ منہ ہے۔ الا حرف استثناء ہے الذین اوتوہ مستثنیٰ اول ہے اور من بعد ما جائتهم مستثنیٰ ثانی ہے۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ الا کا ماقبل الا کے مابعد میں عمل نہیں کرتا حالانکہ یہاں من بعد ماجائتهم، اختلف کا معمول ہے۔

پہلے اعتراض کا جواب مفسر علام نے و من متعلقة باختلف سے دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ من بعد الخ چونکہ اختلف سے متعلق ہے اور اختلف حرف استثناء پر مقدم ہے۔ لہٰذا من بعد بھی حرف استثناء پر مقدم اور مستثنیٰ منہ میں داخل ہے اور مستثنیٰ صرف الذین اوتوہ ہے۔ دوسرے اعتراض کا جواب حضرت مفسر نے و هی و ما بعدها الخ سے دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ من بعد ماجائتهم اگرچہ لفظوں میں حرف استثناء سے مؤخر ہے مگر معناً استثناء پر مقدم ہے، لہٰذا مذکورہ اعتراض لازم نہیں آتا۔

قوله: من الکفرین — چونکہ یہاں یہ وہم پیدا ہو سکتا تھا کہ بغیاً کا تعلق دونوں فریق سے ہے یعنی مؤمنین اور کافرین دونوں ہی آپسی اختلاف کا شکار تھے، اس لئے مفسر علام نے من الکفرین فرما کر اس وہم کا ازالہ فرمایا۔

قوله: للبیان — چونکہ تبعیضیہ ہونا من کی اصل ہے مگر یہاں من تبعیض کے لئے نہیں، ورنہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو حق کے بعض راستوں کی ہدایت عطا فرمائی حالانکہ ایسا نہیں، اسی اعتراض کو دفع کرنے کے لئے حضرت مفسر نے واضح فرمایا کہ من بیانیہ ہے تبعیضیہ نہیں۔

قوله: بل۔ اس اضافہ سے اشارہ فرمایا کہ یہاں ام منقطعہ ہے متصلہ نہیں کہ ام متصلہ کے لئے عدیل کا ہونا ضروری ہے اور وہ یہاں نہیں۔

قوله: بالنصب و الرفع — یہ یقول کی دونوں قرأتوں کی طرف اشارہ ہے، چونکہ قاعدہ یہ ہے کہ حتی کا مابعد اگر حال ہو تو مرفوع ہوگا جیسے مرض فلان حتی لایرجونه اور اگر مابعد مستقبل ہو تو منصوب ہوگا جیسے سرت حتی ادخلَ البلد اور اگر حتی کا مابعد ماضی ہو تو قول مذکور کی طرف دیکھیں گے اگر وہ ماقبل کے اعتبار سے مستقبل ہے تو نصب ہوگا اور اگر

حکایت حال ماضیہ کا لحاظ کیا جائے تو رفع ہوگا، یہاں نافع کی قرأۃ رفع کے ساتھ ہے انھوں نے آخری صورت کا لحاظ کیا ہے باقی حضرات نے بھی اسے حکایت حال ماضیہ تسلیم کیا ہے مگر حتی کا مابعد چونکہ لفظاً مستقبل ہے اس لئے اسے منصوب پڑھا ہے، لہٰذا دونوں قرأتوں پر حتی یقول الرسول کی اصل حتی قال الرسولُ ہے۔ (ترویح، بیضاوی)

قـولـه يـاتي - اس لفظ کو محذوف مان کر حضرت مفسر نے اشارہ فرمایا ہے کہ "نصر اللّٰه" فعل محذوف کا فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے نہ کہ مبتداء ہونے کی وجہ سے جیسا کہ بعض کا قول ہے۔

قـولـه: اتيانه۔ چونکہ "نصر" اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اس لئے قریب کو نصر کی صفت نہیں بنا سکتے لہٰذا مفسر علام نے واضح کیا کہ یہاں عبارت بتقدیر مضاف ہے یعنی "اتيان نصر الله قريب"

﴿يَسْـئَـلُـوْنَكَ﴾ يَـا مُـحَـمَّدُ ﴿مَاذَا﴾ اَىِ الَّذِىْ ﴿يُنْفِقُوْنَ﴾ وَ السَّائِلُ عَمْرُو بْنُ الْجَمُوْحِ وَ كَانَ شَيْـخًا ذَامَالٍ فَسَالَ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَمَّا يُنْفِقُ وَ عَلٰى مَنْ يُنْفِقُ ﴿قُلْ﴾ لَهُمْ ﴿مَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْـرٍ﴾ بَيَـانٌ لِّـمَـا شَامِلٌ لِلْقَلِيْلِ وَ الْكَثِيْرِ وَ فِيْهِ بَيَانُ الْمنفَقِ الَّذِىْ هُوَ اَحَدُ شِقَّىِ السُّوَالِ وَاَجَابَ عَنِ الْـمَصْرَفِ الَّذِىْ هُوَ الشِّقُّ الْاٰخَرُ بِقَوْلِهٖ ﴿فَلِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ﴾ اَىْ هُـوَ اَوْلٰـى بِـهٖ ﴿وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ﴾ اِنْفَاقٍ وَغَيْرِهٖ ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝﴾ فَـمُجَازٍ عَلَيْهِ ﴿كُتِبَ﴾ فُـرِضَ ﴿عَـلَـيْـكُـمُ الْـقِـتَـالُ﴾ لِـلْكُفَّارِ ﴿وَ هُوَ كُرْهٌ﴾ مَكْرُوْهٌ ﴿لَّكُمْ﴾ طَبْعاً لِمَشَقَّتِهٖ ﴿وَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـئًـا وَ هُـوَ خَيْـرٌ لَّـكُـمْ وَ عَسٰـى اَنْ تُـحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ﴾ لِمَيْلِ النَّفْسِ اِلَى الشَّهْوَاتِ الْمُوْجِبَةِ لِهلَاكِهَـا وَ نُـفُـوْرِهَـا عَـنِ التَّكْلِيْفَاتِ الْمُوْجِبَةِ لِسَعَادَتِهَا فَلَعَلَّ لَكُمْ فِىْ الْقِتَالِ وَ اِنْ كَرِهْتُمُوْهُ خَيْرًا لِاَنَّ فِيْـهِ اِمَّـا الـظَّفْرُ وَ الْغَنِيْمَةُ اَوِ الشَّهَادَةُ وَالْاَجْرُ وَ فِىْ تَرْكِهٖ وَ اِنْ اَحْبَبْتُمُوْهُ شَرًّا لِاَنَّ فِيْهِ الذُّلُّ وَ الْفَقْرُ وَ حِرْمَانُ الْاَجْرِ ﴿وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ﴾ مَا هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ﴿وَ اَنْتُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ ۝﴾ ذٰلِكَ فَبَادِرُوْا اِلٰى مَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖ.

تـرجـمـه: ﴿آپ سے پوچھتے ہیں﴾ اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ﴿کہ کیا خرچ کریں﴾ اور سائل حضرت عمرو بن جموح تھے جو صاحب ثروت ایک بوڑھے شخص تھے انھوں نے پوچھا تھا کہ کیا خرچ کریں اور کس پر خرچ کریں ﴿آپ فرمائیے﴾ ان سے ﴿جو کچھ مال نیکی میں خرچ کرو﴾ یہ مـا کا بیان ہے جو قلیل و کثیر کو شامل ہے اور اس میں خرچ کی جانے والی چیز کا بیان ہے جو کہ سوال کی دو شقوں میں سے ایک ہے اور مصرف کے متعلق جواب دیا اپنے قول فـللـوالدين الخ سے جو کہ سوال کی دوسری شق ہے ﴿تو وہ ماں باپ اور قریب کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور راہ گیر کے لئے ہے﴾ یعنی یہ سب اس کے زیادہ حق دار ہیں ﴿اور جو نیکی تم کرتے ہو﴾ انفاق وغیرہ ﴿بے شک اللہ اسے جانتا ہے﴾ تو اس پر جزا دیے جاؤ گے ﴿فرض کیا گیا ہے تم پر جہاد﴾ کافروں سے ﴿اور وہ ناپسند ہے﴾ ناگوار ہے ﴿تمہیں﴾ طبعی طور پہ اس کے پُر مشقت ہونے کی وجہ سے ﴿اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں پسند آئے اور وہ تمہارے حق میں بُری ہو﴾ نفس کے میلان کی وجہ سے ان شہوات کی جانب جو سبب ہلاکت ہیں اور ان تکلیفات

ے نفس کے بھاگنے کی وجہ سے جو سبب سعادت ہیں، تو شاید تمہارے لئے جہاد میں تمہاری ناگواری کے باوجود بہتری ہو کیونکہ اس میں یا تو کامیابی اور غنیمت حاصل ہوگی یا شہادت اور اجر اخروی اور شاید اس کے ترک میں تمہاری پسندیدگی کے باوجود برائی ہو کیونکہ اس میں ذلت و فقر اور اجر اخروی سے محرومی ہے ﴿اور اللہ جانتا ہے﴾ جو تمہارے حق میں بہتر ہے اور تم نہیں جانتے ﴾ اسے لہٰذا تمہیں جو حکم ملے اس کی طرف سبقت کرو۔

توضیح و تشریح: قوله: ای الذی- یہ ذاکی تفسیر ہے جس سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ یہاں ذا اسم اشارہ نہیں بلکہ اسم موصول ہے کیونکہ یہ اسم اشارہ کا محل نہیں ہے۔

قوله: و علی من ینفق- یہ دفع دخل مقدر ہے، سوال یہ پیدا ہوا کہ یہاں آیت میں جواب سوال کے مطابق نہیں کیونکہ سوال تھا مُنفق کے متعلق کہ کیا خرچ کریں مگر جواب میں مُنفق علیہم کی صراحت ہے کہ فلاں فلاں پر خرچ کرو۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ سوال میں دو شقیں تھیں یعنی منفق اور منفق علیہم مگر منفق کے متعلق سوال چونکہ اہم نہیں تھا اس لئے اس کا جواب ما انفقتم من خیر سے اشارۃً دیا، اور منفق علیہم کے تعلق سے سوال اہمیت کا حامل تھا اس لئے اس کا جواب فللوالدین الخ سے صراحۃً دیا، البتہ سوال کی شق ثانی کو قرآن نے اس لئے ذکر نہیں کیا کہ وہ جواب سے خود ہی مستفاد ہو جاتا ہے۔

قوله: هم اولیٰ به- اس اضافہ سے اشارہ فرمایا کہ فللوالدین میں لام اختصاص کا نہیں کہ مذکورہ مصارف کے علاوہ کسی اور مصرف میں زکوٰۃ وغیرہ دینا ناجائز ہو، بلکہ مذکورہ مصارف اولیٰ اور مقدم ہیں اگرچہ ان کے علاوہ پر بھی صرف کرنا جائز ہے۔

قوله: للكفار۔ اس سے اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ القتال میں اَلْ برائے عہد ہے اور اس سے مراد کفار سے جہاد ہے لہٰذا یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ مطلق قتال فرض نہیں جیسے مسلمانوں سے قتال کرنا بلکہ یہ کبھی حرام بھی ہوتا ہے پھر یہاں "کتب علیکم القتال" کیوں فرمایا۔

قوله: طبعاً- یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کو ناپسند کرنا کفر اور منافی ایمان ہے خصوصاً جب حکم فرض ہو، اور اس آیت سے واضح ہے کہ بعض فرائض مسلمانوں پر بار خاطر ہیں پھر مسلمان کون رہا؟ جواب کا حاصل یہ ہے کہ کسی حکم سے طبعی کراہت موجب کفر نہیں کہ یہ انسان کی اپنی فطرت ہے جو رضا کے منافی نہیں، جیسے ایک مریض کڑوی دوا کو ناپسند کرتا ہے مگر بخوشی اسے کھاتا یا پیتا ہے تو اس کی طبعی منافرت اس کی رضا کے خلاف نہ ہوئی۔

قوله: فبادروا الیٰ ما یأمركم به- اس میں اشارہ ہے کہ خدائی احکام کی علت تلاش کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے بلکہ عمل کی طرف سبقت کرنا چاہئے اس یقین کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ بندے کو وہی حکم دیتا ہے جس میں کسی نہ کسی طرح بندے کی بھلائی ہوتی ہے۔

جہاد کی اقسام وشرائط ومواقع:

ماقبل میں جہاد کا لغوی اور شرعی معنی گزرا کہ دین کی سر بلندی کے لئے کافروں سے لڑنے میں اپنی پوری طاقت صرف کرنا جہاد ہے، اس کی دو قسمیں ہیں۔(۱) فرض عین (۲) فرض کفایہ، جیسا کہ علامہ علاء الدین کاسانی تحریر فرماتے ہیں ''اگر جہاد کے لئے روانہ ہونے کا مسلمانوں کو عام حکم دیا جائے تو جہاد فرض عین ہے اور اگر عام حکم نہ ہو تو جہاد فرض کفایہ ہے۔یعنی بعض مسلمانوں کے جہاد کر لینے سے باقی مسلمانوں سے جہاد کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے۔'' (بدائع الصنائع جلد ۷، ص ۱۴۵، مطبوعہ برکات رضا پور بندر گجرات)

جہاد واجب ہونے کی حسب ذیل سات شرطیں ہیں۔(۱) مسلمان ہونا، کہ کافر لائق اعتماد نہیں (۲) بالغ ہونا کہ نابالغ کمزوری کی وجہ سے جہاد نہیں کر سکتا۔(۳) عاقل ہونا، کہ دیوانہ سے جہاد نہیں ہو سکتا۔(۴) آزاد ہونا کہ غلام خود مختار نہیں ہوتا۔(۵) مرد ہونا کہ عورتیں کار جہاد سنبھالنے کی اہلیت نہیں رکھتیں۔(۶) تندرست ہونا کہ معذور لڑنے کی طاقت نہیں رکھتا۔(۷) ضروریات کا خرچ موجود ہونا، کہ اس کے بغیر سامان حرب وضرب کی فراہمی ممکن نہیں۔

جن مواقع پر جہاد کرنا فرض ہے وہ یہ ہیں۔(۱) جب کسی مسلمان ملک کا امیر ملک کے ہر شہری کو جہاد کے لئے روانہ ہونے کا حکم دے خواہ وہ شہری فوجی ہو یا غیر فوجی، اس وقت اس ملک کے ہر مسلمان پر جہاد کرنا فرض عین ہے۔(۲) جس علاقہ کے لوگ دشمن اسلام سے قریب ہوں اور اس سے جہاد کرنے پر قادر ہوں ان پر اس سے جہاد کرنا فرض عین ہے۔(۳) مسلمانوں کے جس شہر کی سرحدوں پر کفار حملہ کرنے کے قصد سے جمع ہو جائیں اس شہر کے مسلمانوں پر ان کفار سے جہاد کرنا فرض عین ہے۔اور اگر ان کو اپنے دفاع میں دوسرے شہر کے مسلمانوں کی ضرورت ہو تو پھر ان پر بھی جہاد فرض عین ہے۔

مذکورہ صورتوں کے علاوہ عام حالات میں جب کافر اپنے اپنے ملکوں میں ہوں تو جو مسلمان ان سے جہاد کرنے پر قادر ہوں ان پر تبلیغ دین اور اسلام کی سربلندی کے لئے کافروں سے جہاد کرنا فرض کفایہ ہے اور اگر کسی بھی ملک کے مسلمان کافروں سے جہاد نہ کریں تو پھر دنیا کے تمام مسلمان گنہگار ہوں گے۔(شرح صحیح مسلم جلد ۵ علامہ غلام رسول سعیدی، مطبوعہ پور بندر، گجرات)

وَاَرْسَلَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلَ سَرَايَاهُ وَ اَمَّرَ عَلَيْهَا عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ جَحْشٍ فَقَاتَلُوْا الْمُشْرِكِيْنَ وَ قَتَلُوْا ابْنَ الْحَضْرَمِیِّ فِیْ اٰخِرِ يَوْمٍ مِنْ جُمَادِی الْاٰخِرَةِ وَ الْتَبَسَ عَلَيْهِمْ بِرَجَبٍ فَعَيَّرَهُمُ الْكُفَّارُ بِاسْتِحْلَالِهٖ فَنَزَلَ ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ﴾ اَلْمُحَرَّمِ ﴿قِتَالٍ فِيْهِ﴾ بَدَلُ اشْتِمَالٍ ﴿قُلْ﴾ لَهُمْ ﴿قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ﴾ عَظِيْمٌ وِزْرًا مُبْتَدَأٌ وَ خَبَرٌ ﴿وَ صَدٌّ﴾ مُبْتَدَأٌ مَنْعٌ لِلنَّاسِ ﴿عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ دِيْنِهٖ ﴿وَ كُفْرٌ بِهٖ﴾ بِاللّٰهِ ﴿وَ﴾ صَدٌّ عَنِ ﴿الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ اَیْ مَكَّةَ ﴿وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ﴾ وَ هُمُ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ خَبَرُ الْمُبْتَدَاِ ﴿اَكْبَرُ﴾ اَعْظَمُ وِزْرًا ﴿عِنْدَ اللّٰهِ﴾ مِنَ الْقِتَالِ فِيْهِ ﴿وَالْفِتْنَةُ﴾ الشِّرْكُ مِنْكُمْ ﴿اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ﴾ لَكُمْ فِيْهِ ﴿وَ لَا يَزَالُوْنَ﴾ اَیِ الْكُفَّارُ ﴿يُقَاتِلُوْنَكُمْ﴾ اَيُّهَا

الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿حَتّٰى﴾ کَیْ ﴿يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ﴾ اِلَى الْكُفْرِ ﴿اِنِ اسْتَطَاعُوْا وَ مَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ﴾ بَطَلَتْ ﴿اَعْمَالُهُمْ﴾ اَلصَّالِحَةُ ﴿فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ﴾ فَلَا اِعْتِدَادَ بِهَا وَلَاثَوَابَ عَلَيْهَا وَ التَّقْيِيْدُ بِالْمَوْتِ عَلَيْهِ يُفِيْدُ اَنَّهٗ لَوْ رَجَعَ اِلَى الْاِسْلَامِ لَمْ يَبْطُلْ عَمَلُهٗ فَيُثَابُ عَلَيْهِ وَ لَايُعِيْدُهٗ كَالْحَجِّ مَثَلًا وَ عَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ ﴿وَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ o﴾ وَ لَمَّا ظَنَّ السَّرِيَّةُ اَنَّهُمْ اِنْ اَسْلَمُوْا مِنَ الْاِثْمِ فَلَايَحْصُلُ لَهُمْ اَجْرٌ نَزَلَ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا﴾ فَارَقُوْا اَوْطَانَهُمْ ﴿وَ جَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ لِاِعْلَاءِ دِيْنِهٖ ﴿اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَةَ اللّٰهِ﴾ ثَوَابَهٗ ﴿وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ﴾ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿رَحِيْمٌ o﴾ بِهِمْ.

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا پہلا سریہ روانہ فرمایا اور حضرت عبداللہ بن جحش کو اس کا امیر بنایا تو ان حضرات نے مشرکین سے جہاد کیا اور جمادی الآخرہ کے آخری دن ابن حضرمی کو قتل کردیا مگر ان کو جمادی الآخرہ کے آخری دن سے رجب کا اشتباہ ہوگیا تو کفار نے انھیں رجب کو حلال سمجھنے کا الزام لگایا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿وہ پوچھتے ہیں آپ سے ماہ حرام میں لڑنے کا حکم﴾ (قتال فیہ) بدل الاشتمال ہے (عن الشهر الحرام سے) ﴿آپ فرمائیں﴾ ان سے ﴿اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے﴾ جرم عظیم ہے، یہ مبتداء اور خبر ہے ﴿لیکن روک دینا﴾ مبتداء ہے، لوگوں کو منع کردینا ﴿اللہ کی راہ سے﴾ اللہ کے دین سے ﴿اور اس پر ایمان نہ لانا﴾ اللہ پر ﴿اور﴾ روک دینا ﴿مسجد حرام سے﴾ یعنی مکہ سے ﴿اور اس کے بسنے والوں کو نکال دینا﴾ اور وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مؤمنین ہیں اور مبتداء کی خبر یہ ہے ﴿اس سے بھی بڑے گناہ ہیں﴾ سب سے بڑے جرم ہیں ﴿اللہ کے نزدیک﴾ اس ماہ میں لڑنے سے ﴿اور فتنہ﴾ تمہارا شرک ﴿قتل سے سخت تر ہے﴾ تمہارے ساتھ لڑنے سے ﴿اور ہمیشہ جاری رکھیں گے﴾ یعنی کفار ﴿تم سے جنگ﴾ اے مومنو! ﴿یہاں تک کہ﴾ حتی بمعنی کی ہے ﴿تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں﴾ کفر کی جانب ﴿اگر بن پڑے، اور تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرے، پھر کافر ہوکر مرے تو یہی وہ ہیں کہ ضائع ہوگئے ان کے اعمال﴾ یعنی اعمال صالحہ ﴿دنیا میں اور آخرت میں﴾ تو نہ ان کا شمار ہوگا اور نہ ہی ان پر ثواب ملے گا اور کفر پر مرنے کی قید اس فائدہ کے لئے ہے کہ اگر وہ اسلام کی طرف لوٹ آیا تو اس کا عمل باطل نہ ہوگا اور اس پر ثواب پائے گا اور اس عمل کا اعادہ نہ کرے گا مثلاً حج کا، یہی امام شافعی کا مسلک ہے ﴿اور یہی دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں﴾ اور جب اہل سریہ نے گمان کیا کہ وہ اگرچہ گناہ سے محفوظ رہے مگر انھیں اجر تو نہیں ملے گا، تو یہ آیت نازل ہوئی ﴿وہ جو ایمان لائے اور وہ جو اللہ کے لئے اپنے گھربار چھوڑے﴾ اپنے گھروں سے جدا ہوگئے ﴿اور اللہ کی راہ میں لڑے﴾ اس کے دین کی سربلندی کے لئے ﴿وہ رحمت الٰہی کے امیدوار ہیں﴾ یعنی ثواب کے ﴿اور اللہ بڑا بخشنے والا ہے﴾ مؤمنین کو ﴿بہت رحم فرمانے والا ہے﴾ مؤمنین پر۔

توضیح وتشریح: قوله: و ارسل النبی صلی اللّٰه علیه وسلم الخ یہ آیت کا شان نزول ہے، جس کی قدرے تفصیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق اس طرح ہے کہ جنگ بدر سے دو مہینہ قبل ہجرت کے

دوسرے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو آٹھ مہاجرین پر امیر مقرر فرما کر کفار کی خبر لینے کے لئے بھیجا اور انھیں ایک خط دے کر فرمایا کہ اسے ابھی مت پڑھنا، دو دن کا راستہ طے کرنے کے بعد پڑھنا، حضرت عبداللہ بن جحش نے جب دو دن کے بعد خط کھول کر پڑھا تو اس میں لکھا تھا کہ ''تم بطن نخلہ (مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام ہے) پہنچ کر قریش کے قافلہ کی خبر لو اور اپنے ساتھ جانے پر کسی کو مجبور نہ کرو'' حضرت عبداللہ بن جحش نے خط پڑھ کر اپنے اصحاب کو سنایا وہ سب بہ خوشی ان کے ساتھ جانے پر تیار ہو گئے جب وہ معدن میں پہنچے تو حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عتبہ بن غزوان کے اونٹ گم ہو گئے وہ دونوں حضرات اپنے اپنے اونٹوں کی تلاش میں نکل گئے اور حضرت عبداللہ بن جحش اپنے بقیہ اصحاب کے ساتھ نخلہ میں پہنچ گئے، وہاں سے قریش کا ایک تجارتی قافلہ گزرا جس میں عمرو بن حضرمی، عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ اور نوفل وغیرہ تھے۔

عبداللہ بن جحش اور ان کے ساتھیوں نے مشورہ کیا کہ آج جمادی الآخرہ کی آخری تاریخ ہے اگر ابھی ان پر حملہ نہ کیا گیا تو آج شام کو رجب کا چاند ہو جائے گا جس میں جنگ حرام ہو جائے گی، چنانچہ انھوں نے اس قافلہ پر حملہ کر کے عمرو بن حضرمی کو قتل کر دیا اور دو کو گرفتار کر کے اور مال غنیمت لے کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، خدا کی شان کہ اس حملہ کے دن رجب کی پہلی تاریخ تھی یعنی چاند ۲۹ رکا ہو چکا تھا مگر انھیں اس کا علم نہ ہو سکا، اس پر قریش نے طعنہ دیا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب نے ماہ حرام کو حلال کر لیا ہے، مسلمانوں نے بھی انھیں ملامت کی، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باز پرس فرمائی اور فرمایا کہ ہم نے تمہیں قافلہ کی خبر لانے کو بھیجا تھا نہ کہ جنگ کے لئے چنانچہ حضور نے نہ تو مال غنیمت قبول فرمایا اور نہ ہی قیدیوں کے متعلق کوئی فیصلہ فرمایا، اس وقت حضرت عبداللہ اور ان کے رفقاء بہت پریشان ہوئے، تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں حضرت عبداللہ بن جحش کی تائید ہوئی اور ان کا غم غلط ہوا۔ اور پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت تقسیم فرمایا اور قیدیوں کا فیصلہ فرمایا۔ (کبیر و روح البیان)

قولہ: المحرم: اس تفسیر سے مفسر علام نے اشارہ فرمایا ہے کہ آیت میں مصدر "الحرام" بمعنی مفعول ''محرم'' ہے لہٰذا ذات کی صفت مصدر لانے کا اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔

قولہ: بدل اشتمال۔ یعنی قتال فیہ، الشہر الحرام کا بدل الاشتمال ہے کہ محض الشہر الحرام ادائے مقصود کے لئے کافی نہیں اور چونکہ یہاں بدل اور مبدل منہ کے درمیان کلیت و جزئیت کے علاوہ علاقۂ ملابست ہے اس لئے بدل الکل یا بدل البعض قرار دینا درست نہیں، رہا یہ سوال کہ یہاں مبدل منہ ''الشہر الحرام'' معرفہ ہے اور بدل "قتال فیہ" نکرہ ہے حالانکہ نکرہ کا معرفہ سے بدل واقع ہونا درست نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ نکرہ اگر موصوفہ ہو تو وہ معرفہ سے بدل بن سکتا ہے اور یہاں نکرہ موصوفہ ہے کہ "فیہ قتال کی صفت واقع ہے۔ فلا اعتراض

قولہ: مبتداء و خبر۔ یعنی قتال اور کبیر موصوف اور صفت نہیں جیسا کہ قتال کے نکرہ ہونے سے وہم پیدا ہوتا ہے اور یہ وہم اس لئے باطل ہے کہ قتال نکرہ موصوفہ ہے اور نکرۂ موصوفہ کا مبتداء واقع ہونا درست ہے، لہٰذا یہاں قتال اپنی

صفت سے مل کر مبتداء ہے اور کبیر اس کی خبر واقع ہے۔

قولہ: دینه — اس تفسیر کی وجہ ماقبل میں گزر گئی کہ معنی حقیقی کے لحاظ سے سبیل کی اضافت کلمۂ جلالت کی طرف درست نہیں لہٰذا سبیل بمعنی دین ہے، آگے بـاللہ کے اضافہ کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ اقرب ہونے کی وجہ سے سبیل اللہ کی طرف ضمیر کے لوٹنے کا شبہ نہ پیدا ہو۔

قولہ: و صد عن المسجد الحرام — یہاں لفظ صد سے حضرت مفسر نے اشارہ فرمایا ہے کہ عن المسجد الحرام کا عطف عن سبیل اللہ پر ہے، بہ کی ضمیر مجرور پر نہیں کہ بغیر اعادۂ حرف جر ضمیر مجرور پر عطف صحیح نہیں، رہا یہ اشکال کہ صلہ چونکہ موصول کا متمم ہوتا ہے لہٰذا عطف علی الموصول عطف علی الصلۃ پر مقدم نہیں ہو سکتا لہٰذا یہاں و کفر بہ عطف کے لئے مانع ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اشکال اس وقت لازم آتا جب فصل اجنبی ہوتا اور یہاں فصل اجنبی نہیں کہ صد عن سبیل اللہ اور کفر بہ سے ایک ہی معنی کی ادائے گی ہوتی ہے لہٰذا یہ عطف بلا کراہت جائز ہے۔ (صاوی)

قولہ: و خبر المبتداء اکبر — یہاں لفظ اکبر کے خبر واقع ہونے پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ لفظ اکبر مفرد اور خبر ہے جب کہ مبتداء متعدد ہے حالانکہ مبتداء متعدد کی خبر بھی متعدد ہونی چاہئے، جواب یہ ہے کہ اسم تفضیل اگر مجرد ہو یا نکرہ کی طرف مضاف ہو تو وہ واحد، تثنیہ، جمع، مذکر اور مؤنث سب کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ فلا اشکال

قولہ: الشرک منکم — اس تفسیر سے دو شبہات کا ازالہ مقصود ہے اولاً یہ کہ الفتنۃ مبتداء ہے اور اکبر اپنے مابعد سے مل کر خبر ہے مگر مبتداء مؤنث اور خبر مذکر ہے جب کہ مبتداء اور خبر میں مطابقت ضروری ہے، جواب یہ ہے کہ یہاں فتنہ شرک کی تاویل میں ہے اور شرک مذکر ہے، لہٰذا مطابقت پالی گئی، ثانیاً یہاں تکرار کا وہم پیدا ہو سکتا تھا، اس طرح کہ فتنہ سے مراد صد عن سبیل اللہ اور اخراج اهله منه ہو لہٰذا مفسر علام نے فتنۃ کی تفسیر شرک سے فرمائی تا کہ تکرار کا وہم نہ پیدا ہو۔

قولہ: و علیه الشافعی۔ اس سے اشارہ فرمایا کہ مذکورہ مسئلہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے مسلک کے مطابق ہے یعنی یہ کہ مرتد کے اعمال صالحہ اس وقت باطل ہوتے ہیں جب کہ مرتد کی موت ارتداد پر ہو، دلیل یہی آیت ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرے اور کافر ہو کر ہی مرے تو ان لوگوں کا کیا اکارت گیا دنیا اور آخرت میں" لہٰذا اگر کسی شخص نے حج کر لیا اور پھر وہ مرتد ہو گیا اور دوبارہ پھر مسلمان ہو گیا اور صاحب استطاعت ہے تو امام شافعی کے نزدیک اس پر دوبارہ حج فرض نہیں ہوگا، احناف کا مذہب دلائل کے ساتھ آگے مذکور ہے۔

قولہ: لاعلاء دینه — اس اضافہ سے اشارہ فرمایا کہ یہاں سبیل کا لفظ معنی حقیقی میں نہیں بلکہ مجازاً دین کے معنی میں ہے جیسا کہ ماقبل میں گزرا۔

فوائد: (۱) سریہ لشکر کے اس ایک حصہ کو کہتے ہیں جو کم از کم پانچ اور زیادہ سے زیادہ چار سو افراد پر مشتمل ہو اور اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود شرکت نہ فرمائی ہو۔ اس کو سریہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ رات میں چلتا ہے اور سری یسری کا معنی ہے رات میں چلنا۔

(۲) سب سے پہلے جس سریہ میں لڑائی ہوئی اور مال غنیمت ہاتھ لگا اور کافروں کو قیدی بنایا گیا وہ سریہ عبداللہ بن جحش ہے۔
(۳) ماہ حرام میں ممانعت جنگ منسوخ ہے اور اب ہر وقت کفار سے جنگ جائز ہے۔ (روح المعانی وکبیر)

ارتداد سے اعمال صالحہ کے ضائع ہونے کے متعلق احناف کا مذہب:

اس سلسلہ میں امام شافعی قدس سرہ کا مسلک توضیح وتشریح کے ضمن میں گزرا کہ ان کے نزدیک ارتداد سے نیک عمل اس وقت ضائع ہوتا ہے جب کہ مرتد حالت ارتداد میں ہی مرے، مگر امام اعظم کے نزدیک صرف ارتداد سے ہی اعمال صالحہ ضائع ہوجاتے ہیں، اس سلسلہ میں علامہ آلوسی حنفی تحریر فرماتے ہیں، امام شافعی کے نزدیک ارتداد سے اس وقت تک اعمال صالحہ باطل نہیں ہوتے جب تک اس شخص کی موت ارتداد پر نہ ہو اور امام اعظم کے نزدیک صرف ارتداد سے اعمال صالحہ ضائع ہوجاتے ہیں، اختلاف کا ثمرہ یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص نے ظہر کی نماز پڑھی اور پھر مرتد ہوگیا اور پھر ظہر کا وقت ختم ہونے سے پہلے دوبارہ مسلمان ہوگیا تو امام اعظم کے نزدیک اس پر ظہر کی نماز کا اعادہ ہے اور امام شافعی کے نزدیک اعادہ نہیں۔ (روح المعانی ملخصاً)

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موقف پر درج ذیل آیات واضح دلیل ہیں۔

و من یکفر بالایمان فقد حبط عمله۔ (مائدہ آیت ۵)	اور جو مسلمان سے کافر ہوا اس کا کیا دھرا سب اکارت گیا۔
و لو اشرکوا لحبط عنهم ما کانوا یعملون ۔(انعام آیت ۸۸)	اور اگر وہ شرک کرتے تو ضرور ان کا کیا اکارت ہوجاتا۔
یایها الذین اٰمنوا لاترفعوا اصواتکم فوق	اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے
صوت النبی و لاتجهروا له بالقول کجهر بعضکم لبعض۔	نبی کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے
ان تحبط اعمالکم و انتم لاتشعرون۔ (الحجرات، آیت:۲)	میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہوجائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔

مذکورہ تمام آیات میں اعمال صالحہ ضائع ہونے کا سبب نفس ارتداد کو قرار دیا ہے اور موت کے ساتھ مقید نہیں فرمایا، رہا امام شافعی کا استدلال تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں آیت میں ہمیشہ کیلئے ضبطیٔ اعمال اور دائمی جہنمی ہونا حالت ارتداد میں مرنے پر موقوف فرمایا ہے گویا دو غلطیوں پر دو سزائیں متعین فرمایا، نفس ارتداد پر حبط اعمال اور حالت ارتداد میں مرنے پر خلود فی النار۔

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ﴾ الْقِمَارِ مَا حُكْمُهُمَا ﴿قُلْ﴾ لَهُمْ ﴿فِيْهِمَا﴾ اَیْ فِیْ تَعَاطِيْهِمَا ﴿اِثْمٌ كَبِيْرٌ﴾ عَظِيْمٌ وَ فِیْ قِرَأَةٍ بِالْمُثَلَّثَةِ لِمَا يَحْصُلُ بِسَبَبِهِمَا مِنَ الْمُخَاصَمَةِ وَ الْمُشَاتَمَةِ وَ قَوْلِ الْفُحْشِ ﴿وَ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾ بِاللَّذَّةِ وَ الْفَرَحِ فِی الْخَمْرِ وَ اِصَابَةِ الْمَالِ بِلَاكَدٍّ فِی الْمَيْسِرِ ﴿وَ اِثْمُهُمَآ﴾ اَیْ مَايَنْشَأُ

عَنْهُمَا مِنَ الْمَفَاسِدِ ﴿اَكْبَرُ﴾ اَعْظَمُ ﴿مِنْ نَّفْعِهِمَا﴾ وَ لَمَّا نَزَلَتْ شَرِبَهَا قَوْمٌ وَ امْتَنَعَ اٰخَرُوْنَ اِلٰى اَنْ حَرَّمَتْهُمَا اٰيَةُ الْمَائِدَةِ ﴿وَ يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ﴾ اَیْ مَاقَدْرُهُ ﴿قُلْ﴾ اَنْفِقُوْا ﴿الْعَفْوَ﴾ اَیِ الْفَاضِلَ عَنِ الْحَاجَةِ وَ لَاتُنْفِقُوْا مَاتَحْتَاجُوْنَ اِلَيْهِ وَ تُضِيْعُوْا اَنْفُسَكُمْ وَ فِیْ قِرَأَةٍ بِالرَّفْعِ بِتَقْدِيْرِ هُوَ ﴿كَذٰلِكَ﴾ كَمَا بَيَّنَ لَكُمْ مَا ذُكِرَ ﴿يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ٥ فِیْ﴾ اَمْرِ ﴿الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ فَتَاْخُذُوْنَ بِالْاَصْلَحِ لَكُمْ فِيْهِمَا ﴿وَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى﴾ وَ مَا يُلْقُوْنَهُ مِنَ الْحَرَجِ فِیْ شَانِهِمْ فَاِنْ وَاكَلُوْهُمْ يَاثَمُوْا وَاِنْ عَزَلُوْا مَالَهُمْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ وَ صَنَعُوْالَهُمْ طَعَامًا وَحْدَهُمْ فَحَرَجٌ ﴿قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ﴾ فِیْ اَمْوَالِهِمْ بِتَنْمِيَّتِهَا مُدَاخَلَتُكُمْ ﴿خَيْرٌ﴾ مِنْ تَرْكِ ذٰلِكَ ﴿وَ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ﴾ اَیْ تَخْلِطُوْا نَفَقَتَهُمْ بِنَفَقَتِكُمْ ﴿فَاِخْوَانُكُمْ﴾ اَیْ فَهُمْ اِخْوَانُكُمْ فِی الدِّيْنِ وَ مِنْ شَانِ الْاَخِ اَنْ يُّخَالِطَ اَخَاهُ اَیْ فَلَكُمْ ذٰلِكَ ﴿وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ﴾ لِاَمْوَالِهِمْ بِمُخَالَطَةٍ ﴿مِنَ الْمُصْلِحِ﴾ لَهَا فَيُجَازِیْ كُلًّا مِّنْهُمَا ﴿وَ لَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ﴾ لَضَيَّقَ عَلَيْكُمْ بِتَحْرِيْمِ الْمُخَالَطَةِ ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ﴾ غَالِبٌ عَلٰى اَمْرِهِ ﴿حَكِيْمٌ٥﴾ فِیْ صُنْعِهِ.

ترجمہ: ﴿تم سے شراب اور جوئے کی بابت پوچھتے ہیں﴾ یعنی ان دونوں کا حکم پوچھتے ہیں ﴿تم فرمادو﴾ ان سے ﴿کہ ان دونوں میں﴾ یعنی ان دونوں کے کرنے میں ﴿بڑا گناہ ہے﴾ ایک قرأت میں ثاء مثلثہ کے ساتھ (کثیر) ہے کیونکہ ان دونوں کی وجہ سے جھگڑا لڑائی، گالی گلوج اور فحش گوئی کی نوبت آتی ہے ﴿اور کچھ فائدے بھی ہیں لوگوں کے لئے﴾ مثلاً لذت اور سرور شراب میں اور بغیر مشقت مالی منفعت جوئے میں ﴿اور ان کا گناہ﴾ یعنی جو مفاسد ان دونوں سے پیدا ہوتے ہیں ﴿بہت بڑا ہے ان کے فائدے سے﴾ اور جب یہ آیت نازل ہوئی تو کچھ لوگ شراب پیتے رہے اور کچھ لوگ اس سے باز رہے حتی کہ آیت مائدہ نے ان دونوں کو حرام کر دیا ﴿اور تم سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں﴾ یعنی خرچ کی مقدار کیا ہو؟ ﴿تم فرمادو﴾ خرچ کرو ﴿جو ضرورت سے زیادہ ہو﴾ یعنی حاجت ضروریہ سے زائد ہو اور ضرورت کی چیزوں کو خرچ نہ کرو کہ خود کو ضائع کر بیٹھو اور ایک قرأۃ میں رفع کے ساتھ (العفوُ) ہے ھــــو کی تقدیر کے ساتھ ﴿اسی طرح﴾ جیسا کہ تمہارے لئے مذکورہ احکام بیان فرمائے ﴿اللہ تم سے آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم غور وفکر کرو دنیا اور آخرت کے معاملہ میں﴾ پھر اس چیز کو اختیار کرو جو ان دونوں میں تمہارے لئے بہتر ہو ﴿اور تم سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں﴾ یعنی ان کے معاملہ میں جو حرج پیش آتا ہے کہ اگر انہیں اپنے ساتھ کھلائیں تو گنہگار ہوتے ہیں اور اگر ان کے مال کو اپنے مالوں سے جدا کریں اور ان کا کھانا الگ بنائیں تو پھر حرج ہے ﴿تم فرماؤ ان کا بھلا کرنا﴾ ان کے اموال میں اضافہ کے لئے تمہاری مداخلت ﴿بہتر ہے﴾ اس کے ترک کرنے سے ﴿اور اگر تم انہیں ساتھ ملا لو﴾ یعنی اپنا اور ان کا خرچ ملا لو ﴿تو وہ تمہارے بھائی ہیں﴾ یعنی وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور بھائی کی شان ہی یہ ہوتی ہے کہ وہ بھائی کو ملا لیتا ہے لہٰذا تمہارے لئے بھی یہ جائز ہے ﴿اور اللہ خوب جانتا ہے بگاڑنے والے کو﴾ ان کے اموال کو اپنے اموال میں ملا کر ﴿سنوارنے والے سے﴾ لہٰذا ان دونوں کو جزا دے گا ﴿اور اللہ چاہتا تو تمہیں مشقت میں ڈال دیتا﴾ شرکت کو حرام کر کے تمہیں تنگی میں ڈال دیتا ﴿بے شک اللہ تعالیٰ

زبردست حکمت والا ہے﴾ یعنی حکم میں غالب اور اپنی صنعت کاری میں حکمت والا ہے۔

توضیح و تشریح: قوله: القمار ۔یہ المیسر مصدر میمی کا ترجمہ ہے عربی میں جوئے کے لئے میسر اور قمار دونوں لفظ استعمال کئے جاتے ہیں وجہ تسمیہ یہ ہے کہ میسر کا لفظ یسر سے بنا ہے جس کا معنی ہے آسانی چونکہ جوئے میں جیتنے والا آسانی سے مال حاصل کرلیتا ہے اور ہارنے والے کے ہاتھ سے آسانی کے ساتھ مال نکل جاتا ہے۔اس لئے اسے میسر کہتے ہیں، اور قمار اس لئے کہتے ہیں کہ قمار ماخوذ ہے قمر سے جو گھٹتا بڑھتا رہتا ہے چونکہ جوا کھیلنے والے کبھی کم مال کی شرط لگاتے ہیں کبھی زیادہ کی اس لئے اسے قمار کہتے ہیں۔قمار کی تعریف اور تفصیلی حکم آگے مذکور ہے۔

قوله: ای فی تعاطیهما۔ اس تفسیر سے اشارہ فرمایا کہ نفس شراب یا نفس قمار میں گناہ نہیں بلکہ شراب پینے اور جوا کھیلنے میں گناہ ہے، مگر یہاں لفظ اثم سے شرعی گناہ مراد نہیں بلکہ دنیوی خرابیاں مراد ہیں کہ اس وقت تک شراب اور جوا کی حرمت نہیں آئی تھی۔

قوله: و فی قرأة بالمثلثة الخ یہ سبعی قرأۃ حمزہ اور کسائی کی ہے یعنی ان حضرات نے اثم کبیر کی بجائے اثم کثیر پڑھا ہے جس کی وجہ مفسر علام نے لما یحصل بسببهما الخ سے بیان فرمائی ہے۔

قوله: لما نزلت شربها قوم الخ – چونکہ اس آیت میں صراحۃً شراب کا اٹل حکم نازل نہ ہوا تھا بلکہ اس کے نفع اور نقصان کو بیان فرمایا اور اثمهما اکبر الایة کہہ کر واضح فرمادیا کہ شراب نوشی میں نقصانات زیادہ ہیں جس سے بعض صحابہ نے شراب نوشی بند کردی مگر دوسرے بعض صحابہ شراب پیتے رہے یہاں تک کہ سورۂ مائدہ کی یہ آیت نازل ہوئی انما الخمر الخ الی فهل انتم منتهون. یہ شراب کے تعلق سے قطعی حکم تھا جس سے شراب ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی، تحریم خمر کے بارے میں نزول آیات کی ترتیب امام ابوداؤد کی روایت کے مطابق یوں ہے۔حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ عمر نے دعا کی کہ ”اے اللہ خمر کے متعلق شافی حکم بیان فرما“ تو سورۂ بقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی ”یسئلونك عن الخمر و المیسر“ عمر نے پھر دعا کی تو یہ آیت نازل ہوئی: ”یا ایها الذین اٰمنوا لا تقربوا الصلوٰة و انتم سکاریٰ“ (النساء آیت ۴۳) تب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منادی نے ندا کی کہ کوئی شخص نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جائے، عمر نے پھر دعا کی اے اللہ! خمر کے متعلق شافی حکم نازل فرما تو یہ آیت نازل ہوئی ”فهل انتم منتهون“ (المائدہ، آیت ۹۰) حضرت عمر نے کہا ہم باز آگئے۔(سنن ابوداؤد کتاب الاشربہ، ص ۵۱۷، سعد بکڈپو، دیوبند)

قوله: ای ماقدره – اس تفسیر سے مفسر علام نے تکرار کے شبہ کو دفع کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ماقبل میں ”یسئلونك ماذا ینفقون“ میں جنس انفاق سے سوال تھا اور یہاں مقدار منفق سے متعلق سوال ہے لہٰذا تکرار کا شبہ نہیں رہا۔

قوله: ای الفاضل عن الحاجة الخ یہ العفو کا معنی مراد ہے چونکہ کتب لغت میں لفظ عفو کے چند معانی مذکور ہیں (۱) گناہ سے درگزر کرنا، (۲) لوگوں کے ساتھ احسان کرنا، (۳) میانہ روی سے خرچ کرنا (۴) زائد از ضرورت (۵) آسان، مفسر علام کی تفسیر کے مطابق یہاں لفظ عفو چوتھے معنی میں ہے مگر یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ نہ زکوۃ فرض ہوئی تھی نہ اس کی

مقدار بیان کی گئی تھی اب زائد از ضرورت مال خرچ کرنے کا حکم منسوخ ہے۔ البتہ اگر عفو کا لفظ یہاں تیسرے اور پانچویں معنی میں ہو یعنی میانہ روی سے اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا یا جس چیز کو خرچ کرنا آسان ہو اس کو خرچ کرنا تو یہ حکم اب بھی باقی ہے۔

قوله: و فی قرأة بالرفع – یہ ابوعمر کی قرأۃ ہے موصوف نے ھو مقدر کی خبر بنا کر العفو کو مرفوع پڑھا ہے جب کہ دوسرے قراء نے انفقوا مقدر کا مفعول قرار دیتے ہوئے العفو کو منصوب پڑھا ہے۔

قوله: و ما یلقونه الخ – اس اضافہ سے اشارہ فرمایا کہ عبارت حذف مضاف کے ساتھ ہے کیونکہ سوال حال سے ہے ذات سے نہیں۔

قوله: فھم اخوانکم فی الدین الخ – چونکہ فاخوانکم جزائے شرط ہے اور جزاء کا جملہ ہونا شرط ہے اس لئے مفسر علام نے ھم مبتداء محذوف مانا ہے اور چونکہ سوال مسلمان یتیموں کے تعلق سے تھا اس لئے آگے فی الدین کا اضافہ فرمایا۔

قولہ: ای فلکم ذلک – یہ جزائے محذوف کی طرف اشارہ ہے چونکہ و ان یخالطوھم شرط ہے اور فاخوانکم اس کی جزاء ہے اور دونوں میں کوئی ربط نہیں اس لئے بظاہر جزاء کا شرط پر ترتب درست نہیں ہوا، لہٰذا مفسر علام نے جزاء کو مقدر مان کر اشارہ فرمادیا کہ اصل جزاء محذوف ہے اور سبب جزاء یعنی اخوت کو جزاء کے قائم مقام کردیا گیا ہے، فلا اعتراض۔

خمر کی تعریف اور احکام:

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک خمر اس شراب کو کہتے ہیں جو انگور سے بنتی ہے یعنی انگور کا شیرہ جب گاڑھا ہو جائے اور اس میں جھاگ اٹھنے لگے تو وہ خمر ہے۔ (حقانی)

امام اعظم کے نزدیک صرف خمر حرام بعینہ ہے کہ اس کی حرمت قطعی ہے لہٰذا اس کی نجاست غلیظہ ہے اور اس کا قلیل و کثیر سب حرام ہے یہاں تک کہ خمر کا ایک قطرہ پی لینے پر بھی حد واجب ہو جائے گی، باقی نشہ آور مشروبات کی حرمت ظنی ہے مگر اس کا بھی ہر ہر قطرہ مثل خمر حرام و ناروا ہے اور اس کی نجاست بھی غلیظ ہے البتہ اس کے پینے میں حد اس وقت واجب ہوگی جب نشہ آور مقدار میں پیئے۔

علامہ مرغینانی لکھتے ہیں:

خمر کا ایک قطرہ بھی پی لیا جائے تو حد واجب ہوگی اور باقی تین شرابوں کے پینے سے حد اس وقت واجب ہوگی جب نشہ ہو جائے۔ (ملخصاً ہدایہ اخیرین، ص ۴۹۵، مطبوعہ اشرفی بکڈپو، دیوبند)

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہر نشہ آور مشروب خمر ہے اور وہ قلیل ہو یا کثیر حرام ہے اور اس کے پینے پر حد واجب ہوگی لقوله علیه السلام ما اسکر کثیره فقلیله حرام۔ (جس کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے۔)

احناف نے ائمہ ثلاثہ کے استدلال کے دو جوابات دیئے ہیں اولاً یہ کہ حدیث ما اسکر کثیره فقلیله حرام

ضعیف ہے اور حدیث ضعیف سے کسی چیز کی حرمت ثابت نہیں ہوسکتی۔ ثانیاً یہ کہ مذکور حدیث کا حکم منسوخ ہے کہ ابتداءً نشہ آور مشروب کی قلیل مقدار بھی حرام کردی گئی تھی مگر بعد میں جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نبیذ بنانے والے برتنوں میں پینے کی اجازت دی اور فرمایا پیو اور نشہ نہ کرو تو یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ (شرح صحیح مسلم، جلد ۶ ص ۲۰۴ مطبوعہ، پور بندر، گجرات)

امام اعظم کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا خمر حرام کی گئی ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر اور ہر مشروب میں سے نشہ آور کو حرام کیا گیا ہے۔ (سنن نسائی جلد ۲، ص ۳۳۱ مطبوعہ مکتبہ اشرفیہ، دیوبند)

یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے اور بہت قوی ہے جس سے واضح ہے کہ خمر کے سلسلہ میں بھی امام اعظم کے مذہب کی بنیاد ٹھوس دلیل پر ہے۔

قمار کی تعریف اور احکام:

میر سید شریف جرجانی قدس سرہ قمار کی تعریف میں تحریر فرماتے ہیں:

ہر وہ کھیل جس میں یہ شرط ہو کہ مغلوب کی کوئی چیز غالب کو دے دی جائے گی قمار ہے۔

(التعریفات، ص ۱۸۱، مطبوعہ، مکتبہ فقیہ ملت، دیوبند)

قمار یعنی جوا گناہ کبیرہ اور حرام قطعی ہے لاٹری، معمہ بازی، تاش، شطرنج، کیرم بورڈ، کرکٹ، فٹ بال، والی بال اور دیگر وہ تمام کھیل جن میں ہار جیت پر رقم لگائی جائے ان سب کا کھیلنا حرام اور وہ سب قمار میں داخل ہیں۔ البتہ جن کھیلوں میں صرف ایک طرف سے شرط لگائی جائے اس طرح کہ جیتنے پر انعام لے گا اور ہارنے پر کچھ دے گا نہیں تو وہ کھیل قمار میں داخل نہیں۔

﴿وَ لَاتَـنْـكِـحُـوْا﴾ تَتَزَوَّجُوْا اَيُّهَا الْمُسْلِمُوْنَ ﴿الْمُشْرِكٰتِ﴾ اَيِ الْكَافِرَاتِ ﴿حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَ لَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ﴾ حُـرَّةٍ لِاَنَّ سَبَبَ نُزُوْلِهَا الْعَيْبُ عَلٰى مَنْ تَزَوَّجَ اَمَةً مُّؤْمِنَةً وَالتَّرْغِيْبُ فِىْ نِكَاحِ حُـرَّةٍ مُشْرِكَةٍ ﴿وَ لَـوْ اَعْـجَـبَـتْـكُـمْ﴾ لِجَمَالِهَا وَمَالِهَا وَهٰذَا مَخْصُوْصٌ بِغَيْرِ الْكِتَابِيَاتِ بِآيَةِ ﴿وَالْـمُـحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ" ﴿وَلَاتُنْكِحُوْا﴾ تَزَوَّجُوْا ﴿الْمُشْرِكِيْنَ﴾ اَيِ الْكُفَّارَ الْمُؤْمِنَاتِ ﴿حَتّٰى يُؤْمِنُوْا وَ لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَ لَوْ اَعْجَبَكُمْ﴾ لِمَا لِهٖ وَ جَمَالِهٖ ﴿اُولٰٓئِكَ﴾ اَىْ اَهْلُ الشِّـرْكِ ﴿يَـدْعُـوْنَ اِلَى النَّارِ﴾ بِدُعَائِهِمْ اِلَى الْعَمَلِ الْمُوْجِبِ لَهَا فَلَا تَلِيْقُ مُنَاكَحَتُهُمْ ﴿وَ اللّٰهُ يَدْعُوْا﴾ عَـلٰى لِسَانِ رُسُلِهٖ ﴿اِلَى الْجَنَّةِ وَ الْمَغْفِرَةِ﴾ اَيِ الْعَمَلِ الْمُوْجِبِ لَهُمَا ﴿بِاِذْنِهٖ﴾ بِاِرَادَتِهٖ فَتَجِبُ اِجَابَتُهٗ بِتَـزْوِيْـجِ اَوْلِيَائِهٖ ﴿وَ يُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ o﴾ يَتَّعِظُوْنَ ﴿وَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ﴾ اَيِ الْـحَيْـضِ اَوْ مَـكَـانِـهٖ مَـاذَا يُـفْـعَلُ بِالنِّسَاءِ فِيْهِ ﴿قُلْ هُوَ اَذًى﴾ قَذَرٌ اَوْ مَحَلُّهٗ ﴿فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ﴾ اُتْـرُكُـوْا وَطْيَهُـنَّ ﴿فِى الْـمَـحِيْضِ﴾ اَىْ وَقْتِهٖ اَوْ مَكَانِهٖ ﴿وَ لَاتَقْرَبُوْهُنَّ﴾ بِالْجِمَاعِ ﴿حَتّٰى يَطْهُرْنَ﴾

بِسُکُوْنِ الطَّاءِ وَ تَشْدِیْدِھَا وَالْھَاءِ وَ فِیْہِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِی الْاَصْلِ فِی الطَّاءِ اَیْ یَغْتَسِلْنَ بَعْدَ اِنْقِطَاعِہٖ ﴿فَاِذَا تَطَھَّرْنَ فَاْتُوْھُنَّ﴾ لِلْجِمَاعِ ﴿مِنْ حَیْثُ اَمَرَکُمُ اللّٰہُ﴾ بِتَجَنُّبِہٖ فِی الْحَیْضِ وَھُوَ الْقُبُلُ وَ لَا تَعْدُوْہُ اِلٰی غَیْرِہٖ ﴿اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ﴾ یُثِیْبُ وَ یُکْرِمُ ﴿التَّوَّابِیْنَ﴾ مِنَ الذُّنُوْبِ ﴿وَ یُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ o﴾ مِنَ الْاَقْذَارِ ﴿نِسَآئُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ﴾ اَیْ مَحِلُّ زَرْعِکُمْ لِلْوَلَدِ ﴿فَاْتُوْا حَرْثَکُمْ﴾ اَیْ مَحِلَّہٗ وَھُوَ الْقُبُلُ ﴿اَنّٰی﴾ کَیْفَ ﴿شِئْتُمْ﴾ مِنْ قِیَامٍ وَ قُعُوْدٍ وَ اِضْطِجَاعٍ وَ اِقْبَالٍ وَ اِدْبَارٍ نَزَلَ رَدًّا لِقَوْلِ الْیَھُوْدِ مَنْ اَتٰی اِمْرَأَتَہٗ فِیْ قُبُلِھَا مِنْ جِھَۃِ دُبُرِھَا جَاءَ الْوَلَدُ اَحْوَلَ ﴿وَ قَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ﴾ اَلْعَمَلَ الصَّالِحَ کَالتَّسْمِیَۃِ عِنْدَ الْجِمَاعِ ﴿وَاتَّقُوا اللّٰہَ﴾ فِیْ اَمْرِہٖ وَ نَھْیِہٖ ﴿وَ اعْلَمُوْا اَنَّکُمْ مُّلٰقُوْہُ﴾ بِالْبَعْثِ فَیُجَازِیْکُمْ بِاَعْمَالِکُمْ ﴿وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ o﴾ اَلَّذِیْنَ اتَّقَوْہُ بِالْجَنَّۃِ.

ترجمہ: ﴿اور نکاح نہ کرو﴾ اے مسلمانو! شادی نہ کرو ﴿مشرکہ عورتوں کے ساتھ﴾ یعنی کافرہ عورتوں کے ہمراہ ﴿جب تک مسلمان نہ ہوجائیں اور بے شک مسلمان باندی مشرکہ سے اچھی ہے﴾ آزاد مشرکہ سے، کیونکہ اس آیت کا سبب نزول مومنہ باندی سے نکاح کرنے والے پر طعنہ زنی کرنا اور آزاد مشرکہ سے نکاح کی طرف رغبت ہے ﴿اگرچہ وہ تمہیں بھاتی ہو﴾ اپنے حسن اور مال کی وجہ سے اور یہ حکم مخصوص ہے غیر کتابیہ کے ساتھ آیت کریمہ "و المحصنٰت من الذین اوتو الکتاب" کی وجہ سے ﴿اور نکاح میں نہ دو﴾ شادی نہ کردیا کرو ﴿مشرکوں کے ساتھ﴾ یعنی کافروں کے ساتھ مومنہ عورتوں کی شادی نہ کیا کرو ﴿جب تک وہ ایمان نہ لائیں اور بے شک مسلمان غلام مشرک سے اچھا ہے اگرچہ وہ تمہیں بھاتا ہو﴾ اپنے مال اور حسن کی وجہ سے ﴿وہ لوگ﴾ یعنی مشرکین ﴿دوزخ کی طرف بلاتے ہیں﴾ ایسے عمل کی طرف بلاکر جو دخول جہنم کا سبب ہے ﴿اور اللہ تعالیٰ بلاتا ہے﴾ اپنے رسولوں کی زبانی ﴿جنت اور بخشش کی طرف﴾ یعنی ایسے عمل کی طرف جو ان دونوں کا سبب ہے ﴿اپنے حکم سے﴾ یعنی اپنے ارادہ سے لہٰذا اس کے حکم کو قبول کرنا واجب ہے مسلمانوں سے نکاح کرکے ﴿اور اپنی آیتیں لوگوں کے لئے بیان کرتا ہے کہ کہیں وہ نصیحت مانیں﴾ نصیحت حاصل کریں ﴿اور تم سے پوچھتے ہیں حیض کا حکم﴾ محیض بمعنی حیض (مصدر) ہے یا ظرف مکان (معنی محل حیض) ہے کہ عورتوں کے ساتھ اس حالت میں کیا کرنا چاہئے ﴿تم فرماؤ وہ ناپاک ہے﴾ ناپاکی ہے یا ناپاکی کا محل ہے ﴿تو عورتوں سے الگ رہو﴾ ان سے ہمبستری ترک کردو ﴿حیض کی حالت میں﴾ یعنی حالت حیض میں یا محل حیض میں ﴿اور ان سے قربت نہ کرو﴾ ہمبستری کے ذریعہ ﴿جب تک پاک نہ ہولیں﴾ یطھرن، طاء کے سکون اور طاء اور ہاء کی تشدید کے ساتھ ہے اس میں دراصل تاء کا طاء میں ادغام ہوا ہے یعنی جب تک وہ حیض منقطع ہونے کے بعد غسل نہ کرلیں ﴿پھر جب پاک ہوجائیں تو ان کے پاس جاؤ﴾ ہمبستری کے لئے ﴿جہاں سے تمہیں اللہ نے حکم دیا﴾ حالت حیض میں اس سے بچے رہنے کا اور وہ سامنے کی شرم گاہ ہے اور اس کے غیر کی طرف (دبر کی طرف) تجاوز نہ کرو ﴿بے شک اللہ پسند کرتا ہے﴾ ثواب اور عزت عطا فرماتا ہے۔ ﴿بہت توبہ کرنے والوں کو﴾ گناہوں سے ﴿اور پسند رکھتا ہے ستھروں کو﴾ گندگیوں سے صاف رہنے والوں کو ﴿تمہاری عورتیں تمہارے لئے کھیتیاں ہیں﴾ یعنی حصول ولد کے لئے

تمہارے لئے محل کاشت ہیں ﴿تو آو اپنی کھیتیوں میں﴾ یعنی محل کاشت میں اور وہ آگے کی شرم گاہ ہے ﴿جس طرح﴾ انّیٰ بمعنی کیف ہے ﴿چاہو﴾ کھڑے ہوکر، بیٹھ کر، لیٹ کر، آگے کی جانب سے، اور پیچھے کی جانب سے، یہ آیت یہود کے اس قول کے رد میں نازل ہوئی کہ جو شخص اپنی بیوی کے قبل میں پیچھے کی جانب سے وطی کرے گا اس کے بھینگا بچہ پیدا ہوگا ﴿اور اپنی بھلائی کے کام پہلے کرو﴾ یعنی نیک عمل مثلاً ہمبستری کے وقت بسم اللہ الخ پڑھنا ﴿اور اللہ سے ڈرتے رہو﴾ اس کے امر و نہی میں ﴿اور جان رکھو کہ تمہیں اس سے ملنا ہے﴾ موت کے بعد زندہ ہوکر تو وہ تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ دے گا ﴿اور اے محبوب بشارت دو ایمان والوں کو﴾ اللہ سے ڈرنے والوں کو جنت کی۔

توضیح و تشریح: قوله تتزوجوا الخ اس تفسیر سے اشارہ فرمایا کہ یہاں نکاح بمعنی وطی نہیں بلکہ بمعنی عقد ہے، لہٰذا مشرکہ عورتوں کی تخصیص کا بے فائدہ ہونا لازم نہیں آیا، آگے ایها المسلمون الخ کی قید اس لئے بڑھائی کہ مشرکہ سے نکاح کی ممانعت مسلمانوں ہی کے لئے ہے رہے کفار تو ان سے مشرکہ کا نکاح ہو جاتا ہے۔

قوله: ای الکافرات۔ اس اضافہ سے اشارہ فرمایا کہ نکاح کی ممانعت مطلقاً ہر غیر مسلمہ سے ہے خواہ وہ کتابیہ ہو یا غیر کتابیہ مگر ایک دوسری آیت سے تخصیص پیدا ہو جانے کی وجہ سے کتابیہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ کما سیاتی

قوله: حرة لان الخ یہاں مشرکہ کے ساتھ حرۃ کی قید اس وہم کے ازالہ کے لئے ہے کہ مشرکہ سے امۃ مشرکہ مراد ہے کیونکہ ماقبل میں امۃ مومنہ کا ذکر ہے جو قرینہ ہے مشرکہ سے امۃ مشرکہ مراد ہونے پر حالانکہ اس صورت میں مشرکہ حرہ پر امۃ مومنہ کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی جب کہ امۃ مومنہ مطلقاً ہر غیر مسلمہ پر فضیلت رکھتی ہے اس لئے مفسر علام نے مشرکہ حرہ سے مقید کر دیا جس سے امۃ مشرکہ پر امۃ مومنہ کی فضیلت بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگی، آگے لِاَنَّ سے مفسر علام نے آیت کا شان نزول بیان کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک دن حضرت عبداللہ بن رواحہ نے کسی خطا پر اپنی باندی کو طمانچہ مارا پھر خدمت اقدس میں حاضر ہوکر اس کا ذکر کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا حال دریافت فرمایا عرض کی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضور کی رسالت کی گواہی دیتی ہے، رمضان کے روزے رکھتی ہے، خوب وضو کرتی ہے اور نماز پڑھتی ہے، حضور نے فرمایا وہ مومنہ ہے، حضرت عبداللہ نے عرض کی کہ اس کی قسم جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر مبعوث فرمایا میں اس کو آزاد کر کے اس کے ساتھ نکاح کروں گا اور پھر ایسا ہی کیا، اس پر لوگوں نے طعنہ زنی کی کہ تم نے ایک سیاہ فام باندی کے ساتھ نکاح کیا باوجودیکہ فلاں مشرکہ حرہ عورت تمہارے لئے حاضر ہے وہ حسین بھی ہے مالدار بھی ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (خزائن)

قوله: و هذا مخصوص الخ یعنی یہ اصطلاح میں عام مخصوص منہ البعض ہے کہ اگرچہ مشرکہ عورتوں میں اہل کتاب عورتیں بھی داخل تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے مشرکات کے عموم سے کتابیہ عورتوں کو مستثنیٰ کر لیا اور دلیل استثناء سورۂ مائدہ کی یہ آیت ہے و المحصنات من الذین اوتو الکتاب "اور اہل کتاب کی آزاد پاکدامن عورتیں" (تمہارے لئے حلال ہیں) لہٰذا نکاح کی حرمت غیر کتابیہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

قوله: ای الکفار۔ یعنی یہاں مشرکین سے مطلق کفار مراد ہیں کسی قسم کی کوئی تخصیص نہیں خواہ وہ بت پرست ہوں یا

اہل کتاب یا مرتدین ان سے کسی مسلمان عورت کا نکاح جائز نہیں۔ آگے لفظ المومنات کا اضافہ احترازی ہے کیونکہ کافرہ عورتوں کے ساتھ کافروں اور مشرکوں کا نکاح جائز ہے۔

قولہ: ای الحیض او مکانہ الخ یہ لفظ محیض کی دو تفسیروں کی طرف اشارہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ لفظ محیض بمعنی حیض مصدر میمی بھی ہوسکتا ہے جیسے مجی، معنی اس کا مشہور ہے اور محیض ظرف مکان بھی ہوسکتا ہے یعنی مقام حیض۔

قولہ: قذرا او محلہ – لف ونشر مرتب کے طور پہ اذی کی دو تفسیریں ہیں پہلی تفسیر مصدری معنی کے لحاظ سے ہے اور دوسری تفسیر ظرف کے اعتبار سے ہے۔

قولہ: بالجماع – اس سے اشارہ فرمایا کہ حالت حیض میں مطلقاً قربت ممنوع نہیں بلکہ صرف جماع ممنوع ہے باقی معاشرت کے طور طریقے حسب سابق رہیں گے۔

قولہ: سکون الطاء و تشدیدھا الخ یہ یطھرن کی دو قرأتوں کا بیان ہے ایک طاء کے سکون کے ساتھ "یَطْھُرْنَ" یعنی پاک ہوجائیں کہ حیض بند ہوجائے، دوسری طا اور ھا کی تشدید کے ساتھ "یَطَّھَّرْنَ" یعنی خوب پاک ہوجائیں کہ حیض کے بعد غسل بھی کرلیں، امام اعظم کے نزدیک پہلی قرأۃ دس روز پورا ہونے پر محمول ہے یعنی اگر عورت دس دن میں پاک ہو تو خون بند ہوتے ہی بغیر غسل بھی اس سے جماع جائز ہے، اور دوسری قرأۃ مادون العشرہ پر محمول ہے یعنی اگر دس دن سے کم میں پاک ہو تو جب تک غسل نہ کرلے یا وقت نماز نہ گزر جائے اس سے جماع جائز نہیں، مگر امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کے نزدیک دونوں قرأتوں میں حکماً کوئی فرق نہیں اور انقطاع حیض کے بعد غسل سے پہلے جماع جائز نہیں جیسا کہ مفسر علام نے ای یغتسلن الخ سے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

قولہ: یثیب و یکرم – چونکہ محبت میلان قلب کا نام ہے جو باری تعالیٰ کے حق میں درست نہیں اس لئے مفسر علام نے یہاں لازمی معنی سے تفسیر فرمائی ہے۔

قولہ: ای محلہ – یہ آیت میں تمثیل کی طرف اشارہ ہے کہ مردوں کا عورتوں کے ساتھ وطی فی القبل کی حالت کو تشبیہ دی گئی ہے کسی بھی جہت سے کھیت میں کسان کے آنے کی حالت سے اور مشبہ بہ کا اطلاق مشبہ پر کردیا گیا ہے، آگے اَنّٰی کی تفسیر کیف سے کرکے مفسر علام نے اشارہ کردیا کہ یہاں اَنّٰی بمعنی کیف ہے جس پر قرینہ ماقبل میں وارد لفظ حرثکم ہے لہٰذا آیت کا مفہوم یہ نکلا کہ جس طرح کسان کو اپنے کھیت میں ہر طرف سے آنے کی اجازت ہوتی ہے اور وہ تخم ریزی ایسی ہی زمین میں کرتا ہے جس سے کاشت کرسکے، بنجر یا دلدل زمین میں تخم ریزی کرکے تخم برباد نہیں کرتا، اسی طرح مردوں کے لئے اپنی عورتوں کے ساتھ وطی ہر طرف سے جائز ہے مگر وطی ایسے مقام میں ہو جس سے حصول اولاد کا مقصد پورا ہوسکے اور ظاہر ہے وہ قبل ہے، رہا ادخال فی الدبر تو وہ تخم بربادی کے مرادف ہے جس کی اجازت شریعت نہیں دیتی، مگر شیعی معاشرت میں ادخال فی الدبر جیسا گھناؤنا فعل بلا کراہت جائز ہے کیونکہ انھوں نے مطلب برآری کے لئے اَنّٰی کی تفسیر این سے کی ہے۔ اور ترجمہ کیا ہے، اپنی بیویوں سے وطی کرو جہاں چاہو۔ حالانکہ اَنّٰی بمعنی این آتا ضرور ہے مگر اس

صورت میں اَنّیٰ سے پہلے مِنْ مقدر یا ظاہر ہوتا ہے جس کی رعایت شیعی ترجمہ میں نہیں۔
خیال رہے کہ اَنّٰی تین معانی میں مستعمل ہے، بمعنی این بمعنی کیف، بمعنی متی مگر این کے معنی میں ہوتو اس سے پہلے مِنْ ہوتا ہے خواہ ظاہر ہو یا پوشیدہ جیسے اَنّیٰ لك هذا، اے مریم تمہارے لئے یہ رزق کہاں سے آیا؟ یہاں اَنّیٰ سے پہلے مـن پوشیدہ ہے زیر تبصرہ آیت میں انی کے تینوں معانی مراد لئے جا سکتے ہیں، اگر کیف یا متی کے معنی میں ہو تو مفہوم واضح ہے اور اگر ایــــن کے معنی میں ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ جدھر سے چاہو فرج میں جماع کرو آگے سے یا پیچھے سے، نہ یہ کہ جہاں چاہو فرج میں یا دبر میں۔ (تفسیر نعیمی)

قــولـه: کـالتسمية عند الجماع— یعنی جماع سے قبل ستر کھولنے سے پہلے یہ دعا پڑھ لیا کرے۔ بسم الله الرحمن الرحيم اللّٰهم جنبنا الشيطان وجنب الشيطان ما رزقتنا" اے اللہ! ہمیں شیطان سے محفوظ رکھ اور جو (اولاد) ہمیں دے اس کو بھی شیطان سے محفوظ رکھ" اس دعا کی برکت یہ ہے کہ بچہ شیطان کے ٹھونگ مارنے سے محفوظ رہے گا۔

قــولــه: الـذين اتقوه— یہ دفع دخل مقدر ہے، سوال یہ پیدا ہوا کہ سابق میں خطاب مؤمنین سے ہے اور یہاں بشارت بھی مؤمنین کے لئے ہے لہٰذا اسم ظاہر لانے کی ضرورت نہ تھی بلکہ محض" بشرهم" کہہ دینا کافی تھا، حاصل دفع یہ ہے کہ سابق میں خطاب مطلقاً عام مؤمنین کے لئے ہے اور بشارت مؤمنین متقین کے لئے ہے اس لئے ضمیر کی بجائے اسم ظاہر کی صراحت ہے۔

فوائد: (۱) کتابیہ ذمیہ سے بے ضرورت نکاح مکروہ ہے اور کتابیہ حربیہ سے نکاح ممنوع و گناہ ہے۔
(فتاویٰ رضویہ، جلد ۵، صفحہ ۲۷۰، رضا اکیڈمی)

(۲) مجوسی، بت پرست، دہریہ، قادیانی، چکڑالوی، شیعہ اور اللہ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کرنے والے وہابیہ دیابنہ مرتدین کے ساتھ کسی مسلمان مرد یا عورت کا نکاح نہیں ہو سکتا، اور اگر نکاح پہلے ہو چکا تھا مگر بعد میں شوہر نے کفری عقائد اختیار کر لئے تو نکاح ٹوٹ گیا بیوی فوراً کافر شوہر سے جدا ہو جائے، البتہ اگر بیوی نے کفریہ عقائد اختیار کئے تو نکاح نہ ٹوٹا اور اسے جبراً اسلام کی طرف پھیرا جائے گا، باقی احکام فقہ کی کتابوں میں دیکھیں۔

(۳) حیض کا سبب یہ ہے کہ حضرت حواء نے شجرہ ممنوعہ سے کھالیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حیض میں مبتلا کر دیا لہٰذا قیامت تک پیدا ہونے والی حواء کی بیٹیاں بھی اس میں مبتلاء ہوتی رہیں گی۔

(۴) حالت حیض میں وطی حرام ہے اور جو شخص حائضہ عورت سے حلال سمجھ کر وطی کرے گا وہ کافر ہو جائے گا۔

(۵) لواطت جس طرح مردوں سے اور اجنبیہ عورتوں سے حرام ہے اسی طرح اپنی بیوی سے بھی حرام ہے، زمانہ موجودہ میں جہاں اسلامی احکام کا نفاذ کرنے والے حاکم نہ ہوں وہاں لواطت کرنے اور کرانے والے کے متعلق یہ حکم ہے کہ مسلمان ان سے پورے طور پر قطع تعلق کر لیں جب تک کہ وہ اس خلاف فطرت فعل سے باز نہ آجائیں۔

﴿وَ لَاتَـجْـعَـلُوا اللّٰهَ﴾ اَىِ الْحَلْفَ بِهٖ ﴿عُرْضَةً لِاَيْمَانِكُمْ﴾ اَىْ نُصْبًالَهَا بِاَنْ تُكْثِرُوا الْحَلْفَ بِهٖ

﴿اَنْ﴾ لا ﴿تَبَرُّوْا وَ تَتَّقُوْا وَ تُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ﴾ فَتُكْرَهُ الْيَمِيْنُ عَلٰى ذٰلِكَ وَ يُسَنُّ فِيْهِ الْحِنْثُ وَ يُكَفِّرُ بِخِلَافِهَا عَلٰى فِعْلِ الْبِرِّ وَ نَحْوِهٖ فَهِيَ طَاعَةٌ الْمَعْنٰى لَا تَمْتَنِعُوْا مِنْ فِعْلِ مَا ذُكِرَ مِنَ الْبِرِّ وَ نَحْوِهٖ اِذَا حَلَفْتُمْ عَلَيْهِ بَلْ اِئْتُوْهُ وَ كَفِّرُوْا لِاَنَّ سَبَبَ نُزُوْلِهَا الْاِمْتِنَاعُ مِنْ ذٰلِكَ ﴿وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ﴾ لِاَقْوَالِكُمْ ﴿عَلِيْمٌo﴾ بِاَحْوَالِكُمْ ﴿لَايُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ﴾ الْكَائِنِ ﴿فِيْ اَيْمَانِكُمْ﴾ وَهُوَ مَا يَسْبِقُ اِلَيْهِ اللِّسَانُ مِنْ غَيْرِ قَصْدِ الْحَلْفِ نَحْوُ لَا وَاللّٰهِ وَ بَلٰى وَ اللّٰهِ فَلَا اِثْمَ فِيْهِ وَ لَاكَفَّارَةَ ﴿وَ لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَاكَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ﴾ اَيْ قَصَدَتْهُ مِنَ الْاَيْمَانِ اِذَا حَنِثْتُمْ ﴿وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ﴾ لِمَا كَانَ مِنَ اللَّغْوِ ﴿حَلِيْمٌ o﴾ بِتَاخِيْرِ الْعُقُوْبَةِ عَنْ مُسْتَحِقِّهَا ﴿لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ﴾ اَيْ يَحْلِفُوْنَ اَنْ لَّايُجَامِعُوْهُنَّ ﴿تَرَبُّصُ﴾ اِنْتِظَارُ ﴿اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَآءُوْا﴾ رَجَعُوْا فِيْهَا اَوْ بَعْدَهَا عَنِ الْيَمِيْنِ اِلَى الْوَطْىِ ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ﴾ لَهُمْ مَا اَتَوْهُ مِنْ ضَرَرِ الْمَرْاَةِ بِالْحَلْفِ ﴿رَحِيْمٌo﴾ بِهِمْ ﴿وَ اِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ﴾ اَيْ عَلَيْهِ بِاَنْ لَّمْ يَفِيْئُوْا فَلْيُوْقِعُوْهُ ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ﴾ لِقَوْلِهِمْ ﴿عَلِيْمٌ o﴾ بِعَزْمِهِمُ الْمَعْنٰى لَيْسَ لَهُمْ بَعْدَ تَرَبُّصٍ مَا ذُكِرَ اِلَّا الْفَيْئَةُ اَوِ الطَّلَاقُ.

ترجمہ: ﴿اور نہ بناؤ اللہ کو﴾ یعنی اس کی قسم کھا کر ﴿اپنی قسموں کا نشانہ﴾ یعنی اپنی قسموں کو رکاوٹ نہ بناؤ کہ کثرت سے اس کی قسم کھانے لگو ﴿کہ نیکی نہ کروگے اور پرہیزگاری نہ کروگے اور لوگوں میں صلح نہ کراؤگے﴾ کہ ان باتوں پر قسم کھانا مکروہ اور اس قسم کی قسم توڑ دینا اور کفارہ ادا کر دینا مسنون ہے کہ یہ طاعت ہے حاصل یہ کہ مذکورہ جیسے کاموں کے کرنے سے باز نہ رہو جب کہ تم نے اس پر قسم کھائی ہو (نہ کرنے کی) بلکہ اسے کر کے کفارہ ادا کرو کیونکہ اس آیت کا سبب نزول نیک کام سے رکنا ہی تھا ﴿اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والا ہے﴾ تمہاری باتوں کو ﴿خوب جاننے والا ہے﴾ تمہارے احوال کو ﴿اللہ تعالیٰ تمھیں نہیں پکڑتا تمہاری لایعنی﴾ ہونے والی ﴿قسموں پر﴾ اور وہ ایسی قسمیں ہیں جن کی طرف بغیر ارادۂ قسم زبان سبقت کر جائے جیسے لا واللہ، بلی و اللہ اس میں نہ گناہ ہے نہ کفارہ ﴿ہاں اس پر گرفت فرماتا ہے جو کام تمہارے دلوں نے کئے﴾ یعنی جن قسموں کو تم نے قصداً کھایا ہو، جب تم حانث ہو جاؤ ﴿اور اللہ بہت بخشنے والا ہے﴾ لغو قسموں کو ﴿بہت حلم والا ہے﴾ مستحق سزا کی سزا کو مؤخر کر کے ﴿اور وہ جو قسم کھا بیٹھتے ہیں کہ وہ اپنی بیویوں کے پاس نہ جائیں گے﴾ یعنی ان سے جماع نہ کرنے کی قسم کھا لیتے ہیں ﴿انھیں مہلت ہے﴾ انتظار ہے ﴿چار مہینے کی پھر اگر رجوع کرلیں﴾ اس مدت میں یا اس مدت کے بعد قسم سے وطی کی طرف رجوع کرلیں ﴿تو بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے﴾ جو انھوں نے قسم کے ذریعہ عورت کو تکلیف پہنچائی ﴿مہربان ہے﴾ ان پر ﴿اور اگر چھوڑ دینے کا ارادہ پکا کرلیا﴾ یعنی ان پر ضروری ہے کہ اگر رجوع نہ کریں تو طلاق دے دیں ﴿تو بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا ہے﴾ ان کی بات کو ﴿جاننے والا ہے﴾ ان کے ارادے کو حاصل یہ ہے کہ ان کے لئے مذکورہ انتظار کے بعد رجوع یا طلاق کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

توضیح و تشریح: قوله: اى نصبا الخ یہ بمعنی منصوب، نصب کی جمع اور عرضة کی تفسیر ہے لغوی معنی

ہے "ھدف نشانہ، آڑ، یہاں تینوں معانی بن سکتے ہیں۔ یعنی اللہ کو نیک کاموں کے لئے ہدف، نشانہ یا آڑ نہ بنالو کہ نیکی سے قسم کھا کر بعد میں کہہ دیا کرو کہ ہم یہ نیک کام کیسے کریں؟ ہم تو قسم کھا چکے ہیں۔

قولہ: و یسن فیه الحنث الخ یہ حضرت ابو ہریرہ کی اس روایت کی طرف اشارہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا من حلف علی یمین فرأی غیرها خیرا منها فلیأت الذی هو خیر و لیکفر عن یمینه جس شخص نے کسی کام کی قسم کھائی پھر اس کے خلاف کو بہتر خیال کیا وہ اس بہتر کام کو کرے اور اپنی قسم کا کفارہ دے۔ (مسلم جلد ۲، ص ۴۸، مطبوعہ مکتبہ اشرفیہ دیوبند)

قولہ: لان سبب نزولها الخ یہ ان لا تبروا و تتقوا کا حاصل معنی ہے بعض کے نزدیک لا محذوف نہیں، اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ عبد اللہ بن رواحہ کی بہن حضرت بشیر بن نعمان کے نکاح میں تھیں، میاں بیوی میں کچھ نا اتفاقی ہوگئی جس سے ان کی بیوی اپنے بھائی عبد اللہ بن رواحہ کے گھر آ بیٹھیں۔ حضرت عبد اللہ بن رواحہ نے قسم کھالی کہ میں نہ اپنے بہنوئی سے بولوں گا، نہ ان کے گھر جاؤں گا اور نہ کبھی ان کی بیوی سے اتفاق کراؤں گا، کچھ دنوں کے بعد حضرت بشیر بن نعمان نے اپنی بیوی سے صلح کرنی چاہی، لوگوں نے حضرت عبد اللہ سے کہا کہ آپ بیچ میں پڑ کر صلح کرادیں، انھوں نے فرمایا کہ میں قسم کھا چکا ہوں، اس لئے یہ کام نہیں کرسکتا، تب یہ آیت نازل ہوئی جس میں نیک کام کرنے سے قسم کھالینے کی ممانعت فرمائی گئی۔ (روح المعانی، خزائن)

قولہ: وهو ما یسبق الیه اللسان الخ یہ یمین لغو ہے جس کی تعریف مفسر علام نے مذہب شافعی کے مطابق کی ہے احناف کے نزدیک یمین لغو یہ ہے کہ انسان ماضی یا حال کی کسی بات پر اپنی دانست میں سچی قسم کھائے اور درحقیقت وہ جھوٹ ہو (اس کو لغو اس لئے کہتے ہیں کہ اس پر کوئی ثمرہ مرتب نہیں ہوتا، نہ گناہ نہ کفارہ) (درمختار جلد ۵، ص ۴۷۶، مکتبہ زکریا دیوبند)

قولہ: ای قصدته الخ یہ قسم کی دوسری اور تیسری قسموں کی طرف اشارہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قسم تین طرح کی ہوتی ہے، پہلی قسم یمین لغو ہے جس کا ذکر گزرا، دوسری قسم ہے یمین غموس اور وہ یہ ہے کہ کسی گزرے ہوئے امر پر دانستہ جھوٹی قسم کھائے، اس میں احناف کے نزدیک گناہ کبیرہ کا مرتکب تو ہوگا مگر کفارہ نہیں اور شوافع کے نزدیک اس میں گنہگار بھی ہوگا اور کفارہ بھی لازم ہوگا۔ (اس کو غموس اس لئے کہتے ہیں کہ یہ قسم کھانے والے کو گناہ میں ڈبو دیتی ہے)

تیسری قسم یمین منعقدہ ہے یعنی یہ کہ کسی آئندہ امر پر قصد کر کے قسم کھائے، اس قسم کو اگر توڑے گا تو گنہگار بھی ہوگا اور کفارہ بھی لازم ہوگا، اس قسم کے حکم میں احناف اور شوافع متفق ہیں۔ (حقانی ملخصاً)

خیال رہے کہ قسم توڑنے کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو اوسط درجہ کا کھانا کھلائے، یا انھیں کپڑے پہنائے یا ایک غلام آزاد کرے اور اگر یہ سب نہ کرسکے تو تین روزے رکھے۔ (سورۂ مائدہ)

قولہ: ای یحلفون الخ یہ ایلاء شرعی کا بیان ہے، آیت میں لفظ "یولون" ایلاء مصدر سے جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے ایلاء کا لغوی معنی ہے مطلقاً قسم کھانا مگر اصطلاح شرع میں اپنی بیوی سے چار مہینے یا اس سے زائد عرصہ کے لئے یا غیر معینہ مدت کے لئے ہمبستر نہ ہونے کی قسم کھالینا ایلاء ہے۔ (خزائن)

قولہ: علیہ— اس سے اشارہ فرمایا کہ لفظ عزم متعدی بعلیٰ ہوتا ہے مگر یہاں علیٰ حذف کر کے متعدی بنفسہ کردیا گیا ہے اصل عبارت یہ ہے ان عزموا علی الطلاق۔

قولہ: المعنی لیس لھم الخ یہ تفسیر امام شافعی کے مسلک کے مطابق ہے یعنی یہ کہ مدت گزرنے کے بعد شوہر کو اختیار ہے، چاہے تو رجوع کرلے اور چاہے تو طلاق دیدے، مگر احناف کے نزدیک چار مہینے کی مدت گزرنے کے بعد بیوی پر ازخود طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی طلاق واقع کرنے کی ضرورت نہیں، چنانچہ علامہ مرغینانی حنفی ایلاء کرنے والے کے احکام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

اگر اس نے چار مہینے کے اندر اپنی بیوی سے مباشرت کرلی تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی اور اس پر کفارہ لازم ہوگا اور ایلاء ساقط ہو جائے گا اور اگر اس نے چار مہینے کے اندر اپنی بیوی سے مقاربت نہیں کی تو اس کی بیوی پر ازخود طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی۔ (ہدایہ اولین، ص ۴۰۱، مطبوعہ مکتبہ اشرفیہ دیوبند)

فوائد: (۱) قسم صرف اللہ تعالیٰ کے نام اور اس کی صفت کی جائز ہے اور غیر اللہ کی قسم کھانا جائز نہیں وہ کم از کم مکروہ کے درجہ میں ہے۔ (۲) اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو غیر اللہ کی قسمیں یاد فرمائی ہیں وہ اللہ و رسول کا خاصہ ہے، ہم اپنے افعال کا قیاس اللہ و رسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے افعال پر نہیں کر سکتے۔

(۳) ایلاء کی مدت کم از کم چار مہینہ ہے اگر چار ماہ سے کم کی قسم کھائی تو یہ ایلاء نہیں۔

بیان مذہب میں دیوبندی شارحین کی ایک لغزش:

صاحب جمالین نے تفہیم القرآن سے اور صاحب کمالین نے اپنی صوابدید سے ایلاء کے متعلق امام شافعی کا یہ مذہب نقل کیا ہے کہ "چار ماہ کی مدت گزرنے کے بعد قاضی کی تفریق سے طلاق بائن ہوگی" یہی مذہب ہدایہ میں بھی منقول ہے، مگر اس تعلق سے امام شافعی کا صحیح مذہب وہ ہے جسے ہم نے توضیح وتشریح کے ضمن میں بیان کیا۔ یعنی یہ کہ چار مہینہ کی مدت گزرنے کے بعد شوہر کو اختیار ہے چاہے تو رجوع کرے چاہے تو طلاق دیدے یعنی مقدمہ عدالت میں لے جانے کی ضرورت نہیں، چنانچہ علامہ ماوردی شافعی لکھتے ہیں:

چار ماہ گزرنے کے بعد وقوع طلاق کے متعلق دو قول ہیں، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابن زید، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے کہ اس مدت کے گزرنے کے بعد طلاق بائنہ واقع ہو جاتی ہے، اور حضرت عمر اور حضرت علی کا دوسرا قول، اور ایک روایت میں حضرت عثمان کا دوسرا قول یہ ہے کہ چار ماہ گزرنے کے بعد شوہر کو اختیار ہے خواہ رجوع کرے یا طلاق دے دے، امام شافعی اور اہل مدینہ کا یہی مذہب ہے۔

(النکت والعیون جلد ۱، ص ۲۹۰-۲۸۹، مطبوعہ بیروت، بحوالہ تبیان القرآن جلد اول ۸۳۵ مطبوعہ ادبی دنیا دہلی)

﴿وَ الْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ﴾ اَیْ لِیَنْتَظِرْنَ ﴿بِاَنْفُسِهِنَّ﴾ عَنِ النِّكَاحِ ﴿ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ﴾ تَمْضِیْ مِنْ

حِیْنَ الطَّلَاقِ جَمْعُ قَرْءٍ بِفَتْحِ الْقَافِ وَهُوَ الطُّهْرُ اَوِ الْحَیْضُ قَوْلَانِ وَ هٰذَا فِی الْمَدْخُوْلِ بِهِنَّ اَمَّا غَیْرُهُنَّ فَلَا عِدَّةَ لَهُنَّ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰی فَمَالَکُمْ عَلَیْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا وَ فِیْ غَیْرِ الْاٰیِسَةِ وَ الصَّغِیْرَةِ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَ الْحَوَامِلِ فَعِدَّتُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ کَمَا فِیْ سُوْرَةِ الطَّلَاقِ وَ الْاِمَاءُ فَعِدَّتُهُنَّ قُرْاٰنِ بِالسُّنَّةِ ﴿وَ لَایَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ یَّکْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِیْ اَرْحَامِهِنَّ﴾ مِنَ الْوَلَدِ اَوِ الْحَیْضِ ﴿اِنْ کُنَّ یُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ بُعُوْلَتُهُنَّ﴾ اَزْوَاجُهُنَّ ﴿اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ﴾ اَیْ بِمُرَاجَعَتِهِنَّ وَ لَوْ اَبَیْنَ ﴿فِیْ ذٰلِکَ﴾ اَیْ فِیْ زَمَنِ التَّرَبُّصِ ﴿اِنْ اَرَادُوْا اِصْلَاحًا﴾ بَیْنَهُمَا لَاضَرَرَ الْمَرْاَةِ وَهُوَ تَحْرِیْضٌ عَلٰی قَصْدِهٖ لَاشَرْطٌ لِجَوَازِ الرَّجْعَةِ وَ هٰذَا فِی الطَّلَاقِ الرَّجْعِیِّ وَ اَحَقُّ لَاتَفْضِیْلَ فِیْهِ اِذْ لَاحَقَّ لِغَیْرِهِمْ فِیْ نِکَاحِهِنَّ فِی الْعِدَّةِ ﴿وَ لَهُنَّ﴾ عَلَی الْاَزْوَاجِ ﴿مِثْلُ الَّذِیْ﴾ لَهُمْ ﴿عَلَیْهِنَّ﴾ مِنَ الْحُقُوْقِ ﴿بِالْمَعْرُوْفِ﴾ شَرْعًا مِنْ حُسْنِ الْعُشْرَةِ وَ تَرْکِ الضَّرَرِ وَ نَحْوِ ذٰلِکَ ﴿وَ لِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ فَضِیْلَةٌ فِی الْحَقِّ مِنْ وُجُوْبِ طَاعَتِهِنَّ لَهُمْ لِمَا سَاقُوْهُ مِنَ الْمَهْرِ وَ الْاِنْفَاقِ ﴿وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ﴾ فِیْ مُلْکِهٖ ﴿حَکِیْمٌ۝﴾ فِیْمَا دَبَّرَهٗ لِخَلْقِهٖ.

ترجمہ: ﴿اور طلاق دی ہوئی عورتیں روکے رکھیں﴾ یعنی چاہیے کہ انتظار کریں ﴿اپنے آپ کو﴾ نکاح سے ﴿تین حیض تک﴾ وقت طلاق سے تین حیض گزرنے تک قروء جمع ہے قَرء بفتح القاف کی اور وہ بمعنی طہر ہے یا حیض دونوں قول ہیں اور یہ حکم مدخولہ کا ہے، رہیں غیر مدخولہ تو ان کی کوئی عدت نہیں اللہ تعالیٰ کے قول "فمالکم علیهن من عدة تعتدونها" کی وجہ سے اور یہ حکم آئسہ اور صغیرہ کے علاوہ کا ہے کہ ان کی عدت تین تین ماہ ہے اور یہ حکم حاملہ عورتوں کے علاوہ کا ہے کہ ان کی عدت وضع حمل ہے جیسا کہ سورۂ طلاق میں ہے اور یہ حکم باندیوں کے علاوہ کا ہے کہ ان کی عدت دو قروء ہے سنت کی رو سے ﴿اور انھیں حلال نہیں کہ چھپائیں وہ جو اللہ نے ان کے پیٹ میں پیدا کیا﴾ بچہ یا حیض ﴿اگر اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہیں اور ان کے خاوند زیادہ حق دار ہیں ان کو لوٹانے کے﴾ یعنی ان سے رجوع کرنے کے اگرچہ وہ انکار کریں ﴿اس مدت میں﴾ یعنی انتظار کی مدت میں ﴿اگر وہ ارادہ کرلیں اصلاح کا﴾ آپس میں، نہ کی عورت کو تکلیف پہنچانے کی نیت سے اور یہ ارادۂ اصلاح پر ابھارنے کے لئے ہے جواز رجعت کی شرط نہیں اور یہ حکم طلاق رجعی میں ہے اور لفظ احق میں تفضیل کا معنی نہیں کیونکہ غیر خاوند کو عدت میں ان سے نکاح کرنے کا کوئی حق نہیں ہے ﴿اور ان کے بھی حقوق ہیں﴾ شوہروں پر ﴿جیسے ہیں﴾ مردوں کے ﴿عورتوں پر﴾ حقوق ﴿شرع کے موافق﴾ شرعی طور پہ مثلاً حسن معاشرت سے اور ضرر رسانی وغیرہ ترک کرکے ﴿اور مردوں کو ان پر فضیلت ہے﴾ یعنی حق میں فضیلت حاصل ہے مثلاً عورتوں پر مردوں کی اطاعت واجب ہے کہ ان پر مہر کی ادائیگی ہے اور وہ نان و نفقہ دیتے ہیں ﴿اور اللہ غالب ہے﴾ اپنے ملک میں ﴿حکمت والا ہے﴾ ان امور میں جو اس نے اپنی مخلوق کے لئے بطور تدبیر اختیار فرمائی ہے۔

توضیح و تشریح: قوله هو الطهر او الحیض الخ یہ لفظ قروء کے معنی کا بیان ہے، امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک اس کا معنی طہر ہے اور امام اعظم اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک اس کا معنی حیض ہے، دلیلیں کتب فقہ میں دیکھیں۔

خیال رہے صاحب جمالین نے یہاں بھی بیان مذہب میں غلطی کی ہے کہ قول ثانی کے متعلق لکھا یہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا قول ہے: ''حالانکہ صحیح وہ ہے جو ہم نے بیان کیا کہ مسئلہ مذکورہ میں امام مالک حضرت امام شافعی کے ساتھ ہیں چنانچہ علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں: ''اس آیت سے مراد یہ ہے کہ مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو تین ادوار یا تین انتقالات تک روکے رکھیں اور مطلقہ کبھی حیض سے طہر کی طرف اور کبھی طہر سے حیض کی طرف منتقل ہوتی ہے، اور یہاں طہر سے حیض کی طرف انتقال تو قطعاً مراد نہیں ہے کیونکہ حیض میں طلاق دینا اصلاً مشروع نہیں ہے اور جبکہ طلاق دینا طہر میں مشروع ہے تو پھر عدت تین انتقالات ہے اور پہلا انتقال اس طہر سے ہے جس میں طلاق واقع ہوئی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جلد ۳، ص ۱۱۵-۱۱۴ مطبوعہ ایران، بحوالہ تبیان القرآن جلد اول ص ۲۲۸)

مالکی عالم کی اس توضیح سے واضح ہے کہ امام مالک قدس سرہ کا مسلک وہ نہیں جسے جمالین کے مصنف نے بیان کیا ہے حالانکہ جلالین کے شارح ہونے کی حیثیت سے موصوف پر دیانۃً تحقیق لازم تھی مگر دیابنہ کو دیانت سے کیا تعلق؟

قولہ: فعدتهم قرأن بالسنة— حضرت مفسر نے جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے وہ ابوداؤد کی یہ روایت ہے "طلاق الامة تطليقتان وعدتها حيضتان" (ابوداؤد جلد اول ۲۹۸، مطبوعہ سعد بکڈپو، دیوبند)

قولہ: و احق لا تفضيل فيه الخ یہاں یہ اعتراض وارد ہو رہا تھا کہ احق اسم تفضیل ہے۔ جو مفضل علیہ کا تقاضا کرتا ہے حالانکہ یہاں مفضل علیہ ممکن نہیں کہ اس صورت میں مفہوم یہ نکلے گا کہ شوہر رجعت کا زیادہ حق رکھتا ہے اور غیر شوہر کم، اور یہ مفہوم درست نہیں جیسا کہ ظاہر ہے، مفسر علام نے اسی اعتراض کا ازالہ کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں اسم تفضیل بمعنی اسم فاعل ہے یعنی احق بمعنی حقیق ہے مبالغۃً اسم تفضیل کے صیغہ سے بیان فرمایا۔ فلا اعتراض (ترویح الارواح)

فوائد: (۱) عدت کا لغوی معنی ہے ''شمار کرنا'' اور اصطلاح شرع میں زوال نکاح کے بعد عورت کا شوہر کے مکان میں ایک مدت معینہ تک ٹھہرنا عدت ہے۔

(۲) عدت کے اندر عورت کا شوہر کے گھر سے باہر نکلنا حرام ہے اور شوہر پر لازم ہے کہ وہ عدت کے اندر عورت کو رہنے کے لئے گھر اور نان ونفقہ دے۔

(۳) عدت کی حکمت یہ ہے کہ عورت کے رحم کا استبراء ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ وہ حاملہ ہے یا نہیں، حیض آنے سے اس کا حاملہ نہ ہونا معلوم ہوگا اور حیض نہ آنے سے حاملہ ہونا معلوم ہو جائے گا۔

﴿اَلطَّلَاقُ﴾ اَیِ التَّطْلِیْقُ الَّذِیْ یُرَاجَعُ بَعْدَہٗ ﴿مَرَّتٰنِ﴾ اَیْ اِثْنَتَانِ ﴿فَاِمْسَاكٌ﴾ اَیْ فَعَلَیْكُمْ اِمْسَاكُھُنَّ بَعْدَہٗ بِاَنْ تُرَاجِعُوْھُنَّ ﴿بِمَعْرُوْفٍ﴾ مِنْ غَیْرِ ضِرَارٍ ﴿اَوْ تَسْرِیْحٌ﴾ اِرْسَالُ لَھُنَّ ﴿بِاِحْسَانٍ وَ لَایَحِلُّ لَكُمْ﴾ اَیُّھَا الْاَزْوَاجُ ﴿اَنْ تَاخُذُوْا مِمَّا اٰتَیْتُمُوْھُنَّ﴾ مِنَ الْمُھُوْرِ ﴿شَیْئًا﴾ اِذَا طَلَّقْتُمُوْھُنَّ ﴿اِلَّآ اَنْ یَّخَافَآ﴾ اَیِ الزَّوْجَانِ ﴿اَنْ لَّایُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ﴾ اَیْ لَایَاتِیَا بِمَاحَدَّہٗ لَھُمَا مِنَ الْحُقُوْقِ وَ فِیْ قِرَأَۃٍ یُخَافَا بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ فَاَنْ لَّایُقِیْمَا بَدَلُ اِشْتِمَالٍ مِنَ الضَّمِیْرِ فِیْہِ وَ قُرِیَٔ بِالْفَوْقَانِیَۃِ فِی الْفِعْلَیْنِ ﴿فَاِنْ خِفْتُمْ

اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْہِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِہٖ﴾ نَفْسَھَا مِنَ الْمَالِ لِیُطَلِّقَھَا اَیْ لَاحَرَجَ عَلَی الزَّوْجِ فِیْ اَخْذِہٖ وَ لَا الزَّوْجَۃِ فِیْ بَذْلِہٖ ﴿تِلْکَ﴾ اَلْاَحْکَامُ الْمَذْکُوْرَۃُ ﴿حُدُوْدُ اللّٰہِ فَلَا تَعْتَدُوْھَا وَ مَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ o فَاِنْ طَلَّقَھَا﴾ الزَّوْجُ بَعْدَ اِثْنَتَیْنِ﴿ فَلَا تَحِلُّ لَہٗ مِنْ بَعْدُ﴾ بَعْدَ الطَّلْقَۃِ الثَّالِثَۃِ ﴿حَتّٰی تَنْکِحَ﴾ تَتَزَوَّجَ ﴿زَوْجًا غَیْرَہٗ﴾ وَ یَطَأَھَا کَمَا فِی الْحَدِیْثِ رَوَاہُ الشَّیْخَانِ ﴿فَاِنْ طَلَّقَھَا﴾ الزَّوْجُ الثَّانِیْ ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَیْھِمَا﴾ اَیِ الزَّوْجَۃِ وَ الزَّوْجِ الْاَوَّلِ ﴿اَنْ یَّتَرَاجَعَآ﴾ اِلَی النِّکَاحِ بَعْدَ اِنْقِضَاءِ الْعِدَّۃِ ﴿اِنْ ظَنَّآ اَنْ یُّقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ وَ تِلْکَ﴾ الْمَذْکُوْرَاتُ ﴿حُدُوْدُ اللّٰہِ یُبَیِّنُھَا لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ﴾ یَتَدَبَّرُوْنَ o ﴿وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَھُنَّ﴾ قَارَبْنَ اِنْقِضَاءَ عِدَّتِھِنَّ ﴿فَاَمْسِکُوْھُنَّ﴾ بِاَنْ تُرَاجِعُوْھُنَّ ﴿بِمَعْرُوْفٍ﴾ مِنْ غَیْرِ ضِرَارٍ ﴿اَوْ سَرِّحُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ﴾ اُتْرُکُوْھُنَّ حَتّٰی تَنْقَضِیَ عِدَّتُھُنَّ ﴿وَ لَا تُمْسِکُوْھُنَّ﴾ بِالرَّجْعَۃِ ﴿ضِرَارًا﴾ مَفْعُوْلٌ لَہٗ ﴿لِتَعْتَدُوْا﴾ عَلَیْھِنَّ بِالْاِلْجَاءِ اِلَی الْاِفْتِدَاءِ اَوِ التَّطْلِیْقِ وَ تَطْوِیْلِ الْحَبْسِ ﴿وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَہٗ﴾ بِتَعْرِیْضِھَا اِلٰی عَذَابِ اللّٰہِ تَعَالٰی ﴿وَ لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰیٰتِ اللّٰہِ ھُزُوًا﴾ مَھْزُوًّا بِھَا بِمُخَالَفَتِھَا ﴿وَ اذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ﴾ بِالْاِسْلَامِ ﴿وَ مَآ اَنْزَلَ عَلَیْکُمْ مِّنَ الْکِتٰبِ﴾ الْقُرْآنِ ﴿وَ الْحِکْمَۃِ﴾ مَافِیْہِ مِنَ الْاَحْکَامِ ﴿یَعِظُکُمْ بِہٖ﴾ بِاَنْ تَشْکُرُوْھَا بِالْعَمَلِ بِہٖ ﴿وَ اتَّقُوا اللّٰہَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ o﴾ لَا یَخْفٰی عَلَیْہِ شَیْءٌ.

ترجمہ: ﴿یہ طلاق﴾ یعنی ایسی طلاق جس کے بعد رجوع کیا جاسکے ﴿دوبار تک ہے﴾ یعنی دو ہے ﴿پھر یا تو روک لینا ہے﴾ یعنی پھر تمہارے ذمہ ان کا روکنا ہے اس کے بعد، بایں طور کہ ان سے رجعت کرلو ﴿بھلائی کے ساتھ﴾ بغیر تکلیف پہنچائے ہوئے ﴿یا چھوڑ دینا ہے﴾ انھیں آزاد کرکے ﴿احسان کے ساتھ، اور تمہارے لئے جائز نہیں﴾ اے شوہرو! ﴿کہ جو کچھ عورتوں کو دیا اس میں سے واپس لو﴾ یعنی مہر ﴿کچھ بھی﴾ جب کہ تم انہیں طلاق دے چکے ہو ﴿مگر جب دونوں کو اندیشہ ہو﴾ یعنی میاں بیوی کو ﴿کہ اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے﴾ یعنی جو حقوق دونوں کے لئے مقرر ہیں انھیں ادا نہ کرسکیں گے اور ایک قرأت میں "یُخافا" صیغۂ مجہول کے ساتھ ہے لہٰذا "ان لا یقیما" یخافا کی ضمیر تثنیہ سے بدل الاشتمال ہو جائے گا اور ایک قرأت میں دونوں تائے فوقانیہ کے ساتھ "تخافا، تقیما" پڑھے گئے ہیں" پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ وہ دونوں ٹھیک انھیں حدود پر نہ رہیں گے تو کوئی حرج نہیں ان پر کہ عورت کچھ فدیہ دے کر جان چھڑا لے یعنی جان کے بدلہ مال دیدے تاکہ شوہر اس کو طلاق دیدے تو شوہر کو اس کے لینے میں اور بیوی کو اس کے دینے میں کوئی حرج نہیں ﴿یہ﴾ مذکورہ احکام ﴿اللہ کی حدیں ہیں ان سے آگے نہ بڑھو اور جو اللہ کی حدوں سے آگے بڑھے تو وہی لوگ ظالم ہیں، پھر اگر وہ اسے طلاق دے﴾ دوبار طلاق دینے کے بعد ﴿تو وہ حلال نہ ہوگی اس پر اس کے بعد﴾ تیسری طلاق کے بعد ﴿یہاں تک کہ نکاح کرے﴾ شادی کرے ﴿کسی اور خاوند کے ساتھ﴾ اور وہ اس سے وطی کرے جیسا کہ حدیث میں ہے (رواہ الشیخان) ﴿پھر اگر وہ طلاق دے﴾ دوسرا شوہر ﴿تو ان دونوں پر گناہ نہیں﴾ یعنی بیوی اور شوہر اول پر ﴿کہ پھر آپس میں مل جائیں﴾ عدت

گزرنے کے بعد نکاح کرلیں ﴿اگر سمجھتے ہوں کہ اللہ کی حدیں نباہیں گے اور یہ﴾ احکام مذکورہ ﴿اللہ کی حدیں ہیں جنھیں بیان کرتا ہے دانش مندوں کے لئے﴾ جوغور وفکر کرتے ہیں ﴿اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت پوری کرلیں﴾ یعنی وہ عدت گزرنے کے قریب ہوجائیں ﴿پس یا تو روک لوانھیں﴾ بایں طور کہ ان سے رجوع کرلو ﴿بھلائی کے ساتھ﴾ بغیر نقصان پہنچائے ہوئے ﴿یا چھوڑ دوانھیں بھلائی کے ساتھ﴾ انھیں چھوڑے رکھو یہاں تک کہ ان کی عدت پوری ہوجائے ﴿اور انھیں نہ روکو﴾ رجعت کے ذریعہ ﴿تکلیف دینے کی غرض سے﴾ یہ مفعول لہ ہے ﴿تا کہ زیادتی کرو﴾ ان عورتوں پر فدیہ کی ادائے گی پر مجبور کرکے یا طلاق دے کر یا مدت حبس طویل کرکے ﴿اور جوایسا کرے وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے﴾ خود کو اللہ کے عذاب کے لئے پیش کرکے ﴿اور اللہ کی آیتوں کو ٹھٹھا نہ بنالو﴾ ان کی مخالفت کرکے ان کا مذاق نہ اڑاؤ ﴿اور یاد کرو اللہ کا احسان جو تم پر ہے﴾ اسلام کے ذریعہ ﴿اور وہ جو اس نے تم پر نازل فرمایا کتاب﴾ یعنی قرآن ﴿اور حکمت﴾ اس میں جو احکام ہیں ﴿وہ نصیحت فرماتا ہے تمہیں اس سے﴾ کہ اس پر عمل کرکے اس کا شکریہ ادا کرو ﴿اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے﴾ اس پر کچھ پوشیدہ نہیں۔

توضیح و تشریح: قـولـه: التطليق الذى الخ اس تفسیر سے اشارہ فرمایا کہ آیت میں لفظ الطلاق اسم مصدر تطلیق مصدر کے معنی میں ہے جیسے السلام بمعنی تسلیم ہوتا ہے یعنی طلاق سے مرد کا فعل تطلیق مراد ہے کہ وہی وحدة اور تعدد سے متصف ہوتا ہے نہ کہ وہ طلاق جو مرأۃ کی صفت ہوتی ہے، اس کی تائید فـامساك بمعروف او تسريح باحسان سے ہوتی ہے کہ یہ دونوں بھی یعنی امساک اور تسریح مرد ہی کے فعل ہیں۔ (ترويح الارواح)

قـولـه: فعليكم الخ یہ امساک کی خبر محذوف کی طرف اشارہ ہے اور لفظ امساك اگر چہ نکرہ ہے مگر وہ بمعروف کا موصوف ہے لہٰذا اس کا مبتداء بننا درست ہے کیونکہ اصولاً نکرہ جب موصوف بالصفت ہوتو اس کا مبتدا بننا صحیح ہوتا ہے۔

قـولـه: ايها الازواج— اس اضافہ سے اشارہ فرمایا کہ یہاں خطاب ازواج سے ہے نہ کہ حکام سے کہ حکام کو مخاطب ماننے کی صورت میں مجاز کا ارتکاب کرنا پڑے گا اور یہ خلاف ظاہر ہے۔

قـولـه: بعدالطلقة الثالثة— یہاں لفظ بعد کا مضاف الیہ محذوف ظاہر کرکے اشارہ فرمایا اس کے مبنی برضم ہونے کی طرف، لہٰذا یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ بعد کو حرف جر (من) کی وجہ سے مجرور ہونا چاہئے۔

قـولـه: كما فى الحديث۔ یہ امرأۃ رفاعہ کی مشہور حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مطلقہ مغلظہ دوبارہ شوہر اول کے لئے اس وقت حلال ہوگی جب عدت گزرنے کے بعد وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے اور شوہر ثانی اس عورت سے مباشرت کرے پھر طلاق دے، اب عدت گزرنے کے بعد یہ مطلقہ شوہر اول سے نکاح کرسکتی ہے، اسے شریعت کی اصطلاح میں حلالہ کہتے ہیں۔

قـولـه: يتدبرون— اس میں اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ یہاں علم بمعنی تدبر ہے تا کہ غیر مکلفین مثلاً دیوانے اور بچے مذکور حکم سے خارج ہوجائیں۔

قوله: بتعریضها الخ یہ دفع دخل مقدر ہے، سوال یہ پیدا ہوا کہ تکلیف پہنچانے کی غرض سے بیوی کو روکنا بیوی پر ظلم ہے نہ کہ شوہر پر مگر آیت میں ظلم کی نسبت نفس زوج کی طرف ہے اور یہ واقع کے خلاف ہے، جواب یہ ہے کہ یہاں ظلم سے مراد وبال ظلم ہے اور وہ بلاشبہ مرد کے لئے ہوگا کہ وہی ظلم کے عوض عذاب کا مستحق ہوگا۔

قوله: مهزوا بها۔ اس اضافہ سے اشارہ فرمایا کہ لفظ ھزوا مفعول کے معنی میں ہے نہ کہ بمعنی مصدر کہ مصدر ماننے کی صورت میں لفظ آیات پر اس کا حمل درست نہیں ہوگا۔ کما لا یخفیٰ۔

فوائد: (۱) طلاق کی تین قسمیں ہیں (۱) احسن، یعنی ایک طلاق ایسے طہر میں دے جس میں ہمبستری نہ کیا ہو۔ (۲) حسن، یعنی تین طہروں میں علیحدہ علیحدہ تین طلاقیں دے۔ (۳) بدعی، بیک وقت ایک ہی طہر میں دو یا تین طلاقیں دے خواہ الگ الگ یا ایک ہی کلمہ سے، اس صورت میں شوہر گنہگار ہوگا اور تین طلاق کی صورت میں بیوی مغلظہ ہوجائے گی کہ بغیر حلالہ شوہر اول کے لئے حلال نہ ہوگی۔ (عامہ کتب فقہ)

(۲) خلع یعنی مال کے عوض نکاح زائل کردینا حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک طلاق بائن ہے اور ایک قول امام شافعی کا بھی یہی ہے، اس میں پوری عدت لازم آئے گی مگر امام شافعی کا دوسرا قول یہ ہے کہ خلع فسخ نکاح ہے، اس میں عورت کو استبراء کے لئے صرف ایک حیض تک رکنا لازم ہے۔ (حقانی)

﴿وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ﴾ اِنْقَضَتْ عِدَّتُهُنَّ ﴿فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ﴾ خِطَابٌ لِلْاَوْلِيَاءِ اَیْ لَاتَمْنَعُوْهُنَّ مِنْ ﴿اَنْ یَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ﴾ اَلْمُطَلِّقِیْنَ لَهُنَّ لِاَنَّ سَبَبَ نُزُوْلِهَا اَنَّ اُخْتَ مَعْقِلِ بْنِ یَسَارٍ طَلَّقَهَا زَوْجُهَا فَاَرَادَ اَنْ یُّرَاجِعَهَا فَمَنَعَهَا مَعْقِلٌ كَمَا رَوَاهُ الْحَاكِمُ ﴿اِذَا تَرَاضَوْا﴾ اَیِ الْاَزْوَاجُ وَ النِّسَاءُ ﴿بَیْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ شَرْعًا ﴿ذٰلِكَ﴾ النَّهْیُ عَنِ الْعَضْلِ ﴿یُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ لِاَنَّهُ الْمُنْتَفِعُ بِهٖ ﴿ذٰلِكُمْ﴾ اَیْ تَرْكُ الْعَضْلِ ﴿اَزْكٰی لَكُمْ وَ اَطْهَرُ﴾ لَكُمْ وَ لَهُمْ لِمَا یُخْشٰی عَلَی الزَّوْجَیْنِ مِنَ الرِّیْبَةِ بِسَبَبِ الْعِلَاقَةِ بَیْنَهُمَا ﴿وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ﴾ مَا فِیْهِ مِنَ الْمَصْلَحَةِ ﴿وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ ذٰلِكَ فَاتَّبِعُوْا اَمْرَهٗ ﴿وَالْوَالِدَاتُ یُرْضِعْنَ﴾ اَیْ لِیُرْضِعْنَ ﴿اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ﴾ عَامَیْنِ ﴿كَامِلَیْنِ﴾ صِفَةٌ مُّؤَكِّدَةٌ ذٰلِكَ ﴿لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ وَ لَازِیَادَةَ عَلَیْهِ ﴿وَ عَلَی الْمَوْلُوْدِ لَهٗ﴾ اَیِ الْاَبِ ﴿رِزْقُهُنَّ﴾ اِطْعَامُ الْوَالِدَاتِ ﴿وَ كِسْوَتُهُنَّ﴾ عَلَی الْاِرْضَاعِ اِذَا كُنَّ مُطَلَّقَاتٍ ﴿بِالْمَعْرُوْفِ﴾ بِقَدْرِ طَاقَتِهٖ ﴿لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا﴾ طَاقَتَهَا ﴿لَاتُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا﴾ بِسَبَبِهٖ بِاَنْ تُكْرَهَ عَلٰی اِرْضَاعِهٖ اِذَا امْتَنَعَتْ ﴿وَ لَایُضَارَّ مَوْلُوْدٌ لَهٗ بِوَلَدِهٖ﴾ اَیْ بِسَبَبِهٖ بِاَنْ یُّكَلَّفَ فَوْقَ طَاقَتِهٖ وَ اِضَافَةُ الْوَلَدِ اِلٰی كُلٍّ مِّنْهُمَا فِی الْمَوْضِعَیْنِ لِلْاِسْتِعْطَافِ ﴿وَ عَلَی الْوَارِثِ﴾ اَیْ وَارِثِ الْاَبِ وَهُوَ الصَّبِیُّ اَیْ عَلٰی وَلِیِّهٖ فِیْ مَالِهٖ ﴿مِثْلُ ذٰلِكَ﴾ الَّذِیْ عَلَی الْاَبِ لِلْوَالِدَةِ مِنَ الرِّزْقِ وَ الْكِسْوَةِ ﴿فَاِنْ اَرَادَا﴾ اَیِ الْوَالِدَانِ ﴿فِصَالًا﴾ فِطَامًا لَهٗ قَبْلَ الْحَوْلَیْنِ صَادِرًا ﴿عَنْ تَرَاضٍ﴾ اِتِّفَاقٍ ﴿مِّنْهُمَا وَ تَشَاوُرٍ﴾ بَیْنَهُمَا لِیَظْهَرَ مَصْلَحَةُ الصَّبِیِّ فِیْهِ

﴿فَلَاجُنَاحَ عَلَيْهِمَا﴾ فِی ذٰلِكَ ﴿وَاِنْ اَرَدْتُّمْ﴾ خِطَابٌ لِلْاٰبَاءِ ﴿اَنْ تَسْتَرْضِعُوْا اَوْلَادَكُمْ﴾ مُرَاضِعَ غَيْرَ الْوَالِدَاتِ ﴿فَلَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾ فِيْهِ ﴿اِذَا سَلَّمْتُمْ﴾ اِلَيْهِنَّ ﴿مَا اٰتَيْتُمْ﴾ اَیْ اَرَدْتُّمْ اِيْتَائَهُ لَهُنَّ مِنَ الْاُجْرَةِ ﴿بِالْمَعْرُوْفِ﴾ بِالْجَمِيْلِ كَطِيْبِ النَّفْسِ ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝﴾ لَايَخْفٰی عَلَيْهِ شَیْءٌ مِنْهُ.

ترجمہ: ﴿اور جب تم طلاق دے دوعورتوں کو اور وہ پوری کرلیں اپنی عدت﴾ ان کی عدت کی میعاد ختم ہو جائے ﴿تو نہ روکو انھیں﴾ خطاب اولیاء سے ہے یعنی انھیں منع نہ کرو ﴿اس سے کہ اپنے شوہروں سے نکاح کرلیں﴾ جنھوں نے ان کو طلاق دی ہے اس لئے کہ اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ معقل بن یسار کی بہن کو ان کے شوہر نے طلاق دیدی تھی پھر ان کے شوہر نے رجوع کا ارادہ کیا تو معقل نے بہن کو منع کر دیا، رواہ الحاکم ﴿جب کہ رضامند ہو جائیں﴾ خاوند اور بیوی ﴿آپس میں مناسب طریقہ سے﴾ شرع کے موافق ﴿یہ﴾ روکنے سے ممانعت کی ﴿نصیحت اسے دی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو﴾ کیونکہ وہی اس سے مستفید ہوتا ہے ﴿یہ﴾ روکنے سے ﴿تمہارے لئے زیادہ ستھرا اور پاکیزہ ہے﴾ کیونکہ زوجین پر ان کے (سابقہ) تعلق کی وجہ سے تہمت کا اندیشہ ہے ﴿اور اللہ جانتا ہے﴾ اس کی مصلحت ﴿اور تم نہیں جانتے﴾ اس (مصلحت) کو لہٰذا تم اس کے حکم کی اتباع کرو ﴿اور مائیں دودھ پلائیں﴾ یعنی انھیں دودھ پلانا چاہئے ﴿اپنے بچوں کو پورے دو برس﴾ (کاملین) صفت موکدہ ہے، یہ (مدت) ﴿اس کے لئے ہے جو دودھ کی مدت پوری کرنی چاہے﴾ اور اس پر زیادتی کی اجازت نہیں ﴿اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ ہے﴾ یعنی باپ پر ﴿ان کا کھانا﴾ ماؤں کا کھانا ﴿اور ان کا لباس﴾ دودھ پلانے کے عوض جب کہ وہ مطلقات ہوں ﴿مناسب طریقہ سے﴾ باپ کی وسعت کے مطابق ﴿کسی جان پر بوجھ نہ رکھا جائے گا مگر اس کے مقدور بھر﴾ وسعت کے مطابق ﴿ماں کو ضرر نہ دیا جائے اس کے بچہ سے﴾ یعنی بچہ کے سبب اس طرح کہ وہ دودھ نہ پلانا چاہے تو اسے دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے ﴿اور نہ ضرر دیا جائے باپ کو اس کے بچہ کے باعث﴾ یعنی بچہ کے سبب اس طرح کہ اس کی وسعت سے زیادہ کا مکلّف بنا دیا جائے اور دونوں جگہوں پر والدین کی جانب ولد کی اضافت طلب شفقت کی لئے ہے۔ ﴿اور وارث پر بھی﴾ یعنی باپ کے وارث پر کہ وہ اس کا بچہ ہے مراد باپ کا مالی وارث ہے ﴿اسی قسم کی ذمہ داری ہے﴾ جس طرح باپ پر ماں کے کھانے کپڑے کی ذمہ داری تھی ﴿پھر اگر دونوں ارادہ کرلیں﴾ یعنی والدین ﴿دودھ چھڑانے کا﴾ دو سال سے پہلے ہی دودھ چھڑانا چاہیں ﴿اپنی مرضی اور آپسی مشورہ سے﴾ تاکہ اس میں بچہ کی مصلحت ظاہر ہو ﴿تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں﴾ اس معاملہ میں ﴿اور اگر تم چاہو﴾ خطاب آباء کو ہے ﴿کہ دودھ پلواؤ اپنی اولاد کو﴾ ماؤں کے علاوہ دودھ پلانے والیوں سے ﴿تو بھی تم پر مضائقہ نہیں﴾ اس معاملہ میں ﴿جبکہ تم ادا کر دو﴾ دودھ پلانے والیوں کو ﴿جو دینا ٹھہرایا تھا تم نے﴾ یعنی جو اجرت تم نے انھیں دینا طے کیا تھا ﴿مناسب طریقہ سے﴾ اچھی طرح یعنی خندہ پیشانی سے ﴿اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے﴾ ان میں سے اس پر کچھ بھی پوشیدہ نہیں۔

توضیح و تشریح: قولہ انقضت عدتھن — اس تفسیر سے اشارہ فرمایا کہ یہاں بلوغ ماقبل میں وارد

بلوغ کی طرح معنی مجازی (بمعنی قرب) میں نہیں بلکہ یہاں حقیقی معنی (مدت کا ختم ہوجانا) مراد ہے کیونکہ ماقبل میں امساک فی النکاح کی ترغیب تھی جس کا امکان اسی وقت ہے جبکہ عدت کی کچھ مدت باقی ہو مگر یہاں نکاح ثانی سے روکنے کی ممانعت ہے اور ظاہر ہے روکنا اسی وقت متصور ہوگا جب کہ عدت کی مدت ختم ہوچکی ہو، اسی لئے مفسر علام نے ماقبل میں بلغن کی تفسیر لفظ قاربن سے کی اور یہاں انقضت الخ سے۔

قولہ: خطاب للاولیاء– اس اضافہ سے اس وہم کا ازالہ مقصود ہے کہ لاتعضلوا کے مخاطب طلاق دینے والے شوہر ہیں، یعنی شوہروں کو چاہئے کہ اپنی مطلقہ بیویوں کو نکاح کرنے سے نہ روکیں، چونکہ یہ معنی جیسا کہ آگے واضح ہوگا شان نزول کے مطابق نہیں، علاوہ ازیں اس صورت میں ازواجھن کا معنی مجازی مراد لینا پڑے گا جو خلاف اصل ہے، لہٰذا حضرت مفسر نے واضح فرمایا کہ خطاب اولیاء سے ہے، یہی تفسیر شان نزول کے مطابق ہے اور اس صورت میں ازواجھن اپنے حقیقی معنی میں ہوگا آیت کا مفہوم ہوگا کہ مطلقہ عورتوں کو ان کے سابقہ شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکو۔

قولہ: لان سبب نزولها الخ یہ سبب نزول کا بیان ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت معقل بن یسار مزنی نے اپنی بہن جمیلہ کا نکاح اپنے چچازاد بھائی عبداللہ بن عاصم مزنی سے کردیا اتفاقاً شوہر اور بیوی میں اختلاف ہوگیا اور عبداللہ نے جمیلہ کو طلاق دے دی جس سے معقل بن یسار کو سخت تکلیف ہوئی مگر عدت گزرنے کے بعد عبداللہ بن عاصم نے پھر جمیلہ سے نکاح کرنا چاہا جس پر حضرت معقل نے قسم کھالی کہ میں اب جمیلہ کا تم سے نکاح نہ کروں گا تب یہ آیت نازل ہوئی جسے سن کر حضرت معقل نے کہا کہ میں اپنے نفس کی نہیں مانوں گا اور رب کی اطاعت کروں گا، چنانچہ نکاح کردیا اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا۔ (تفسیر کبیر وروح البیان وغیرہ)

قولہ: شرعاً– اس اضافہ سے اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ اگر مطلقہ عورتیں اپنی مرضی سے شریعت کے مطابق نکاح کریں یعنی نکاح کفو میں ہو اور مہر مثل سے کم نہ ہو تو اولیاء کے لئے جائز نہیں کہ وہ نکاح کرنے سے منع کریں۔ البتہ اگر عورتیں خلاف شرع نکاح کریں مثلاً غیر کفو میں کریں یا مہر مثل سے کم پر کریں تو اولیاء کو انھیں روکنے کی اجازت ہے۔

قولہ: النهی عن العضل۔ یہ ذلك کے مشارالیہ کی طرف اشارہ ہے چونکہ ذلك اشارہ بعید کے لئے موضوع ہے لہٰذا یہ وہم پیدا ہوسکتا تھا کہ ذلك کا مشارالیہ اذا طلقتم الایه ہو، اسی وہم کو دور کرنے کے لئے مفسر علام نے مشارالیہ کی طرف اشارہ کردیا، رہا یہ سوال کی ذلك اشارہ بعید کے لئے موضوع ہے تو قریب کے لئے استعمال کیوں ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں مشارالیہ اگرچہ صورۃً قریب ہے مگر معنی بعید ہے کیونکہ ترک عضل اشارہ کے وقت موجود نہیں بلکہ موہوم ہے اور ایسے امور از قبیل غائب ہوتے ہیں اور ان کی طرف اشارہ ایسے اسم کے ذریعہ کیا جاتا ہے جو موضوع ہیں بعید کے لئے کیونکہ ہر غائب بعید ہوتا ہے۔ (ترویح الارواح)

قولہ: لانه المنتفع به– یہ مؤمنین کے ساتھ تخصیص وعظ کی علت ہے حالانکہ الٰہی احکام تمام مکلفین کیلئے ہیں۔

قولہ: ما فيه من المصلحة– یہ اضافہ یعلم کے مفعول محذوف کی طرف اشارہ کے لئے ہے،؟ آگے مفسر علام

نے یرضعن کی تفسیر لیرضعن سے کر کے اشارہ فرمایا ہے کہ یہاں خبر بمعنی امر ہے، اور پھر حولین کی تفسیر عامین سے کر کے حول کے معنی اصطلاحی کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہاں حول کا لغوی معنی "نقل" مراد نہیں۔

خیال رہے کہ بچہ کو دودھ پلانے کی مدت امام مالک، امام شافعی، امام ابو یوسف اور امام محمد وغیرہم کے نزدیک دو سال ہے مگر امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ مدت ڈھائی سال ہے، پھر یہ بھی خیال رہے کہ بچہ کو دودھ پلانے کا حکم صرف مطلقہ کے لئے نہیں، بلکہ ماں خواہ مطلقہ ہو یا نہ ہو اس پر بہر حال بچہ کو دودھ پلانا واجب ہے بشرطیکہ بچہ کی پرورش خاص ماں کے دودھ پر موقوف ہو اور اگر ایسا نہ ہو یعنی باپ کو اجرت پر دودھ پلانے کی قدرت ہو اور دودھ پلانے والی دایہ میسر ہو اور بچہ اس دایہ کا دودھ قبول بھی کرتا ہو تو ماں پر دودھ پلانا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔ (تفسیر احمدی، جمل، خزائن)

قولہ: وهو الصبى الخ یہ وارث کا معنی مراد ہے یعنی باپ کے مرنے کے بعد مرضعہ کی اجرت باپ کے ولی اور وارث یعنی بچہ پر واجب ہے جب کہ بچہ مال دار ہو اور اگر بچہ فقیر ہو تو یہ اجرت قریبی رشتہ داروں پر واجب ہوگی، رہا یہ سوال کہ بچہ جب مکلّف نہیں ہے تو اس پر مرضعہ کا نفقہ کیونکر واجب ہوگا اور وہ اس کی ادائیگی کیسے کر سکتا ہے، اس کا جواب مفسر علام نے على وليه فى ماله کہہ کر دیا ہے یعنی بچہ کا کفیل بچے کے مال سے اجرت دے گا، فلا اعتراض پھر خیال رہے کہ باپ کی موت کے بعد کا مذکور حکم امام شافعی کے مذہب کے مطابق ہے، احناف کے نزدیک آیت میں وارد لفظ وارث سے مراد بچہ کے ذی رحم محرم قرابت دار ہیں۔

قولہ: الذى على الاب الخ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ ذلك اسم اشارہ مفرد ہے اور مشار الیہ دو ہیں یعنی رزق اور کسوۃ، لہٰذا اسم اشارہ اور مشار الیہ کے درمیان مطابقت نہیں رہی، جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں مشار الیہ اگرچہ صورۃ دو ہیں مگر وہ ما يجب على الاب کی تاویل میں ہیں لہٰذا اس کے لئے اسم اشارہ واحد لانا درست ہے۔

قولہ: ليظهر مصلحة الصبى فيه — اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ دودھ چھڑانے میں ماں اور باپ دونوں کی رضا اس لئے ضروری ہے کہ بچے کو کسی قسم کا گزند نہ پہنچے کہ دونوں ہی کسی ایسی صورت حال پر متفق نہ ہوں گے جس میں بچہ کے لئے نقصان ہو بخلاف اس صورت کے کہ اگر کسی ایک ہی کی مرضی سے دودھ چھڑانے کی اجازت مل جاتی تو بچے کی صلاح و فلاح کی پوری رعایت نہیں ہو پاتی۔ اسی کو مفسر علام نے ليظهر الخ سے بیان فرمایا ہے۔

قولہ: مراضع غير الوالدات — اس عبارت میں مراضع، تسترضعوا کا مفعول اول مؤخر ہے اور آیت میں اولادکم بتقدیر حرف جر مفعول ثانی مقدم ہے، تقدیری عبارت یوں ہوگی "ان اردتم ان تطلبوا مراضع لاولادکم" کیونکہ افعل جب متعدی بیک مفعول ہو پھر اس میں طلب یا نسبت کے لئے س، ت، بڑھا دیا جائے تو وہ متعدی بدو مفعول ہو جاتا ہے، مگر یہ زمخشری کی رائے ہے، جمہور حرف جر کے ذریعہ مفعول ثانی کی طرف متعدی مانتے ہیں لہٰذا جمہور کے نزدیک اولادکم منصوب بنزع الخافض ہوگا۔ پھر یہاں یہ خیال رہے کہ غیر والدہ سے دودھ پلوانے کی اجازت مطلق نہیں ہے بلکہ اس صورت میں ہے جب کہ دوسری عورت ماں سے کم اجرت لے رہی ہو یا مفت پلا رہی ہو، اگر ماں اور غیر ماں کے درمیان کوئی فرق نہ ہو تو ماں

سے دودھ پلوانا اولیٰ ہے۔(صاوی)

قوله: ای اردتم ایتائه الخ چونکہ "سلمتم" اور "اٰتیتم" ماضی کے صیغے ہیں جس سے یہ وہم پیدا ہورہا تھا کہ دودھ پلانے کی اجرت پیشگی دینا صحت اجارہ کے لئے شرط ہے، حالانکہ ایسا نہیں مفسر علام نے اپنی تفسیری عبارت سے اسی وہم کو دور کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سلمتم بمعنی اردتم ہے اور اٰتیتم بمعنی ایتاء ہے لہٰذا آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ جب تم مقررہ اجرت دینے کا پختہ ارادہ کرلو تو دودھ پلواؤ، اور اگر دونوں صیغوں کو ان کے اصلی معنی میں رکھیں تو یہ اکملیت کا بیان ہے پیشگی اجرت دینا دودھ پلانے والی کی خوشنودی اور رضا کے لئے ہوگا جس میں بچہ کے لئے بہتری ہے کہ دایہ رغبت سے دودھ پلائے گی۔

فوائد (۱) بچہ کو دودھ پلانے میں مدت رضاعت کا پورا کرنا لازم نہیں ہے اگر قبل از وقت دودھ چھڑانے میں بچہ کے لئے کوئی خطرہ نہ ہو تو چھڑانا جائز ہے۔(خازن)

(۲) شوہر اپنی بیوی پر بچہ کو دودھ پلانے کے لئے جبر نہیں کرسکتا اور نہ بیوی شوہر سے دودھ پلانے کا معاوضہ طلب کرسکتی ہے جب تک کہ اس کے نکاح یا عدت میں رہے۔(خزائن العرفان)

(۳) اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور عدت گزر چکی تو وہ اس سے بچہ کے دودھ پلانے کی اجرت لے سکتی ہے۔(ایضاً)

﴿وَ الَّذِيۡنَ يُتَوَفَّوۡنَ﴾ يَمُوۡتُوۡنَ ﴿مِنۡكُمۡ وَ يَذَرُوۡنَ﴾ يَتۡرُكُوۡنَ ﴿اَزۡوَاجًا يَّتَرَبَّصۡنَ﴾ اَیۡ لِيَتَرَبَّصۡنَ ﴿بِاَنۡفُسِهِنَّ﴾ بَعۡدَهُمۡ عَنِ النِّكَاحِ ﴿اَرۡبَعَةَ اَشۡهُرٍ وَّ عَشۡرًا﴾ مِنَ اللَّيَالِیۡ وَ هٰذَا فِیۡ غَيۡرِ الۡحَوَامِلِ اَمَّا الۡحَوَامِلُ فَعِدَّتُهُنَّ اَنۡ يَّضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّ بِاٰيَةِ الطَّلَاقِ وَ الۡاَمَةُ عَلَى النِّصۡفِ مِنۡ ذٰلِكَ بِالسُّنَّةِ ﴿فَاِذَا بَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ﴾ اِنۡقَضَتۡ مُدَّةُ تَرَبُّصِهِنَّ ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ﴾ اَيُّهَا الۡاَوۡلِيَاءُ ﴿فِيۡمَا فَعَلۡنَ فِیۡۤ اَنۡفُسِهِنَّ﴾ مِنَ التَّزَيُّنِ وَ التَّعۡرِيۡضِ لِلۡخُطَّابِ ﴿بِالۡمَعۡرُوۡفِ﴾ شَرۡعًا ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ۝﴾ عَالِمٌ بِبَاطِنِهٖ كَظَاهِرِهٖ ﴿وَ لَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ فِيۡمَا عَرَّضۡتُمۡ﴾ لَوَّحۡتُمۡ ﴿بِهٖ مِنۡ خِطۡبَةِ النِّسَآءِ﴾ الۡمُتَوَفّٰى عَنۡهُنَّ اَزۡوَاجُهُنَّ فِی الۡعِدَّةِ كَقَوۡلِ الۡاِنۡسَانِ مَثَلًا اِنَّكِ لَجَمِيۡلَةٌ وَ مَنۡ يَّجِدُ مِثۡلَكِ وَ رُبَّ رَاغِبٍ فِيۡكِ ﴿اَوۡ اَكۡنَنۡتُمۡ﴾ اَضۡمَرۡتُمۡ ﴿فِیۡۤ اَنۡفُسِكُمۡ﴾ مِنۡ قَصۡدِ نِكَاحِهِنَّ ﴿عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمۡ سَتَذۡكُرُوۡنَهُنَّ﴾ بِالۡخِطۡبَةِ وَ لَا تَصۡبِرُوۡنَ عَنۡهُنَّ فَاَبَاحَ لَكُمُ التَّعۡرِيۡضَ ﴿وَ لٰكِنۡ لَّا تُوَاعِدُوۡهُنَّ سِرًّا﴾ اَیۡ نِكَاحًا ﴿اِلَّاۤ﴾ لٰكِنۡ ﴿اَنۡ تَقُوۡلُوۡا قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا﴾ اَیۡ مَا عُرِفَ شَرۡعًا مِنَ التَّعۡرِيۡضِ فَلَكُمۡ ذٰلِكَ ﴿وَ لَا تَعۡزِمُوۡا عُقۡدَةَ النِّكَاحِ﴾ اَیۡ عَلٰى عَقۡدِهٖ ﴿حَتّٰى يَبۡلُغَ الۡكِتٰبُ﴾ اَیِ الۡمَكۡتُوۡبُ مِنَ الۡعِدَّةِ ﴿اَجَلَهٗ﴾ بِاَنۡ يَّنۡتَهِیَ ﴿وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا فِیۡۤ اَنۡفُسِكُمۡ﴾ مِنَ الۡعَزۡمِ وَغَيۡرِهٖ ﴿فَاحۡذَرُوۡهُ﴾ اَنۡ يُّعَاقِبَكُمۡ اِذَا عَزَمۡتُمۡ ﴿وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ﴾ لِمَنۡ يَّحۡذَرُهٗ ﴿حَلِيۡمٌ۝﴾ بِتَاخِيۡرِ الۡعُقُوۡبَةِ عَنۡ مُسۡتَحِقِّهَا.

ترجمہ: اور جو لوگ فوت ہو جائیں ﴾ مرجائیں ﴿ تم میں سے اور چھوڑ جائیں بیویاں تو وہ بیویاں روکے رکھیں ﴾ یعنی چاہیئے کہ روکے رکھیں ﴿ اپنے آپ کو ﴾ شوہروں کے بعد نکاح سے ﴿ چار مہینے اور دس ﴾ راتیں (مع دنوں

کے) اور یہ عدت غیر حاملہ عورتوں کی ہے، رہیں حاملہ عورتیں تو ان کی عدت وضع حمل ہے آیت طلاق کی رو سے اور باندی کی عدت حدیث کے مطابق اس کا نصف ہے ﴿تو جب ان کی عدت پوری ہو جائے﴾ ان کے انتظار کی مدت ختم ہو جائے ﴿تو تم پر کوئی مواخذہ نہیں﴾ اے والیو! ﴿اس کام میں جو عورتیں اپنے معاملہ میں کریں﴾ زینت یا رشتہ کی بات چیت ﴿مناسب طریقہ سے﴾ شرع کے مطابق ﴿اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے﴾ ظاہر و باطن کو جانتا ہے ﴿اور تم پر گناہ نہیں اس بات میں کہ پردہ رکھ کر تم عورتوں کے نکاح کا پیام دو﴾ عدت کے دنوں میں ان عورتوں سے جن کے شوہر انتقال کر چکے ہیں مثلاً تم تو بہت خوبصورت ہو، تم جیسی کو کون پاتا ہے، تمہیں پوچھنے والے تو بہت ہیں ﴿یا چھپائے رکھو تم﴾ پوشیدہ رکھو ﴿اپنے دلوں میں﴾ ان کے نکاح کا ارادہ ﴿اللہ جانتا ہے کہ اب تم ان کی یاد کرو گے﴾ پیام نکاح کے ذریعہ اور تم صبر نہ کر سکو گے ان کے تعلق سے لہٰذا تمہارے لئے اشارۃً پیام کو مباح فرما دیا ﴿ہاں ان سے خفیہ وعدہ نہ کر رکھو﴾ یعنی خفیہ نکاح ﴿مگر یہ کہ اتنی بات کہو جو شرع میں معروف ہے﴾ یعنی جو تعریض شرعی ہو وہی تمہارے لئے جائز ہے ﴿اور نکاح کی گرہ پکی نہ کرو﴾ یعنی عقد کا پختہ ارادہ ﴿یہاں تک کہ پہنچ جائے عدت﴾ یعنی مقررہ عدت ﴿اپنی میعاد کو﴾ یعنی عدت ختم ہو جائے ﴿اور جان لو کہ اللہ تمہارے دل کی جانتا ہے﴾ یعنی پختہ ارادہ وغیرہ ﴿تو اس سے ڈرو﴾ کہ تمہارے پختہ ارادہ پر وہ تمہیں سزا دے گا ﴿اور جان لو کہ اللہ بخشنے والا ہے﴾ اس کو جو خدا سے ڈرے ﴿حلم والا ہے﴾ مستحق عذاب سے عذاب کو مؤخر کر کے۔

توضیح و تشریح: قوله بعدهم — یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ آیت میں الّذین اسم موصول اپنے مابعد سے مل کر مبتداء واقع ہے اور یتربصن بانفسهن جملہ ہو کر خبر واقع ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جملہ جب خبر واقع ہو تو اس میں مبتدا کی طرف لوٹنے والی کوئی ضمیر ہونی چاہئے جو یہاں نہیں ہے، جواب یہ ہے کہ یہاں خبر میں مبتداء کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے اور وہ ہے بعدهم میں هم ای بعد الازواج. (ترویح الارواح)

قوله: من الليالى۔ اس اضافہ کی وجہ یہ ہے کہ قمری تاریخ کی ابتداء چونکہ رات سے ہوتی ہے اور دن رات کے تابع ہوتا ہے اس لئے حضرت مفسر نے من الليالى کی تخصیص فرمائی کیونکہ رات کے ضمن میں دن از خود شامل ہو گیا۔ (ایضاً)

قوله: باية الطلاق الخ آیت طلاق جس کی طرف حضرت مفسر نے اشارہ فرمایا ہے یہ ہے: "و اولات الاحمال اجلهن ان يضعن حملهن" (الطلاق، آیت ۴) اور باندیاں حدیث شریف "عدتها حيضتان" کی وجہ سے مذکور حکم سے خارج ہیں کہ ان کی عدت دو مہینہ پانچ راتیں ہیں۔

قوله: ايها الاولياء۔ چونکہ انقضائے عدت سے شوہر کی ولایت ختم ہو گئی اس لئے تصریح فرمایا کہ یہاں خطاب اولیاء سے ہے کہ اب ازواج کو خطاب کا کوئی معنی نہیں۔

قوله: عالم بباطنه كظاهره — یہ تفسیر تکرار کے شبہ کو دفع کرنے کے لئے ہے چونکہ اوپر مذکور ہوا "ان الله بما تعملون بصير" اور یہاں فرمایا والله بما تعملون خبير شبہ پیدا ہوا کہ دونوں آیتوں کا مفہوم ایک ہے تو دونوں آیتوں میں تکرار لازم آیا، اس شبہ کو مفسر علام نے اپنی تفسیر سے دفع کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بصیر کا تعلق ظاہر سے ہے اور خبیر کا

تعلق باطن سے ہے، لہٰذا دونوں آیتوں کے مفہوم میں فرق ہے۔ فلا تکرار.

قولہ: لوحتم – یہ تلویح سے ہے جس کا معنی ہے اشارہ کرنا یا اشارے سے کام لینا یعنی تعریض بمعنی تلویح ہے بمعنی اقدام نہیں کہ عدت میں پیغام پر اقدام قطعاً ناجائز ہے۔

قولہ: ای نکاحاً – یہ ان لوگوں کا رد ہے جنھوں نے "لاتواعدوھن" کی تفسیر جماع سے کی ہے وجہ رد یہ ہے کہ جماع تحقق نکاح کے بعد ہوتا ہے پھر قبل نکاح وعدۂ جماع چہ معنی دارد؟

قولہ: ای علیٰ عقدہ – یہاں علیٰ کے اضافہ سے اشارہ فرمایا کہ عزم بمعنی جزم ہے قصد وارادہ کے معنی میں نہیں کہ عزم جب بمعنی جزم ہوتا ہے تو علیٰ کے ذریعہ متعدی ہوتا ہے۔

قولہ: ان یعاقبکم – یہ حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے یعنی فاحذروہ میں "ہٗ" ضمیر سے پہلے مضاف "عقاب" محذوف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے بچنا ممکن نہیں، آگے مفسر علام نے اذا عزمتم سے اشارہ فرمایا کہ کبیرہ کا عزم بھی کبیرہ ہے اور اس پر استحقاق عذاب ہے۔

عدت وفات کے احکام:

وہ مدت جس میں بیوہ عورت شوہر کی موت پر سوگ کے لئے اپنے سکونت کے مکان میں اس طرح ٹھہری رہے کہ بغیر عذر شرعی گھر سے باہر نہ نکلے، عدت وفات ہے جو چار ماہ دس دن ہے عورت خواہ مدخول بہا ہو یا غیر مدخول بہا دونوں کی عدت یہی ہے البتہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے جیسا کہ گذرا، عدت وفات گزارنے والی عورت عدت میں نہ نکاح کرسکتی ہے نہ بلا عذر اپنا مسکن چھوڑ سکتی ہے نہ بلا عذر تیل لگا سکتی ہے نہ خوشبو، نہ سنگار کرسکتی ہے، نہ رنگین اور ریشمی کپڑے پہن سکتی ہے اسی طرح نہ مہندی لگا سکتی ہے اور نہ ہی کھل کر نکاح کی بات چیت کرسکتی ہے اور جو عورت طلاق بائن کی عدت میں ہو اس کا بھی یہی حکم ہے البتہ جو طلاق رجعی کی عدت گزار رہی ہو اس کو زینت اور سنگار مستحب ہے کہ یہ حق زوج ہے۔ (خزائن)

خیال رہے چار ماہ دس دن تک سوگ کرنا صرف شوہر کی موت کے ساتھ خاص ہے کسی دوسرے عزیز کی موت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں جیسا کہ زینب بنت ابی سلمہ کی اس روایت سے ثابت ہے۔

"قالت دخلت على ام حبيبة زوج النبى صلى الله عليه وسلم فقالت سمعت رسول الله عليه وسلم يقول لا يحل لامرأة تؤمن بالله و اليوم الآخر ان تحد على ميت فوق ثلث الا على زوج اربعة اشهر و عشرا.

(بخاری جلد اول، ص ۱۷۱ مکتبہ تھانوی، دیوبند)

زینب بنت ابی سلمہ کہتی ہیں کہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو عورت اللہ پر اور یوم آخرت پر یقین رکھتی ہے اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کی موت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے سوائے شوہر کے کہ اس پر چار مہینہ دس دن سوگ ہے۔

عزم پر گرفت ہے: خیال رہے کہ ارادہ کی پانچ قسمیں ہیں (۱) ماجس، یعنی دل میں کسی کام کے کرنے کا اچانک خیال آئے۔ (۲) خاطر، یعنی بار بار کسی کام کے کرنے کا خیال آئے۔ (۳) حدیث نفس، یعنی جب ذہن کسی کام کے کرنے کا منصوبہ بنائے تو اسے حدیث نفس کہتے ہیں۔ (۴) ہَم یعنی ۹۹ رفی صد کسی کام کو کرنا چاہتا ہو اور ایک فیصد وہ کام نہ کرنا چاہتا ہو تو یہ ہَم ہے (۵) عزم، سو فیصد کسی کام کو کرنا چاہتا ہو تو اسے عزم کہتے ہیں۔ (تبیان القرآن)

ارادہ کی مذکورہ اقسام میں عزم پر گرفت ہے باقی اقسام پر نہیں جیسا کہ زیر بحث آیت میں عدت کے اندر عزم نکاح کی ممانعت سے واضح ہے کہ فعل حرام کا عزم بھی حرام ہے اور ظاہر ہے فعل حرام کے ارتکاب پر گرفت ہے، علاوہ ازیں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی درج ذیل روایت سے بھی عزم پر گرفت کا ثبوت ہوتا ہے۔

سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول اذا التقى المسلمان بسيفهما فالقاتل و المقتول فى النار قلت يا رسول الله هذا القاتل فما بال المقتول قال انه كان حريصاً على قتل صاحبه. (بخاری جلد اول، ص۹، مکتبہ تھانوی دیوبند)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا کہ جب دو مسلمان تلواروں سے لڑیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں، میں نے عرض کی یارسول اللہ! یہ تو قاتل ہے مگر مقتول کے جہنمی ہونے کی کیا وجہ ہے؟ حضور نے فرمایا یہ بھی اپنے حریف کے قتل پر حریص تھا۔

اس حدیث سے واضح ہے کہ اگر کسی شخص نے قتل نہ کیا ہو بلکہ قتل کا صرف پختہ ارادہ اور عزم کیا ہو تو وہ بھی مجرم ہوگا۔

﴿لَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَالَمْ تَمَسُّوْهُنَّ﴾ وَ فِیْ قِرَأَةٍ تَمَاسُّوْهُنَّ اَیْ تُجَامِعُوْهُنَّ ﴿اَوْ﴾ لَمْ ﴿تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً﴾ مَهْرًا وَ مَا مَصْدَرِيَّةٌ ظَرْفِيَّةٌ اَیْ لَاتَبْعَةَ عَلَيْكُمْ فِی الطَّلَاقِ زَمَنَ عَدَمِ الْمَسِيْسِ وَ الْفَرْضِ بِاِثْمٍ وَ لَامَهْرَ فَطَلِّقُوْهُنَّ ﴿وَ مَتِّعُوْهُنَّ﴾ اَیْ اَعْطُوْهُنَّ مَا يَتَمَتَّعْنَ بِهٖ ﴿عَلَى الْمُوْسِعِ﴾ الْغَنِیِّ مِنْكُمْ ﴿قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ﴾ اَلضَّيِّقِ الرِّزْقِ ﴿قَدَرُهٗ﴾ يُفِيْدُ اَنَّهٗ لَانَظَرَ اِلٰى قَدَرِ الزَّوْجَةِ ﴿مَتَاعًا﴾ تَمْتِيْعًا ﴿بِالْمَعْرُوْفِ﴾ شَرْعًا صِفَةُ مَتَاعًا ﴿حَقًّا﴾ صِفَةٌ ثَانِيَةٌ اَوْ مَصْدَرٌ مُؤَكِّدٌ ﴿عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ۝﴾ الْمُطِيْعِيْنَ ﴿وَ اِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ﴾ يَجِبُ لَهُنَّ وَ يَرْجِعُ لَكُمُ النِّصْفُ ﴿اِلَّا﴾ لٰكِنْ ﴿اَنْ يَّعْفُوْنَ﴾ اَیِ الزَّوْجَاتُ فَيَتْرُكْنَهٗ ﴿اَوْ يَعْفُوَ الَّذِیْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ﴾ وَهُوَ الزَّوْجُ وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَلْوَلِیُّ اِذَا كَانَتْ مَحْجُوْرَةً فَلَاحَرَجَ فِیْ ذٰلِكَ ﴿وَ اَنْ تَعْفُوْا﴾ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ ﴿اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَ لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ﴾ اَیْ اَنْ يَّتَفَضَّلَ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ ﴿حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ﴾ اَلْخَمْسِ بِاَدَائِهَا فِیْ اَوْقَاتِهَا ﴿وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾ هِیَ الْعَصْرُ كَمَا فِی الْحَدِيْثِ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ اَوِ الصُّبْحُ اَوِ الظُّهْرُ اَوْ غَيْرُهَا اَقْوَالٌ اَفْرَدَهَا بِالذِّكْرِ لِفَضْلِهَا ﴿وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ﴾ فِی الصَّلٰوةِ ﴿قٰنِتِيْنَ ۝﴾ قِيْلَ مُطِيْعِيْنَ لِقَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ قُنُوْتٍ فِی الْقُرْاٰنِ فَهُوَ طَاعَةٌ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَغَيْرُهٗ وَ قِيْلَ سَاكِتِيْنَ

لِحَدِيثِ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ كُنَّا نَتَكَلَّمُ فِي الصَّلٰوةِ حَتّٰى نَزَلَتْ فَاُمِرْنَا بِالسُّكُوْتِ وَ نُهِيْنَا عَنِ الْكَلَامِ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ ﴿فَاِنْ خِفْتُمْ﴾ مِنْ عَدُوٍّ اَوْ سَيْلٍ اَوْ سَبُعٍ ﴿فَرِجَالًا﴾ جَمْعُ رَاجِلٍ اَىْ مُشَاةٍ صَلُّوْا ﴿اَوْ رُكْبَانًا﴾ جَمْعُ رَاكِبٍ اَىْ كَيْفَ اَمْكَنَ مُسْتَقْبِلِي الْقِبْلَةِ وَغَيْرِهَا وَيُوْمِئُ بِالرُّكُوْعِ وَ السُّجُوْدِ ﴿فَاِذَآ اَمِنْتُمْ﴾ مِنَ الْخَوْفِ ﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ﴾ اَىْ صَلُّوْا ﴿كَمَا عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُوْنُوا تَعْلَمُوْنَ o﴾ قَبْلَ تَعْلِيْمِهِ مِنْ فَرَائِضِهَا وَ حُقُوْقِهَا وَ الْكَافُ بِمَعْنٰى مِثْلٍ وَ مَا مَوْصُوْلَةٌ اَوْ مَصْدَرِيَّةٌ.

حل اللغات: ﴿التبعة، جمع تبعات﴾ تاوان، جرمانہ، مواخذہ ﴿المسيس ن – س﴾ چھونا، پہنچنا ﴿تمتيع﴾ مطلقہ عورت کو متعہ دینا ﴿السيل﴾ سیلاب ج سیول ﴿الراجل﴾ پیدل چلنے والا۔

ترجمہ: ﴿تم پر کچھ مطالبہ نہیں اگر تم عورتوں کو طلاق دے دو جب کہ تم نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہو﴾ اور ایک قرأت میں تماسوھن ہے بمعنی تجامعوھن ﴿اور نہ ہی تم نے ان کا مہر مقرر کیا ہو﴾ اور ما مصدریہ ظرفیہ ہے یعنی ہاتھ نہ لگانے اور مہر مقرر نہ کرنے کے زمانہ میں طلاق دینے پر تم سے گناہ کا مواخذہ نہیں اور نہ ہی مہر واجب ہے لہٰذا تم انھیں طلاق دے سکتے ہو ﴿اور ان کو کچھ برتنے کو دو﴾ یعنی انھیں کچھ ایسی چیز دو جس سے وہ فائدہ اٹھائیں ﴿مقدور والے پر﴾ تم میں سے مالدار پر ﴿اس کی حیثیت کے مطابق اور نادار پر﴾ تنگ دست پر ﴿اس کی حیثیت کے مطابق﴾ اس سے واضح ہوتا ہے کہ زوجہ کی حیثیت کا اعتبار نہیں ﴿برتنے کی چیز﴾ فائدہ پہنچانا ﴿مناسب طریقہ پر ہونا چاہئے﴾ یعنی شرعی طور پر، بالمعروف متاعاً کی صفت ہے ﴿یہ فرض ہے﴾ حقا صفت ثانیہ یا مصدر مؤکد ہے ﴿نیکو کاروں پر﴾ جو فرماں بردار ہیں ﴿اور اگر تم نے عورتوں کو بے چھوئے طلاق دے دی اور ان کے لئے کچھ مہر مقرر کر چکے تھے تو جتنا ٹھہرا تھا اس کا آدھا واجب ہے﴾ آدھا ان کے لئے واجب ہوگا اور آدھا تمہارے لئے واپس ہوگا ﴿مگر یہ کہ عورتیں کچھ چھوڑ دیں﴾ یعنی بیویاں مہر معاف کر دیں ﴿یا معاف کر دے وہ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے﴾ اور وہ شوہر ہے کہ بیوی کے لئے پورا مہر چھوڑ دے ابن عباس سے منقول ہے کہ مراد ولی ہے جب کہ عورت باکرہ ہو پھر بھی کوئی حرج نہیں ہے ﴿اور اے مردو اگر تم معاف کر دو﴾ یہ مبتداء ہے اس کی خبر آگے ہے ﴿تو یہ بہت قریب ہے تقوٰی سے اور آپس میں ایک دوسرے کے احسان کو بھلا نہ دو﴾ یعنی ایک دوسرے پر احسان کرتے رہو ﴿بے شک اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے﴾ تو اس پر تمہیں جزا دے گا ﴿نگہبانی کرو سب نمازوں کی﴾ یعنی پانچوں نمازوں کی انھیں ان کے اوقات میں ادا کر کے ﴿اور بیچ کی نماز کی﴾ وہ عصر کی نماز ہے جیسا کہ حدیث میں ہے، اسے شیخین نے روایت کی ہے یا فجر یا ظہر یا اس کے علاوہ کی نماز مراد ہے مختلف اقوال ہیں اور اس کا علیحدہ ذکر اس کی فضیلت کی وجہ سے ہے ﴿اور کھڑے ہو اللہ کے حضور﴾ نماز میں ﴿ادب سے﴾ بعض حضرات کہتے ہیں کہ قٰنتین بمعنی مطیعین ہے (یعنی فرمانبردار بن کر کھڑا ہو) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس قول کی وجہ سے کہ قرآن پاک میں جہاں بھی لفظ قنوت آیا ہے وہ اطاعت کے معنی میں ہے، امام احمد وغیرہ نے اسے روایت کیا بعض حضرات کے نزدیک بمعنی ساکتین ہے (یعنی نماز میں خاموشی کے ساتھ کھڑے رہو) حضرت زید بن ارقم کی اس حدیث کی وجہ سے، فرمایا کہ ہم لوگ نماز میں باتیں کر لیتے تھے

یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی تو ہمیں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور گفتگو سے منع کر دیا گیا، اسے شیخین نے روایت کی ہے ﴿پھر اگر خوف میں ہو﴾ دشمن یا سیلاب یا درندہ کی وجہ سے ﴿تو پیادہ﴾ یہ راجل کی جمع ہے یعنی پیدل چلتے چلتے نماز پڑھو ﴿یا سوار﴾ یہ راکب کی جمع ہے یعنی جس طرح بھی ممکن ہو قبلہ کا استقبال ہو سکے یا نہ ہو سکے اور رکوع وسجدہ اشارہ سے کرنا پڑے ﴿پھر جب تمہیں امن حاصل ہو جائے﴾ خوف سے ﴿تو اللہ کی یاد کرو﴾ یعنی نماز پڑھو ﴿جیسا اس نے سکھایا جو تم نہ جانتے تھے﴾ نماز کے فرائض اور آداب سکھانے سے پہلے (نہ جانتے تھے) اور کاف بمعنی مثل ہے اور ما موصولہ یا مصدریہ ہے۔

توضیح و تشریح: قوله: او لم تفرضوا لهن ـ یہاں لفظ لَمْ سے حضرت مفسر نے اشارہ فرمایا کہ لَمْ کا مدخول تمسوھن پر معطوف ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے اور او بمعنی واؤ ہے لہٰذا معنی ہوا "ما لم یکن المسیس و لا فرض المهر" کیونکہ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ او جب سیاق نفی میں واقع ہو تو عموم کا فائدہ دیتا ہے، البتہ تفرضوا، ان مضمر کی وجہ سے منصوب نہیں جیسا کہ بعض مفسرین کا خیال ہے کیونکہ یہ خلاف ظاہر بھی ہے اور اس صورت میں او کو اِلّا یا اِلٰی کے معنی میں لینا پڑے گا۔ جو تکلف سے خالی نہیں۔ (ترویح الارواح)

قوله: مهرا ـ یہ فریضة کا معنی مراد ہے، اس کی توضیح یہ ہے کہ فریضة بمعنی مفروضة یعنی اسم مفعول ہے مصدر نہیں کہ فَعِیْلَةٌ کے وزن پر مصدر نادر ہے اور یہاں مفروض سے مراد مہر ہے کہ سیاق کلام اسی معنی کی طرف مشیر ہے اور لفظ فریضة میں تاء وصفیت سے علمیت کی طرف انتقال کے لئے ہے۔

قوله: ما مصدرية ظرفية ـ اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ آیت میں ما مصدریہ ظرفیہ ہے موصولہ، موصوفہ یا شرطیہ نہیں کہ ان معانی کی یہاں گنجائش نہیں ہے مگر اقرب یہ ہے کہ یہاں ما شرطیہ بمعنی ان ہے مصدریہ ظرفیہ نہیں کیونکہ ظرفیت کے لئے اس جگہ ہوتا ہے جہاں امتداد ممکن ہو جیسے "خالدین فیها ما دامت السموٰات و الارض" میں ما ظرفیہ ہے کہ خلود میں امتداد ہے، بخلاف مذکورہ آیت کے یعنی "ان طلقتم النساء ما لم تمسوھن" میں ما ظرفیہ نہیں کیونکہ طلاق میں امتداد نہیں۔ (صاوی)

قوله: ای لاتبعه علیکم الخ یہ جناح کی تفسیر ہے جس سے اشارہ فرمایا کہ آیت میں جناح سے مطلق مواخذہ مراد ہے محض اخروی یا دنیوی مواخذہ مراد نہیں کہ یہ تخصیص بلا مخصص ہے، علاوہ ازیں اگر جناح سے مراد اخروی گناہ ہو تو اس میں نفی مہر شامل نہیں ہو سکتی حالانکہ یہی لفظ نفی مہر پر بھی بالاتفاق دال ہے۔ (ترویح الارواح)

قوله: و الفرض باثم ـ یہ اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ او تفرضوا لهن میں او میں واؤ ہے اور طلاق پر مہر کا عدم وجوب عدم مس اور عدم فرض دونوں سے متعلق ہے کسی ایک سے نہیں کیونکہ وجود مسیس کی صورت میں پورا مہر واجب ہوگا اور اگر تعیین مہر پائی گئی تو نصف مہر واجب ہوگا، مہر کا عدم وجوب اسی صورت میں ہوگا جب کہ نہ مسیس ہو نہ تعیین مہر ہی پائی جائے۔ (ایضاً)

قوله: فطلقوهن ـ اس اضافہ سے اشارہ فرمایا کہ آگے متعوهن کا صیغہ محذوف پر عطف ہے اور طلقوهن کو

مقدر ماننے کی وجہ یہ ہے کہ متعوھن خبر ہے جس کا عطف تفرضوا انشاء پر لازم آتا ہے حالانکہ عطف انشاء علی الخبر یا اس کا عکس مستحسن نہیں، اس لئے طلقوھن مقدر مانا تاکہ عطف انشاء علی الانشاء ہو جائے۔

قوله: یفید انه الخ چونکہ آیت میں لفظ موسع اور لفظ مقتر دونوں مذکر کے صیغے ہیں لہٰذا ثابت ہوتا ہے کہ متعہ کے سلسلہ میں صرف شوہر کی حیثیت کا اعتبار ہوگا نہ کہ بیوی کی حیثیت کا امام شافعی کے دو قولوں میں سے یہی ایک قول ہے اور امام مالک کے نزدیک یہی مفتیٰ بہ ہے۔ (صاوی)

قوله: تمتیعاً — اس تفسیر سے اشارہ فرمایا کہ متاعاً اسم مصدر اپنے معنی مشہور "ما یتمتع به من الاشیاء" میں نہیں بلکہ مصدر کے معنی میں ہے، آگے صفة متاعاً کہہ کر اس شبہ کا ازالہ کیا ہے کہ یہاں موصوف (متاعاً) اور صفت (حقا) کے درمیان بالمعروف مذکور ہے اور یہ فصل بالاجنبی ہے جو جائز نہیں، حاصل ازالہ یہ ہے کہ یہاں فصل بالاجنبی نہیں کیوں کہ بالمعروف جار مجرور سے مل کر متاعاً کی صفت اول ہے اور حقاً صفت ثانیہ یا جملہ سابقہ کے مضمون کے لئے مصدر مؤکد یعنی مفعول مطلق ہے اور اس کا عامل وجوباً محذوف ہے۔ ای حق ذلك حقا (ترویح ملخصاً)

قوله: المطیعین: یہ المحسنین کی تفسیر ہے جس سے ایک اعتراض کا جواب دینا مقصود ہے اعتراض یہ پیدا ہوا کہ آیت میں متعوھن امر کا صیغہ ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ متعہ دینا واجب ہے مگر حقا علی المحسنین سے ثابت ہوتا ہے کہ متعہ دینا مستحب ہے کیونکہ اسے ایک قسم کا احسان قرار دیا اور محسن پر وجوب نہیں ہوتا بلکہ وہ احسان کرتا ہے لہٰذا متعوھن اور حقا علی المحسنین کے مفہوم میں تضاد ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں محسنین کا لفظ اپنے حقیقی معنی میں نہیں بلکہ مطیعین یعنی فرمانبردار کے معنی میں ہے اور فرمانبردار وہ ہوتا ہے جو اللہ کی اطاعت اپنی خوشی سے کرتا ہے، اور متعہ واجب ہے جس کی ادائے گی وہی لوگ کریں گے جو فرمانبردار ہیں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نافرمان مسلمانوں کے لئے متعہ دینے کا حکم وجوبی نہیں جس طرح ھدیً للمتقین سے یہ لازم نہیں آتا کہ غیر متقی کے لئے قرآن کتاب ہدایت نہیں۔ لہٰذا آیت میں کسی قسم کا تضاد نہیں۔

قوله: و یرجع لکم النصف۔ چونکہ آیت میں لفظ الا برائے استدراک ہے جیسا کہ اس کی تفسیر لکن سے واضح ہے مگر الا کا ماقبل مستدرک منہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا کہ مابعد الا اس کے ماقبل کے جنس سے نہیں اس لئے مفسر علام نے و یرجع لکم النصف کو محذوف مانا تاکہ استدراک صحیح ہو جائے۔

وھو الزوج الخ یہ قول اصح کا بیان ہے چونکہ بیدہ عقدة النکاح کے معنی مراد میں اختلاف ہے امام اعظم، امام احمد، اور امام شافعی علیہم الرحمہ کا جدید قول اور بعض صحابہ و تابعین کا مسلک یہ ہے کہ اس سے مراد شوہر ہے، اور حضرت ابن عباس کا ایک قول نیز امام شافعی کا قول قدیم اور بعض دیگر ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ اس سے مراد ولی ہے، مگر پہلا قول زیادہ صحیح ہے جس پر قرینہ اقرب للتقویٰ ہے کہ اگر عورت باکرہ ہو یا کسی معذوری کے سبب خود فیصلہ نہ کر سکے تو اس کا حق معاف کرنا تقوی کے خلاف ہے۔ (ترویح مع حذف واضافہ)

قولہ: ھی العصر الخ یہ ترجیح بین الاقوال کی طرف اشارہ ہے چونکہ صلوٰۃ وسطیٰ کے تعلق سے روایتیں مختلف ہیں۔ بعضوں نے کہا کہ اس سے نماز فجر مراد ہے، بعض کے نزدیک صلوٰۃ وسطیٰ نماز ظہر ہے، بعض کے نزدیک مغرب اور بعض کے خیال میں نماز عشاء صلوٰۃ وسطیٰ ہے، بعض نے کہا کہ پانچوں نمازیں وسطیٰ ہیں اور بعضوں کے نزدیک نماز جمعہ صلوٰۃ وسطیٰ ہے مگر جس قول پر زیادہ اعتماد کیا گیا ہے اور جو امام اعظم و جمہور کا مسلک ہے وہ یہ کہ صلوٰۃ وسطیٰ عصر کی نماز ہے۔ اور احادیث بھی اسی کی موید ہیں جیسا کہ مفسر علام نے آگے اشارہ فرمایا ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں شغلونا عن الصلوٰۃ الوسطیٰ صلوٰۃ العصر ملأ اللہ بیوتھم ناراً انھوں نے (کافروں نے) ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ صلوٰۃ عصر سے مشغول رکھا (نہیں پڑھنے دیا) اللہ تعالیٰ ان کے گھروں کو آگ سے بھردے (یہ غزوہ خندق کے موقع پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا) رواہ البخاری و مسلم۔

قولہ: الخمس الخ اس اضافہ سے اشارہ فرمایا کہ آیت میں الصلوٰۃ سے مراد پانچوں نمازیں ہیں، چار نمازیں مراد نہیں جیسا کہ ظاہر سے متبادر ہوتا ہے ورنہ آگے و الصلوٰۃ الوسطیٰ میں تخصیص بعد التعمیم کا فائدہ ظاہر نہ ہوگا۔

قولہ: ای صلوا اس اضافہ سے بعض ان مفسرین کا رد مقصود ہے جنھوں نے یہاں ذکر کی تفسیر شکر سے کی ہے یعنی حصول امن پر اللہ کا شکر ادا کرو، چونکہ سیاق وسباق اس مفہوم کی تائید نہیں کرتا اس لئے مفسر علام نے ذکر کی تفسیر صلوٰۃ سے کی ہے اور سیاق وسباق سے اسی کی تائید بھی ہوتی ہے۔

مطلقہ کی چار قسمیں اور ان کے احکام:

مطلقہ عورتوں کی چار قسمیں ہیں (۱) مہر مقرر ہو اور جماع بھی ہو چکا ہو، اس صورت میں مقررہ مہر پورا دینا لازم ہے۔ (۲) نکاح کے وقت مہر مقرر نہ کیا ہو مگر جماع یا خلوت صحیحہ کے بعد طلاق دی ہو، اس صورت میں مہر مثل دینا لازم ہوگا۔ (۳) مہر مقرر ہو مگر صحبت یا خلوت صحیحہ نہ ہوئی ہو، اس کا حکم یہ ہے کہ مقررہ مہر کا نصف دینا واجب ہے۔ (۴) نکاح کے وقت نہ مہر مقرر کیا اور نہ ہی صحبت یا خلوت صحیحہ ہوئی اس صورت میں عورت کو متاع دینا واجب ہے اور متاع احناف کے نزدیک تین کپڑوں کا ایک جوڑا ہے جس میں قمیص، دوپٹہ اور ایک ملحفہ یعنی سر سے پیر تک اوڑھی جانے والی چادر شامل ہے۔ (حقانی ملخصاً)

مطلقہ کی متاع کے شرعی حکم کے متعلق مذاہب:

مطلقہ کی متاع کے تعلق سے امام شافعی نے وجوب کا قول کیا ہے جیسا کہ علامہ ماوردی شافعی النکت و العیون میں تحریر فرماتے ہیں کہ "امام شافعی کے نزدیک جس عورت کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو اور اس کو دخول سے پہلے طلاق دے دی گئی ہو اس کو متاع دینا واجب ہے" امام مالک کے نزدیک مطلقہ کی متاع واجب نہیں ہے جیسا کہ قاضی ابوبکر ابن عربی مالکی لکھتے ہیں: "ہمارے علما کے نزدیک مطلقہ کو متاع دینا واجب نہیں ہے اولاً اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے متاع کی مقدار بیان نہیں فرمائی اور اس

کو دینے والے کے اجتہاد پر معلق فرمایا، ثانیاً اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا حقا علی المحسنین یہ محسنین پر واجب ہے اگر مطلقہ کی متاع واجب ہوتی تو مطلقاً مسلمان پر واجب ہوتی۔

امام اعظم اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک مطلقہ غیر مدخولہ جس کا مہر مقرر نہ ہوا سے متاع دینا واجب ہے باقی دوسری مطلقہ عورتوں کو متاع دینا مستحب ہے، جیسا کہ علامہ ابوبکر رازی جصاص حنفی لکھتے ہیں: ''امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر کے نزدیک جس عورت کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو اور اس کو دخول سے پہلے طلاق دے دی گئی ہو اس کو متاع دینا واجب ہے وجوب کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فمتعوھن ''ان کو متاع دو'' یہ امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کا تقاضا کرتا ہے الّا یہ کہ اس کے خلاف استحباب پر کوئی دلیل قائم ہو اور وہ یہاں نہیں ہے، نیز فرمایا و للمطلقات متاع بالمعروف ''دستور کے مطابق متاع مطلقات کی ملکیت ہے کیونکہ لام تملیک کے لئے ہے اور جو چیز کسی کی ملکیت اور اس کا حق ہو اس کو ادا کرنا واجب ہوتا ہے۔ (بحوالہ تبیان القرآن)

﴿وَ الَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ یَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا﴾ فَلْیُوْصُوْا ﴿وَصِیَّةً﴾ وَ فِیْ قِرَاْۃٍ بِالرَّفْعِ اَیْ عَلَیْهِمْ ﴿لِّاَزْوَاجِهِمْ﴾ وَ یُعْطُوْهُنَّ ﴿مَّتَاعًا﴾ مَا یَتَمَتَّعْنَ بِهٖ مِنَ النَّفَقَةِ وَ الْكِسْوَةِ ﴿اِلَى﴾ تَمَامِ ﴿الْحَوْلِ﴾ مِنْ مَّوْتِهِمُ الْوَاجِبُ عَلَیْهِنَّ تَرَبُّصُهٗ ﴿غَیْرَ اِخْرَاجٍ﴾ حَالٌ اَیْ غَیْرَ مُخْرَجَاتٍ مِنْ مَسْكَنِهِنَّ ﴿فَاِنْ خَرَجْنَ﴾ بِاَنْفُسِهِنَّ ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ﴾ یَا اَوْلِیَاءَ الْمَیِّتِ ﴿فِیْمَا فَعَلْنَ فِیْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ﴾ شَرْعًا كَالتَّزَیُّنِ وَ تَرْكِ الْاِحْدَادِ وَ قَطْعِ النَّفَقَةِ عَنْهَا ﴿وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ﴾ فِیْ مُلْكِهٖ ﴿حَكِیْمٌ ٥﴾ فِیْ صُنْعِهٖ وَ الْوَصِیَّةُ الْمَذْكُوْرَةُ مَنْسُوْخَةٌ بِاٰیَةِ الْمِیْرَاثِ وَ تَرَبُّصُ الْحَوْلِ بِاٰیَةِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا السَّابِقَةِ الْمُتَاَخِّرَةِ فِی النُّزُوْلِ وَ السُّكْنٰى ثَابِتَةٌ لَّهَا عِنْدَ الشَّافِعِیِّ ﴿وَ لِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ﴾ یُعْطِیْنَهٗ ﴿بِالْمَعْرُوْفِ﴾ بِقَدْرِ الْاِمْكَانِ ﴿حَقًّا﴾ نُصِبَ بِفِعْلِهِ الْمُقَدَّرِ ﴿عَلَى الْمُتَّقِیْنَ ٥﴾ اللّٰهَ كَرَّرَهٗ لِیَعُمَّ الْمَمْسُوْسَةَ اَیْضًا اِذِ الْاٰیَةُ السَّابِقَةُ فِیْ غَیْرِهَا ﴿كَذٰلِكَ كَمَا بَیَّنَ لَكُمْ مَا ذُكِرَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ٥﴾ تَتَدَبَّرُوْنَ.

ترجمہ: ﴿اور جو تم میں مریں اور بیبیاں چھوڑ جائیں﴾ انھیں چاہئے کہ ﴿وصیت کر جائیں﴾ اور ایک قرأۃ میں وصیةٌ رفع کے ساتھ ہے ای علیھم وصیة ﴿اپنی بیویوں کے لئے﴾ کہ انہیں دیا جائے ﴿کچھ خرچہ﴾ جس سے وہ فائدہ اٹھائیں مثلاً نفقہ اور لباس ﴿کامل ایک سال تک﴾ ان کی موت کے وقت سے جس میں ان پر انتظار واجب ہے ﴿بے نکالے﴾ یہ حال ہے یعنی وہ اپنے گھروں سے نہ نکالی جائیں ﴿پھر اگر وہ نکل جائیں﴾ خود ہی ﴿تو تم پر اس کا مواخذہ نہیں﴾ اے میت کے اولیاء ﴿جو انھوں نے اپنے معاملہ میں مناسب طور پہ کیا﴾ شرعی طور پہ مثلاً سنگار کرنا، سوگ ترک کرنا اور نفقہ سے لاتعلق ہو جانا ﴿اور اللہ غالب ہے﴾ اپنی ملک میں ﴿حکمت والا ہے﴾ اپنی صنعت میں اور مذکورہ وصیت آیت میراث سے منسوخ ہے اور سال بھر کی عدت ماقبل کی آیت یعنی اربعة اشھر و عشر سے منسوخ ہے جو نزول میں مؤخر ہے اور اس کے لئے رہنے کا مکان امام شافعی کے نزدیک واجب ہے ﴿اور طلاق والیوں کے لئے بھی نان نفقہ ہے﴾ جو انہیں دیا جائے

﴿مناسب طور پر﴾ جیسی گنجائش ہو ﴿یہ واجب ہے﴾ حقا فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے ﴿پرہیزگاروں پر﴾ اللہ سے ڈرنے والوں پر، اسے مکرر بیان فرمایا تاکہ مدخولہ بھی اس حکم میں داخل ہو جائے کہ سابقہ آیت غیر مدخولہ سے متعلق تھی ﴿اسی طرح﴾ جیسا کہ تمہارے لئے بیان فرمایا ﴿کھول کر بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی آیتیں تاکہ تم سمجھ جاؤ﴾ تم غور و فکر کرو۔

توضیح و تشریح: قوله: فليوصوا– اس اضافہ سے اشارہ فرمایا کہ لفظ وصية فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے، یعنی لفظ وصية فعل محذوف "فليوصوا" کا مفعول مطلق ہے تقدیری عبارت ہوگی فليوصوا وصية البتہ دوسری قرأۃ جس میں وصية رفع کے ساتھ ہے بتقدیر ظرف یعنی عليهم الوصية ہے۔

قوله: ما يتمتعن به– اس تفسیر سے اشارہ فرمایا کہ یہاں آیت میں لفظ متاع کا عرفی معنیٰ ''نان نفقہ'' مراد ہے مصدری معنیٰ ''مطلق سامان'' مراد نہیں اور معنیٰ عرفی مراد ہونے پر قرینہ اعطاء ہے جس کی طرف مفسر علام نے يعطوهن سے اشارہ کیا ہے۔

قوله: الى تمام الحول– لفظ حول سے قبل لفظ تمام ذکر کر کے مفسر علام نے اشارہ فرمایا ہے کہ یہاں آیت میں غایت مغیا میں داخل ہے اور اس پر قرینہ کامل ایک سال تک کا وجوب ہے۔

قوله: حال۔ یہ ان بعض مفسرین کا رد ہے جنھوں نے غير اخراج کو متاعاً سے بدل قرار دیا ہے، وجہ رد یہ ہے کہ متاع کھانا اور لباس کو شامل ہے اور مکان نہ متاع کے متعلقات سے ہے اور نہ ہی اس کا جز ہے لہٰذا غیر اخرج کو متاع سے بدل قرار دینا درست نہیں بلکہ وہ ازواج سے حال واقع ہے، آگے غير مخرجات مقدر اس لئے مانا کہ اس کا حمل ذوالحال یعنی ازواج پر درست ہو جائے۔

قوله: بانفسهن– یہ مذکورہ مسئلہ میں مسلک شافعی کی طرف اشارہ ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ متوفی عنها زوجها کے لئے اس آیت سے دوران عدت شوہر کے مکان میں رہنے اور نہ رہنے اس کے لئے سوگ کرنے اور نہ کرنے کا اختیار ثابت ہوتا ہے کیونکہ فرمایا فان خرجن کہ اگر وہ خود سے نکل جائیں، اس سے معلوم ہوا کہ ان کا شوہر کے مکان میں دوران عدت رہنا واجب نہیں ورنہ نکلنے پر وہ گنہگار ہوتیں۔ (بیضاوی ملخصاً)

مگر احناف کے نزدیک آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر عورتیں ایک سال کے بعد خود سے شوہر کے گھر سے نکل جائیں تو کوئی حرج نہیں، لہٰذا مذکورہ آیت سے عدت کے اندر شوہر کے گھر میں رہنے اور نہ رہنے کا اختیار ثابت نہیں ہوتا۔

قوله: المتأخرة فى النزول– یہ دفع دخل مقدر ہے، سوال یہ پیدا ہوا کہ مقدم آیت بعد میں آنے والی آیت کو منسوخ نہیں کرتی بلکہ ہمیشہ بعد میں نازل ہونے والی آیت پہلے نازل ہونے والی آیت کے لئے ناسخ ہوتی ہے اور یہاں ناسخ آیت "اربعة اشهر و عشر" مذکورہ منسوخ آیت پر مقدم ہے، حاصل دفع یہ ہے کہ یہاں ناسخ آیت اگرچہ تلاوۃً مقدم ہے مگر باعتبار نزول مؤخر ہے۔ فلا اعتراض عليه.

قولہ: کررہ لیعم الممسوسة الخ چونکہ آیت و للمطلقت متاع بالمعروف، انہیں الفاظ کے ساتھ سابق میں گزر چکی ہے اس لئے یہاں تکرار کا شبہ پیدا ہوا، اسی شبہ کا مفسر علام نے یہاں ازالہ فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ماقبل میں مطلقات سے وہ عورتیں مراد تھیں جن کو دخول سے قبل طلاق دی گئی ہو یعنی ماقبل میں مخصوص مطلقہ کا حکم تھا، اور یہاں حکم عام ہے مدخولہ اور غیر مدخولہ دونوں کو شامل ہے جب کہ متاع سے جوڑا مراد ہو اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے مگر علمائے احناف کے نزدیک یہاں متاع سے عدت کا نفقہ مراد ہے جیسا کہ صاحب مدارک نے اس کی تفسیر میں کہا "ای نفقة العدة" لہٰذا تکرار نہیں رہا۔

فوائد (۱) ابتدائے اسلام میں بیوہ کی عدت ایک سال تھی اس مدت میں وہ شوہر کے یہاں رہ کر نان نفقہ پانے کی مستحق ہوتی تھی پھر ایک سال کی عدت آیت کریمہ "یتبرصن بانفسھن اربعة اشھر و عشر" سے منسوخ ہوگئی جس میں بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن مقرر ہوئی، اور سال بھر کا نفقہ آیت میراث سے منسوخ ہوا جس میں عورت کا حصہ شوہر کے ترکہ سے مقرر ہوا لہٰذا اب وصیت کا حکم باقی نہ رہا، حکمت اس کی یہ ہے کہ عرب کے لوگ اپنے مورث کی بیوہ کا نکلنا یا غیر سے نکاح کرنا بالکل گوارا ہی نہیں کرتے تھے اور اسے عار محسوس کرتے تھے اس لئے اگر ایک دم چار ماہ دس روز کی عدت مقرر ہوتی تو ان پر بہت شاق گزرتا اس لئے انھیں بتدریج راہ پر لایا گیا۔ (خزائن العرفان)

(۲) امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک بیوہ کے لئے شوہر کی وصیت نافذ نہ ہوگی اور نہ ہی شوہر کی طرف سے اسے مکان ملے گا مگر امام شافعی کے نزدیک وصیت تو نافذ نہ ہوگی البتہ رہنے کو مکان دینا واجب ہے۔

(۳) امام اعظم کے نزدیک مطلقہ بیوی خواہ وہ بائنہ ہو یا رجعیہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ اسے نفقہ اور مکان ملے گا، مگر امام شافعی کے نزدیک بائنہ کے لئے نفقہ نہیں۔ (حقانی)

﴿اَلَمْ تَرَ﴾ اِسْتِفْهَامُ تَعْجِيْبٍ وَ تَشْوِيْقٍ اِلَى اِسْتِمَاعِ مَا بَعْدَهٗ اَیْ لَمْ يَنْتَهِ عِلْمُكَ ﴿اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ هُمْ اُلُوْفٌ﴾ اَرْبَعَةٌ اَوْ ثَمَانِيَةٌ اَوْ عَشَرَةٌ اَوْ ثَلٰثُوْنَ اَوْ اَرْبَعُوْنَ اَوْ سَبْعُوْنَ اَلْفًا ﴿حَذَرَ الْمَوْتِ﴾ مَفْعُوْلٌ لَهٗ وَ هُمْ قَوْمٌ مِنْ بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ وَقَعَ الطَّاعُوْنُ بِبِلَادِهِمْ فَفَرُّوْا ﴿فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا﴾ فَمَاتُوْا ﴿ثُمَّ اَحْيَاهُمْ﴾ بَعْدَ ثَمَانِيَةِ اَيَّامٍ اَوْ اَكْثَرَ بِدُعَاءِ نَبِيِّهِمْ حِزْقِيْلَ بِكَسْرِ الْمُهْمَلَةِ وَ الْقَافِ وَ سُكُوْنِ الزَّاىِ فَعَاشُوْا دَهْرًا عَلَيْهِمْ اَثَرُ الْمَوْتِ لَايَلْبَسُوْنَ ثَوْبًا اِلَّا عَادَ كَالْكَفَنِ وَ اسْتَمَرَّتْ فِىْ اَسْبَاطِهِمْ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ﴾ وَ مِنْهُ اِحْيَاءُ هٰؤُلَاءِ ﴿وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ﴾ وَ هُمُ الْكُفَّارُ ﴿لَايَشْكُرُوْنَ ٥﴾ وَ الْقَصْدُ مِنْ ذِكْرِ خَبَرِ هٰؤُلَاءِ تَشْجِيْعُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ وَ لِذَا عُطِفَ عَلَيْهِ ﴿وَ قَاتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اَیْ لِاِعْلَاءِ دِيْنِهٖ ﴿وَ اعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ﴾ لِاَقْوَالِكُمْ ﴿عَلِيْمٌ ٥﴾ بِاَحْوَالِكُمْ فَيُجَازِيْكُمْ ﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ يُقْرِضُ اللّٰهَ﴾ بِاِنْفَاقِ مَالِهٖ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴿قَرْضًا حَسَنًا﴾ بِاَنْ يُّنْفِقَهٗ لِلّٰهِ تَعَالٰى عَنْ طِيْبِ قَلْبٍ ﴿فَيُضٰعِفَهٗ﴾ وَ فِىْ قِرَاءَةٍ فَيُضَعِّفَهٗ بِالتَّشْدِيْدِ ﴿لَهٗ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً﴾ مِنْ عَشْرٍ اِلٰى اَكْثَرَ مِنْ سَبْعِمِائَةٍ كَمَا سَيَاْتِىْ ﴿وَاللّٰهُ يَقْبِضُ﴾ يُمْسِكُ الرِّزْقَ عَمَّنْ يَّشَاءُ اِبْتِلَاءً ﴿وَ يَبْسُطُ﴾ يُوَسِّعُهٗ

لِمَنْ يَّشَاءُ اِمْتِحَانًا ﴿وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ o﴾ فِى الْاٰخِرَةِ بِالْبَعْثِ فَيُجَازِيْكُمْ بِاَعْمَالِكُمْ ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ﴾ اَلْجَمَاعَةِ ﴿مِنْ بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ مِنْ بَعْدِ﴾ مَوْتِ ﴿مُوْسٰى﴾ اَىْ اِلٰى قِصَّتِهِمْ وَ خَبَرِهِمْ ﴿اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمْ﴾ هُوَ شَمْوِيْلُ ﴿ابْعَثْ﴾ اَقِمْ ﴿لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلْ﴾ مَعَهٗ ﴿فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ تَنْتَظِمُ بِهٖ كَلِمَتُنَا وَ نَرْجِعُ اِلَيْهِ ﴿قَالَ﴾ النَّبِىُّ لَهُمْ ﴿هَلْ عَسَيْتُمْ﴾ بِالْفَتْحِ وَالْكَسْرِ ﴿اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا﴾ خَبَرُ عَسٰى وَ الْاِسْتِفْهَامُ لِتَقْرِيْرِ التَّوَقُّعِ بِهَا ﴿قَالُوْا وَ مَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ قَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا﴾ بِسَبْيِهِمْ وَ قَتْلِهِمْ وَ قَدْ فَعَلَ بِهِمْ ذٰلِكَ قَوْمُ جَالُوْتَ اَىْ لَا مَانِعَ لَنَا مِنْهُ مَعَ وُجُوْدِ مُقْتَضِيْهِ قَالَ تَعَالٰى ﴿فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا﴾ عَنْهُ وَ جَبُنُوْا ﴿اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ﴾ وَ هُمُ الَّذِيْنَ عَبَرُوا النَّهَرَ مَعَ طَالُوْتَ كَمَا سَيَاْتِىْ ﴿وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ o﴾ فَيُجَازِيْهِمْ وَ سَاَلَ النَّبِىُّ رَبَّهٗ اِرْسَالَ مَلِكٍ فَاَجَابَهٗ اِلٰى اِرْسَالِ طَالُوْتَ ﴿وَ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا قَالُوْآ اَنّٰى﴾ كَيْفَ ﴿يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَ نَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ﴾ لِاَنَّهٗ لَيْسَ مِنْ سِبْطِ الْمَمْلَكَةِ وَ النُّبُوَّةِ وَ كَانَ دَبَّاغًا اَوْ رَاعِيًا ﴿وَ لَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ﴾ يَسْتَعِيْنُ بِهَا عَلٰى اِقَامَةِ الْمُلْكِ ﴿قَالَ﴾ النَّبِىُّ لَهُمْ ﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ﴾ اِخْتَارَهٗ لِلْمُلْكِ ﴿عَلَيْكُمْ وَ زَادَهٗ بَسْطَةً﴾ سَعَةً ﴿فِى الْعِلْمِ وَ الْجِسْمِ﴾ وَ كَانَ اَعْلَمَ بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ يَوْمَئِذٍ وَ اَجْمَلَهُمْ وَ اَتَمَّهُمْ خَلْقًا ﴿وَ اللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ﴾ اِيْتَائَهٗ لَا اِعْتِرَاضَ عَلَيْهِ ﴿وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ﴾ فَضْلُهٗ ﴿عَلِيْمٌ o﴾ بِمَنْ هُوَ اَهْلٌ لَّهٗ.

ترجمہ: ﴿اے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا تھا﴾ استفہام برائے تعجب اور مابعد کو سننے کا شوق دلانے کے لئے ہے۔ یعنی آپ کا علم وہاں تک نہیں پہنچا ﴿انھیں جو اپنے گھروں سے نکلے اور وہ ہزاروں تھے﴾ چار یا آٹھ یا دس یا تیس یا چالیس یا ستر ہزار تھے ﴿موت کے ڈر سے﴾ یہ (حذر الموت) مفعول لہ ہے (خرجوا کا) اور وہ بنی اسرائیل کی ایک قوم تھی جن کے شہروں میں طاعون پھیل گیا تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے ﴿تو اللہ نے ان سے فرمایا مر جاؤ﴾ تو سبھی مر گئے ﴿پھر انہیں زندہ فرمادیا﴾ آٹھ دن یا اس سے زیادہ کے بعد ان کے نبی حزقیل علیہ السلام کی دعا کے سبب (حزقیل) حاء مہملہ اور قاف کے کسرہ کے ساتھ اور زاء کے سکون کے ساتھ ہے تو وہ لوگ ایک زمانہ تک زندہ رہے مگر ان پر موت کا اثر تھا وہ جو بھی کپڑا پہنتے وہ کفن کی طرح ہو جاتا اور یہی حالت مدتوں ان کی نسل میں باقی رہی ﴿بے شک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے﴾ اور اسی میں سے ان کو زندہ کرنا ہے ﴿مگر اکثر لوگ﴾ یعنی کفار ﴿ناشکرے ہیں﴾ اور ان لوگوں کے تذکرہ کا مقصد جہاد پر مؤمنین کی ہمت بڑھانا ہے اسی لئے اس پر اگلے جملے کا عطف ہے۔ ﴿اور لڑو اللہ کی راہ میں﴾ یعنی اس کے دین کو سربلند کرنے کی خاطر ﴿اور جان لو کہ بے شک اللہ سنتا ہے﴾ تمہاری باتوں کو ﴿جانتا ہے﴾ تمہارے احوال کو تو تمہیں اس کا بدلہ دے گا ﴿ہے کوئی جو اللہ کو دے﴾ اللہ کی راہ میں اپنے مال کو خرچ کر کے ﴿قرض حسن﴾ بایں طور کہ اللہ کی راہ میں خوش دلی سے خرچ کرے ﴿تو بڑھا دے اللہ اس قرض کو﴾ اور ایک قرأۃ میں فَيُضَعِّفَهٗ تشدید کے ساتھ ہے ﴿اس کے لئے کئی گنا﴾ دس گنا سے سات سو گنا تک

بلکہ اس سے بھی زیادہ تک جیسا کہ عنقریب آئے گا ﴿اور اللہ تعالیٰ تنگ کرتا ہے﴾ جس کو چاہتا ہے بطور آزمائش رزق روک دیتا ہے ﴿اور فراخ کرتا ہے﴾ جس کو چاہتا ہے بطور امتحان روزی میں وسعت دیتا ہے ﴿اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے﴾ آخرت میں بعث بعد الموت کے ذریعہ تو تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ دے گا ﴿اے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا اس گروہ کو﴾ جماعت کو ﴿بنی اسرائیل سے جو موسیٰ کے بعد ہوا﴾ موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد یعنی ان کا قصہ اور ان کی خبر آپ نے نہ جانا ﴿جب اپنے ایک پیغمبر سے بولے﴾ اور وہ شمویل علیہ السلام تھے ﴿کہ مقرر کردو﴾ کھڑا کردو ﴿ہمارے لئے ایک بادشاہ کہ ہم لڑیں﴾ اس کے ساتھ مل کر ﴿اللہ کی راہ میں﴾ جو ہماری شیرازہ بندی کرے اور ہم اس کی طرف رجوع کریں ﴿فرمایا﴾ ان کے نبی نے ﴿کیا تمہارے انداز ایسے ہیں﴾ عسیتم سین کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ ہے ﴿کہ تم پر جہاد فرض کیا جائے تو پھر نہ کرو﴾ الا تقاتلوا، عسی کی خبر ہے اور استفہام تقریر توقع کے لئے ہے۔ ﴿بولے ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ کی راہ میں نہ لڑیں حالانکہ ہم نکالے گئے ہیں اپنے وطن اور اپنی اولاد سے﴾ ان کی قید یا ان کے قتل کے سبب اور یہ ان کے ساتھ قوم جالوت نے کیا تھا، یعنی ان کے ساتھ جہاد سے کوئی رکاوٹ نہیں بلکہ اس کا مقتضی موجود ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿تو پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا منہ پھیر گئے﴾ جہاد سے اور بزدلی اختیار کرلی ﴿مگر ان میں کے تھوڑے﴾ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے طالوت کے ساتھ نہر عبور کی تھی جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ ﴿اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو﴾ تو انھیں بدلہ دے گا، چنانچہ نبی نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بادشاہ مقرر کرنے کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے طالوت کو مقرر فرما کر یہ درخواست قبول فرمائی۔

﴿اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا بے شک اللہ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا کر بھیجا ہے وہ بولے کیونکر﴾ انی بمعنی کیف ہے ﴿ہوسکتا ہے اسے ہم پر حکومت کا حق اور ہم اس سے زیادہ سلطنت کے مستحق ہیں﴾ کہ وہ شاہی خاندان یا خاندان نبوت سے نہیں، اور وہ دباغ (چرم ساز) یا چرواہے تھے ﴿اور اسے مال میں بھی وسعت نہیں دی گئی﴾ جس کی اعانت سے وہ نظام مملکت قائم کرسکیں ﴿فرمایا﴾ ان کے نبی نے ﴿اسے اللہ نے چن لیا ہے﴾ اسے بادشاہت کے لئے منتخب فرمالیا ہے ﴿تم پر اور اسے علم اور جسم میں کشادگی زیادہ دی﴾ اور وہ اس زمانہ میں بنی اسرائیل میں سب سے زیادہ علم والے سب سے زیادہ خوبصورت اور خلقۃً سب سے زیادہ تندرست تھے ﴿اور اللہ اپنا ملک جسے چاہے دے﴾ اس کی عطا پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں ﴿اور اللہ وسعت والا ہے﴾ اس کا فضل (وسیع ہے) ﴿خوب جانتا ہے﴾ کہ کون اس (سلطنت) کا اہل ہے۔

توضیح وتشریح: قولہ ای لم ینتہ علمک ۔ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ پیدا ہوا کہ آیت میں لفظ تر بنا ہے رویت سے جس کا معنی ہے آنکھ سے دیکھنا یا قلب سے جاننا مگر جب رویت معنی ثانی میں ہوتا ہے تو اس کا صلہ الی نہیں آتا اور یہاں رویت سے رویت قلبی مراد ہے اور صلہ الی آگیا ہے جو عربی قاعدہ کے خلاف ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں رویت متضمن ہے وصول اور انتہا کے معنی کو اور اس صورت میں رویت کا صلہ الیٰ لانا درست ہے۔ اسی جواب کی طرف مفسر علام نے لم تر کی تفسیر لم ینتہ سے کرکے اشارہ فرمایا ہے۔

خیال رہے کہ الم تر سے خطاب اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہے تو یہاں استفہام تقریری ہے یعنی حضور اقدس

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس واقعہ کا علم تھا محض توجہ مبذول کرانے کے لئے خطاب ہوا، اور اگر خطاب اہل کتاب کو ہے یا ہر تاریخ داں کو ہے تو استفہام برائے تعجب ہے یعنی مخاطب کو خبر دینے اور اس خبر پر تعجب میں ڈالنے کے لئے ہے، مگر استفہام تقریری ہونا اور خطاب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ہونا ظاہر ہے۔

قولہ: ببلادھم ففروا۔ یہاں بلاد سے مراد داوردان نام کی بستی ہے جو واسط کے قریب تھی سدی سے منقول ہے کہ اس بستی میں طاعون پھیل گیا، لوگوں کی ایک جماعت بستی میں ٹھہری رہی اور دوسری بھاگ نکلی، ٹھہرنے والوں میں سے کچھ لوگ مر گئے اور بھاگنے والے بچ گئے، جب طاعون ختم ہو گیا تو بھاگنے والے واپس آ گئے، دوسرے سال پھر طاعون پھیل گیا تو اس بار سب نکل بھاگے جو پہلے ٹھہرنے والے تھے وہ بھی اور جو نکل گئے تھے وہ بھی، ان لوگوں کی تعداد چالیس یا ستر ہزار تھی یہ لوگ دو پہاڑوں کے درمیان ایک وادی میں مقیم ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس دو فرشتے بھیجے ایک فرشتہ وادی کے اوپر تھا اور ایک نیچے ان دونوں فرشتوں نے ان کو ندا کر کے کہا کہ مر جاؤ تو وہ سب مر گئے پھر جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ مردہ پڑے رہے، اطراف و جوانب کے لوگ انھیں دفن کرنے کے لئے آئے مگر مردوں کی کثرت کی وجہ سے دفن کرنے سے عاجز رہے اور لاشوں کے ارد گرد ایک دیوار کھینچ دی ایک مدت کے بعد ادھر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تیسرے خلیفہ حضرت حزقیل بن یوزی کا گزر ہوا، انھوں نے اس قدر ہڈیوں کو دیکھا تو حیران ہوئے اور حق تعالیٰ کی بارگاہ میں انھیں زندہ کرنے کی دعا کی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فلاں کلمہ کے ذریعہ دعا کرو میں انھیں زندہ کر دونگا، حضرت حزقیل علیہ السلام نے اسی خاص کلمہ کے ساتھ دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں زندہ فرما دیا۔ (تفسیر حسینی)

قولہ: فماتوا۔ اس اضافہ سے اشارہ فرمایا کہ ثم احیاھم کا عطف فماتوا مقدر پر ہے تاکہ عطف الاخبار علی الانشاء کا اعتراض نہ وارد ہو۔

قولہ: و القصد من ذکر خبر الخ یہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان وجہ مناسبت کا بیان ہے جس سے اس اعتراض کا جواب دینا مقصود ہے کہ آگے آنے والی آیت "و قاتلوا فی سبیل اللّٰہ" کا عطف بنی اسرائیل کے مذکور قصے پر ہے حالانکہ دونوں میں کوئی مناسبت نہیں، جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان مناسبت ہے اس طرح کہ مذکور قصے میں وبائی امراض سے نہ بھاگنے کی ترغیب دی گئی اور بھاگنے کو بزدلی قرار دے کر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ٹھہرایا گیا، آگے کی آیت میں جہاد سے بھاگنے کی رغبت دلانا اور بھاگنے کو اللہ کی ناراضگی کا سبب باور کرانا مقصود ہے نیز معطوف اور معطوف علیہ میں موت سے نہ ڈرنے کی ترغیب ہے، لہٰذا مناسبت ظاہر ہے۔

قولہ: بانفاق ماله فی سبیل اللّٰہ۔ یہ قرض کا معنی مراد ہے یعنی یہاں قرض کا معروف معنی مراد نہیں بلکہ انفاق فی سبیل اللّٰہ مراد ہے جسے بطور استعارہ قرض سے تعبیر فرمایا اور چونکہ قرض کا معنی ہے۔ "اسم لکل ما یلتمس علیه الجزاء" یعنی قرض ہر وہ چیز یا عمل ہے جس پر جزا اور بدلہ طلب کیا جائے۔ اس لئے یہاں قرض سے انفاق فی سبیل اللّٰہ مراد لینے میں کوئی حرج بھی نہیں بلکہ یہاں یہی معنی مقتضائے حال کے مطابق ہے کیونکہ جہاد کے لئے مال کی

ضرورت ہوتی ہے اس لئے حسن بیان سے اہل اسلام کو اس کی ترغیب دی گئی۔

قولہ: عمن یشاء الخ یہ دفع دخل مقدر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آیت میں بظاہر یقبض اور یبسط کے مفہوم میں تنافی ہے کیونکہ دونوں مطلق ہیں اور مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے لہٰذا یقبض کا معنی ہوا ''سب کی روزی روکتا ہے'' اور یبسط کا معنی ہوا سب کو وسعت دیتا ہے۔ دونوں میں تنافی ظاہر ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ قبض وبسط کا مدار اللہ عزوجل کی مشیت اور اس کے ارادے پر ہے جسے چاہتا ہے تنگی دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے وسعت دیتا ہے لہٰذا تنافی نہیں، اسی جواب کی طرف مفسر علام نے عمن یشاء سے اشارہ کیا ہے۔

قولہ: الجماعۃ۔ یہ الملأ کا اصطلاحی معنی ہے لغت میں ملاء کا معنی ہے ''بھرنا'' مگر اصطلاح میں اشراف کی متفق جماعت کو ملاء کہتے ہیں جن کی ہیبت سے آنکھیں بھر جائیں، یہ بھی قوم کی طرح جمع ہے اور اس کا واحد نہیں البتہ جمع املاء بھی آتی ہے فرق یہ ہے کہ قوم ہر جماعت کو کہہ دیتے ہیں اور ملاء صرف اشراف کی جماعت کو کہتے ہیں۔

قولہ: ای الیٰ قصتھم - یہ آیت کا معنی مراد ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آیت میں رویت بمعنی ابصار نہیں کہ مخاطب یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس جماعت کو ظاہری نظروں سے نہ دیکھا، لہٰذا یہاں رویت بمعنی علم ہے اور ظاہر ہے اس جماعت کے قصہ کا علم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو الہام سے حاصل تھا۔

قولہ: ھو شمویل – یہ ان مفسرین کا رد ہے جنھوں نے نبی سے حضرت یوشع بن نون یا حضرت شمعون علیہما السلام کو مراد لیا ہے، وجہ رد یہ ہے کہ بنی اسرائیل کا مذکورہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے تقریباً تین سو سال بعد کا ہے جب کہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اول خلیفہ تھے اور مذکورہ واقعہ سے بہت پہلے وفات پا چکے تھے البتہ حضرت شمعون علیہ السلام کا زمانہ کیا تھا؟ اس تعلق سے کسی مفسر کا قول میری نظر سے نہیں گزرا۔

واقعہ مذکورہ کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل راہ راست سے بھٹک گئے اور انھوں نے عہد الٰہی کو فراموش کیا بت پرستی میں مبتلاء ہوئے سرکشی اور بدافعالی انتہاء کو پہنچی تو عمالقہ فلسطین کے اکثر حصوں پر قابض ہو گئے اور بنی اسرائیل راملہ کے علاقہ میں محصور ہو گئے، عمالقہ نے بنی اسرائیل کے بہت سے لوگوں کو گرفتار کر لیا اور ان پر طرح طرح کی سختیاں کیں، اس زمانہ میں کوئی نبی قوم بنی اسرائیل میں موجود نہیں تھے خاندان نبوت سے صرف ایک بی بی باقی رہی تھیں جو حاملہ تھیں ان کے فرزند پیدا ہوئے تو ان کا نام شمویل رکھا۔ (شمویل عبرانی لفظ ہے جو مرکب ہے اشمو بمعنی سن لی اور ایل عبرانی زبان میں اللہ تعالیٰ کا نام ہے تو شمویل کا معنی ہوا رب نے میری سن لی چونکہ ان کی والدہ زیادہ دنوں سے فرزند کے لئے خدا کی بارگاہ میں دعا کرتی تھیں اس لئے فرزند کے تولد ہونے پر شمویل نام رکھا) جب وہ بڑے ہوئے تو انہیں علم توریت حاصل کرنے کے لئے بیت المقدس میں ایک کبیر السن عالم کے سپرد کیا وہ آپ کے ساتھ کمال شفقت کرتے اور آپ کو فرزند کہتے جب آپ سن بلوغ کو پہنچے تو ایک شب آپ اس عالم کے قریب آرام فرما رہے تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اسی عالم کی آواز میں یا شمویل کہہ کر پکارا آپ عالم کے پاس گئے اور فرمایا کہ آپ نے مجھے پکارا ہے؟ عالم نے بایں خیال کہ انکار

کرنے سے کہیں آپ ڈر نہ جائیں یہ کہدیا کہ فرزند تم سوجاؤ؟ پھر دوبارہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اسی طرح پکارا اور حضرت شمویل علیہ السلام عالم کے پاس گئے عالم نے کہا اے فرزند اب اگر میں تمہیں پھر پکاروں تو تم جواب نہ دینا، تیسری مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام ظاہر ہوئے اور بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت کا منصب عطا فرمایا آپ اپنی قوم کی طرف جایئے اور اپنے رب کے احکام پہنچایئے جب آپ قوم کی طرف تشریف لائے تو انھوں نے تکذیب کی اور کہا آپ اتنی جلدی نبی بن گئے اچھا اگر آپ نبی ہیں تو ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کیجئے۔ (خازن وخزائن)

قولہ: قوم جالوت – جالوت عملیق بن عاد کی اولاد سے تھا یہی عمالقہ کا بادشاہ تھا اس کی قوم مصر و فلسطین کے درمیان بحر روم کے ساحل پر آباد تھی انتہائی جابر بادشاہ تھا۔

قولہ: ارسال طالوت – طالوت کا نام سریانی زبان میں شاول بن قیس تھا یہ نبیامین بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے تھے معاشی اعتبار سے غریب تھے مگر قد و قامت کے لحاظ سے بنی اسرائیل میں سب سے بہتر اور سب سے زیادہ حسین تھے، اللہ تعالیٰ نے انھیں کو بنی اسرائیل کا بادشاہ مقرر فرمایا جس کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ حضرت شمویل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عصا ملا تھا اور بتایا گیا تھا جو شخص تمہاری قوم کا بادشاہ ہوگا اس کا قد اس عصا کے برابر ہوگا۔ (بعض روایات کے مطابق اس عصا کی لمبائی آٹھ ذراع یعنی بارہ فٹ تھی) حضرت شمویل نے اس عصا سے طالوت کا قد ناپ کر فرمایا کہ میں تم کو بحکم الٰہی بنی اسرائیل کا بادشاہ مقرر کرتا ہوں اور نبی اسرائیل سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا کر بھیجا ہے۔ (ایضاً)

قولہ: لانہ لیس الخ یہ وجہ اعتراض کی طرف اشارہ ہے چونکہ نبوت لاوی بن یعقوب کی اولاد میں نسلاً بعد نسل چلی آرہی تھی اور حکومت وسلطنت یہود ابن یعقوب کی اولاد میں پشت در پشت چلی آرہی تھی اور طالوت بن یامین بن یعقوب کی اولاد سے تھے اس لئے ان کے بادشاہ مقرر ہونے پر بنی اسرائیل معترض ہوئے کہ وہ نہ خاندان نبوت سے ہیں اور نہ ہی شاہی گھرانے کے پھر وہ ہمارے بادشاہ کیونکر ہوں گے۔

ایک اشکال کا جواب: آیت کریمہ الم ترا الی الذین خرجوا الخ کے مفہوم پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ طاعون سے بھاگنے والے اسرائیلیوں کو وقت سے پہلے موت آگئی کہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہوئے اور پھر اپنی طبعی حیات تک بقید حیات رہے، حالانکہ اللہ عز وجل کا ارشاد ہے۔

لکل امة اجل اذا جاء اجلهم فلا يستاخرون ساعة و لا يستقدمون. (یونس، آیت ۴۹)

ہر گروہ کے لئے ایک وقت مقرر ہے اور جب ان کا وقت آجائے گا تو وہ اس سے ایک ساعت پیچھے ہٹیں گے نہ آگے بڑھیں گے۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہ موت وہ نہیں تھی جو طبعی حیات مکمل ہونے کے بعد طاری ہوتی ہے وہ موت وقت پورا ہونے کے بعد ان پر طاری ہوئی، یہ موت طاعون سے بھاگنے کی سزا کے طور پہ تھی اور اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی وجاہت کو ظاہر فرمایا کہ پیغمبر خدا حضرت حزقیل علیہ السلام کی دعا سے مردے زندہ ہوگئے۔ (تبیان القرآن)

فوائد: جس علاقہ میں وبائی مرض پھیل جائے وہاں جانا اور اگر وہاں پہلے سے موجود ہو تو وہاں سے بچنے کے لئے

بھاگنا جائز نہیں، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔

اذا سمعتم به بارض فلا تقدموا علیه و اذا وقع بارض و انتم بها فلا تخرجوا فرارآ منه

جب تم کسی علاقہ میں طاعون کے متعلق سنو تو وہاں نہ جاؤ اور اگر تم کسی علاقہ میں ہو اور وہاں طاعون پھیل جائے تو وہاں سے نہ بھاگو۔ (بخاری جلد دوم، ص ۸۵۳ مکتبہ تھانوی دیوبند)

(۲) طاعون زدہ علاقہ سے بھاگنے کی ممانعت میں حکمت یہ ہے کہ اگر تندرست لوگ بھاگ جائیں گے تو بیماروں کی تیمارداری کرنے والا کوئی نہ ہوگا جس سے بیماروں کی مشکلات بڑھ جائیں گی۔

(۳) ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہے اور تقدیر سے بھاگنے کی کوشش نہ کرے اسی میں دنیا اور آخرت کی بھلائی کا راز پوشیدہ ہے۔

مودودی صاحب کی کوتاہ فہمی:

مودودی صاحب نے آیت کریمہ الم تر الی الذین خرجوا الخ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ''یہ اشارہ بنی اسرائیل کے واقعہ خروج کی طرف ہے۔ حضرت موسیٰ نے ان کو حکم دیا کہ ظالم کنعانیوں کو ارض فلسطین سے نکال دو تو انھوں نے بزدلی دکھائی آخر کار اللہ نے انھیں چالیس سال تک زمین میں سرگرداں پھرنے کے لئے چھوڑ دیا یہاں تک کہ ان کی ایک نسل ختم ہوگئی اور دوسری نسل صحراؤں کی گود میں پل کر اٹھی معلوم ہوتا ہے کہ اسی معاملے کو موت اور زندگی سے تعبیر فرمایا گیا۔ (تفہیم القرآن اول، ص ۱۸۴، مکتبہ اسلامی دہلی)

یہ تفسیر مودودی صاحب کی کوتاہ فہمی پر واضح دلیل ہے آں جہانی نے اس تفسیر میں دو باتیں ذکر کی ہیں اور عندالتحقیق دونوں ہی غلط ہیں پہلی بات یہ کہ بنی اسرائیل کے مذکورہ واقعہ کو واقعۂ خروج کہا جب کہ کسی مفسر نے یہ قول نہیں کیا بلکہ سبھوں نے اسے ایک مستقل علیحدہ واقعہ تسلیم کیا ہے، دوسری بات یہ کہ جناب نے بھاگنے والے اسرائیلیوں کی موت کو مجاز پر محمول کیا ہے جب کہ سارے مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ موت حقیقی تھی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مودودی صاحب کی نظر آیات اور تفاسیر پر گہری نہیں تھی اور اگر تھی تو موصوف قرآنی آیات اور تفاسیر کو سمجھنے سے قاصر تھے۔

﴿وَ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ﴾ لَمَّا طَلَبُوْا مِنْهُ اٰيَةً عَلٰى مُلْكِهٖ ﴿اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاتِيَكُمُ التَّابُوْتُ﴾ اَلصُّنْدُوْقُ كَانَ فِيْهِ صُوَرُ الْاَنْبِيَاءِ اَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى اٰدَمَ وَاسْتَمَرَّ اِلَيْهِمْ فَغَلَبَتْهُمُ الْعَمَالِقَةُ عَلَيْهِ وَ اَخَذُوْهُ وَ كَانُوْا يَسْتَفْتِحُوْنَ بِهٖ عَلٰى عَدُوِّهِمْ وَ يُقَدِّمُوْنَهٗ فِى الْقِتَالِ وَ يَسْكُنُوْنَ اِلَيْهِ كَمَا قَالَ تَعَالٰى ﴿فِيْهِ سَكِيْنَةٌ﴾ طَمَانِيَّةٌ لِقُلُوْبِكُمْ ﴿مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَ اٰلُ هٰرُوْنَ﴾ اَىْ تَرَكَاهُ هُوَ نَعْلَا مُوْسٰى وَ عَصَاهُ وَ عِمَامَةُ هَارُوْنَ وَ قَفِيْزٌ مِّنَ الْمَنِّ الَّذِىْ كَانَ يَنْزِلُ عَلَيْهِمْ وَ رُضَاضُ الْاَلْوَاحِ ﴿تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ حَالٌ مِّنْ فَاعِلِ يَاتِيَكُمْ ﴿اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ﴾ عَلٰى مُلْكِهٖ ﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ٥﴾

فَحَمَلَتْهُ الْمَلٰئِكَةُ بَيْنَ السَّمَاءِ وَ الْاَرْضِ وَ هُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْهِ حَتّٰى وَضَعَتْهُ عِنْدَ طَالُوْتَ فَاَقَرُّوْا بِمُلْكِهٖ وَ تَسَارَعُوْا اِلَى الْجِهَادِ فَاخْتَارَ مِنْ شُبَّانِهِمْ سَبْعِيْنَ اَلْفًا ﴿فَلَمَّا فَصَلَ﴾ خَرَجَ ﴿طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ﴾ مِنْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ وَ كَانَ حَرًّا شَدِيْدًا وَ طَلَبُوْا مِنْهُ الْمَاءَ ﴿قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ﴾ مُخْتَبِرُكُمْ ﴿بِنَهَرٍ﴾ لِيَظْهَرَ الْمُطِيْعُ مِنْكُمْ وَ الْعَاصِيْ وَهُوَ بَيْنَ الْاُرْدُنِ وَ فِلَسْطِيْنَ ﴿فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ﴾ اَيْ مِنْ مَّائِهٖ ﴿فَلَيْسَ مِنِّيْ﴾ اَيْ مِنْ اَتْبَاعِيْ ﴿وَ مَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ﴾ يَذُقْهُ ﴿فَاِنَّهٗ مِنِّيْ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً﴾ بِالْفَتْحِ وَ الضَّمِّ ﴿بِيَدِهٖ﴾ فَاكْتَفٰى بِهَا وَ لَمْ يَزِدْ عَلَيْهَا فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ﴿فَشَرِبُوْا مِنْهُ﴾ لِمَا وَافَوْهُ بِكَثْرَةٍ ﴿اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ﴾ فَاقْتَصَرُوْا عَلَى الْغُرْفَةِ رُوِيَ اَنَّهَا كَفَتْهُمْ لِشُرْبِهِمْ وَ دَوَابِّهِمْ وَ كَانُوْا ثَلٰثَمِائَةٍ وَ بِضْعَةَ عَشَرَ ﴿فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ﴾ هُمُ الَّذِيْنَ اقْتَصَرُوْا عَلَى الْغُرْفَةِ ﴿قَالُوْا﴾ اَيِ الَّذِيْنَ شَرِبُوْا ﴿لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَ جُنُوْدِهٖ﴾ اَيْ بِقِتَالِهِمْ وَ جَبُنُوْا وَ لَمْ يُجَاوِزُوْهُ ﴿قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ﴾ يُوْقِنُوْنَ ﴿اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ﴾ بِالْبَعْثِ وَ هُمُ الَّذِيْنَ جَاوَزُوْهُ ﴿كَمْ﴾ خَبَرِيَّةٌ بِمَعْنٰى كَثِيْرٍ ﴿مِّنْ فِئَةٍ﴾ جَمَاعَةٍ ﴿قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ بِاِرَادَتِهٖ ﴿وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ٥﴾ بِالنَّصْرِ وَ الْعَوْنِ ﴿وَ لَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَ جُنُوْدِهٖ﴾ اَيْ ظَهَرُوْا لِقِتَالِهِمْ وَ تَصَافُّوْا ﴿قَالُوْا رَبَّنَا اَفْرِغْ﴾ اَصْبِبْ ﴿عَلَيْنَا صَبْرًا وَ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا﴾ بِتَقْوِيَةِ قُلُوْبِنَا عَلَى الْجِهَادِ ﴿وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ٥ فَهَزَمُوْهُمْ﴾ كَسَرُوْهُمْ ﴿بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ بِاِرَادَتِهٖ ﴿وَ قَتَلَ دَاوٗدُ﴾ وَ كَانَ فِيْ عَسْكَرِ طَالُوْتَ ﴿جَالُوْتَ وَ اٰتٰهُ﴾ اَيْ دَاوٗدَ ﴿اللّٰهُ الْمُلْكَ﴾ فِيْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ ﴿وَ الْحِكْمَةَ﴾ اَلنُّبُوَّةَ بَعْدَ مَوْتِ شَمْوِيْلَ وَ طَالُوْتَ وَ لَمْ يَجْتَمِعَا لِاَحَدٍ قَبْلَهٗ ﴿وَ عَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ﴾ كَصَنْعَةِ الدُّرُوْعِ وَ مَنْطِقِ الطَّيْرِ ﴿وَ لَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ﴾ بَدَلُ بَعْضٍ مِنَ النَّاسِ ﴿بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ﴾ بِغَلَبَةِ الْمُشْرِكِيْنَ وَ قَتْلِ الْمُسْلِمِيْنَ وَ تَخْرِيْبِ الْمَسَاجِدِ ﴿وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ٥﴾ فَدَفَعَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ﴿تِلْكَ﴾ هٰذِهِ الْاٰيَاتُ ﴿اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا﴾ نَقُصُّهَا ﴿عَلَيْكَ﴾ يَا مُحَمَّدُ ﴿بِالْحَقِّ﴾ بِالصِّدْقِ ﴿وَ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ٥﴾ اَلتَّاكِيْدُ بِاِنَّ وَ غَيْرِهَا رَدٌّ لِقَوْلِ الْكُفَّارِ لَهٗ لَسْتَ مُرْسَلًا۔

حل اللغات: ﴿القفیز﴾ ایک پیمانہ کا نام ہے جمع اقفزہ و قفزان ﴿رضاض﴾ ٹکڑے ﴿شبان﴾ سرخ چہرے اور مونچھوں والا جوان ﴿لما وافوہ﴾ جب وہ اس تک پہنچے از وافی موافاۃ ﴿الغرفۃ﴾ چلو، ج غراف ﴿جنبوا (ن)﴾ وہ بزدلی دکھا گئے ﴿تصافوا﴾ میدان جنگ میں صف بستہ ہوئے ﴿الدروع﴾ زرہیں۔ واحد الدرع ﴿منطق الطیر﴾ پرندوں کی بولی سمجھنا۔

ترجمہ: ﴿اوران سے ان کے نبی نے فرمایا﴾ جب انھوں نے نبی سے طالوت کی بادشاہت کی نشانی طلب کی ﴿اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ آئے تمہارے پاس تابوت﴾ وہ صندوق جس میں انبیاء کی تصویریں تھیں، اسے اللہ تعالیٰ

نے حضرت آدم علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا اور وہ ان (اسرائیلیوں) کے پاس برابر رہا پھر عمالقہ ان پر غالب آئے اور اسے لے گئے حالانکہ وہ اسی سے اپنے دشمنوں پر فتح پاتے تھے اور جنگ کے موقع پر اسے آگے رکھتے اور اس سے سکون حاصل کرتے تھے جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ﴿اس میں دلوں کا چین ہے﴾ تمہارے دلوں کا سکون ہے ﴿تمہارے رب کی جانب سے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں معزز موسیٰ اور معزز ہارون کے ترکہ کی﴾ یعنی جسے وہ چھوڑ گئے اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نعلین مبارک تھے اور آپ کا عصا اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ شریف تھا اور ایک قفیز وہ من تھا جو ان پر اترتا تھا اور کچھ توریت کی تختیوں کے ٹکڑے تھے ﴿اٹھائے لائیں گے اسے فرشتے﴾ یہ (تحمله) یاتیکم کے فاعل سے حال ہے۔ ﴿بے شک اس میں بڑی نشانی ہے تمہارے لئے﴾ اس کی بادشاہت کی ﴿اگر ایمان رکھتے ہو﴾ چنانچہ فرشتوں نے صندوق کو آسمان اور زمین کے درمیان اٹھایا اور وہ لوگ اسے دیکھ رہے تھے یہاں تک کہ اسے طالوت کے سامنے رکھ دیا تو سبھوں نے ان کی حکومت تسلیم کر لی اور جہاد کے لئے تیار ہو گئے تو طالوت نے ان کے جوانوں میں سے ستر ہزار کو منتخب کیا ﴿پھر جب روانہ ہوا﴾ نکلا ﴿طالوت اپنی فوجوں کے ساتھ﴾ بیت المقدس سے، سخت گرمی تھی تو ان لوگوں نے طالوت سے پانی طلب کیا ﴿اس نے کہا بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں آزمانے والا ہے﴾ تمہاری آزمائش کرنے والا ہے ﴿ایک نہر سے﴾ تا کہ تم میں سے فرمانبردار اور نافرمان ممتاز ہو جائیں اور وہ نہر اردن اور فلسطین کے درمیان تھی ﴿تو جو اس کا پانی پیئے﴾ یعنی اس نہر کا پانی ﴿وہ میرا نہیں﴾ یعنی میری اتباع کرنے والوں میں سے نہیں ﴿اور جو نہ پیے﴾ نہ چکھے ﴿تو وہ میرا ہے مگر وہ جو بھر لے ایک چلو﴾ (غرفة) غین کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ ہے۔ ﴿اپنے ہاتھ سے﴾ تو جس نے اسی پر اکتفاء کیا اور اس سے زیادہ نہ پیا وہ میرے ساتھیوں میں سے ہے۔ ﴿تو سب نے اس سے پیا﴾ نہر پر جب پہنچے تو خوب پیا ﴿مگر ان میں سے چند آدمیوں نے﴾ کہ انھوں نے ایک ہی چلو پر اکتفا کیا، مروی ہے کہ ان کے لئے اور ان کے جانوروں کے لئے وہی کفایت کر گیا اور وہ تین سو دس سے کچھ زیادہ تھے۔ ﴿پھر جب طالوت اور اس کے ساتھ کے مسلمان نہر کے پار گئے﴾ وہ وہی لوگ تھے جنھوں نے ایک چلو پر اکتفاء کیا تھا ﴿بولے﴾ یعنی جنھوں نے پیا تھا ﴿ہم میں آج طاقت نہیں جالوت اور اس کے لشکروں کی﴾ یعنی ان سے لڑنے کی اور بزدلی دکھا گئے اور آگے نہ بڑھے۔ ﴿بولے وہ جنھیں ظن ہے﴾ یقین رکھتے ہیں ﴿کہ وہ ضرور ملاقات کرنے والے ہیں اللہ سے﴾ مرنے کے بعد زندہ ہو کر یہ وہ لوگ تھے جو آگے بڑھے ﴿بارہا﴾ کم خبریہ بمعنی کثیر ہے ﴿کم جماعت غالب آئی ہے زیادہ گروہ پر اللہ کے حکم سے﴾ اس کی مشیت سے ﴿اور اللہ صابروں کے ساتھ ہے﴾ اعانت اور مدد کے ذریعہ ﴿پھر جب سامنے آئے جالوت اور اس کے لشکروں کے﴾ یعنی ان سے لڑنے پر آمادہ ہوئے اور صف بندی کی ﴿عرض کرنے لگے اے ہمارے رب! اتار ہم پر صبر اور جمائے رکھ ہمارے قدموں کو﴾ جہاد پر ہمارے دلوں کو تقویت پہنچا کر ﴿کافر لوگوں پر ہماری مدد کر پس انھوں نے جالوتیوں کو شکست دی﴾ انھیں توڑ کر رکھ دیا ﴿اللہ کے حکم سے﴾ اس کی مشیت سے ﴿اور قتل کیا داؤد نے﴾ جو طالوت کے لشکر میں تھے ﴿جالوت کو اور عطا فرمائی اس کو﴾ یعنی داؤد کو ﴿اللہ نے حکومت﴾ بنی اسرائیل کی ﴿اور حکمت﴾ حضرت شمویل اور طالوت کی وفات کے بعد اور ان سے پہلے کسی میں دونوں چیزیں جمع نہ ہوئی تھیں ﴿اور اسے

جو چاہا سکھایا﴾ مثلاً زرہ سازی اور پرندوں کی بولی سمجھنا ﴿اور اگر اللہ لوگوں میں بعض کو دفع نہ کرے﴾ یہ الناس سے بدل البعض ہے ﴿بعض کے ذریعہ تو ضرور زمین تباہ ہو جائے﴾ مشرکین کے غلبہ اور مسلمانوں کے قتل اور مسجدوں کو ویران کر کے ﴿مگر اللہ سارے جہان پر فضل کرنے والا ہے﴾ لہٰذا بعض کو بعض کے ذریعہ دفع فرمایا ﴿یہ اللہ کی آیتیں ہیں جنہیں ہم پڑھتے ہیں آپ پر﴾ اے حبیب ﴿ٹھیک ٹھیک﴾ سچائی کے ساتھ ﴿اور تم بے شک رسولوں میں ہو﴾ اِنَّ وغیرہ کے ذریعہ تاکید کافروں کے اس قول کے رد میں ہے کہ آپ رسول نہیں۔

توضیح و تشریح: قولہ: الصندوق الخ یہ تابوت کی تفسیر ہے اس کا طول تین ہاتھ اور عرض دو ہاتھ تھا تابوت سکینہ کے نام سے معروف ہے اس کے تعلق سے امام رازی تحریر فرماتے ہیں:

یہ تابوت حضرت آدم علیہ السلام پر نازل ہوا تھا اس میں ان کی اولاد سے انبیاء علیہم السلام کی تصویریں تھیں یہ اولاد آدم سے منتقل ہوتا ہوا حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچا پھر بنی اسرائیل کے پاس رہا، ان کا جب کسی معاملہ میں اختلاف ہوتا تو وہ اس تابوت کو حِکَم بناتے اور جب دشمنوں سے جنگ ہوتی تو اس تابوت کو اپنے آگے رکھتے اور اس کے وسیلہ سے بارگاہ خداوندی میں اپنے دشمن کے خلاف فتح کی دعا کرتے اور فرشتے اس تابوت کو ان کے لشکر کے اوپر اٹھا لیتے وہ دشمن سے لڑتے رہتے اور جب اس تابوت سے ایک چیخ کی آواز آتی تو ان کو فتح و نصرت کا یقین ہو جاتا، لیکن جب بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور زمین میں فساد کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمن عمالقہ کو ان پر مسلط کر دیا، عمالقہ نے ان کو شکست دی اور تابوت چھین کر لے گئے مگر جن کافروں نے تابوت چھینا تھا انھوں نے اسے گندگی اور بول و براز کی جگہ ڈال دیا تو اس وقت کے نبی نے ان کے خلاف بددعا کی لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کو ایک بلا (بواسیر) میں مبتلاء کر دیا، پھر جو شخص بھی اس تابوت کے پاس گندگی ڈالتا تو اللہ تعالیٰ اس بلا (بواسیر) میں مبتلا کر دیتا، جب ان کافروں نے یہ جان لیا کہ ان پر یہ مصیبت اس تابوت کی بے حرمتی کی وجہ سے نازل ہوئی ہے تو انھوں نے دو بیلوں کے جوئے پر اس تابوت کو رکھ کر ہانک دیا، وہ بیل چلتے رہے، اللہ تعالیٰ نے چار فرشتے ان بیلوں کے ساتھ محافظ کر دیئے یہاں تک کہ وہ فرشتے اس تابوت کو طالوت کے پاس لے آئے تب بنی اسرائیل کو طالوت کی بادشاہت کا یقین ہوا۔ (تفسیر کبیر)

قولہ: ای ترکاہ الخ اس اضافہ سے اشارہ فرمایا کہ یہاں آل سے مراد خود حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی ذات ہے جیسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کے لئے فرمایا کہ ان کو آل داؤد کی آواز دی گئی یعنی خود حضرت داؤد علیہ السلام کی اور یہ بھی ممکن ہے کہ آل سے مراد وہ انبیاء بنی اسرائیل ہوں جو حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے بعد ہوئے۔ اس تقدیر پر آل متبعین کے معنی میں ہوگا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ ادخلوا اٰل فرعون اشد العذاب.
(روح المعانی و کبیر)

قولہ: و رضاض الالواح۔ تفسیر کے اس جملہ پر بظاہر یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ تابوت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نعلین شریفین تھے اور اسی میں توریت کی تختیاں بھی تھیں لہٰذا اس میں توریت کی توہین ہے۔ جواب یہ ہے کہ ممکن ہے

کہ تابوت کے اندر چند خانے بنے ہوں نیچے کے خانہ میں نعلین ہوں گی اوراوپر کے کسی خانہ میں توریت کی تختیاں اس صورت میں توہین نہیں کہ جس گھر میں قرآن شریف ہواس کی چھت پر چلنا جائز ہے۔(تفسیر نعیمی)

خیال رہے تابوت کے اندر تفسیر میں مذکورہ چیزوں کے علاوہ تمام انبیاء علیہم السلام کی تصویریں اوران کے مساکن و مکانات کی تصویریں بھی تھیں، آخر میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اور حضور کی دولت سرائے اقدس کی تصویر ایک یاقوت سرخ میں تھی کہ حضور بحالت نماز قیام میں ہیں اورآپ کے گردآپ کے اصحاب ہیں۔(خزائن العرفان)

یہ بھی خیال رہے کہ جاندار کی تصویریں بنانی دستی ہوں یا عکسی حرام اوراشد کبیرہ ہے لقولہ علیہ السلام ان اشد الناس یوم القیامة المصورین ، یہاں تابوت میں جوتصویریں تھیں وہ من جانب اللہ تھیں اللہ عزوجل خالق کل شئی اور قادر مطلق ہے جو چاہے کرے اس کے کسی فعل پر کسی کوحق اعتراض نہیں۔

قولہ: فحملته الملائكة الخ اس تفسیر سے اشارہ فرمایا کہ تحمله الملئكة میں اسناد حقیقی ہے یعنی تابوت کو فرشتے ہی اٹھا کرلائے تھے جیسا کہ بعض روایتوں سے ثابت ہے اوراگر دوسری روایت صحیح ہو کہ تابوت بیلوں پر آیا تھا جیسا کہ تفسیر کبیر کے حوالہ سے گزرا تو اسناد مجازی ہوگی جیسے کہتے ہیں کہ فلاں شخص میرا سامان کانپور سے لکھنؤ لایا ظاہر ہے کہ سامان تو گاڑی پر آیا مگر لاتے والا چونکہ آدمی تھا اس لئے اس کی طرف نسبت کردی گئی اسی طرح تابوت اٹھانے والے اگر چہ بیل تھے مگر لانے والے فرشتے تھے اس لئے لانے کی نسبت فرشتوں کی طرف ہے۔

قولہ: خرج — یہ دفع دخل مقدر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ فصل متعدی ہوتا ہے کہا جاتا ہے فصله فصلا پھر یہاں اس کے معمول یعنی جنود پر برائے تعدیہ باء کیوں داخل ہے جواب یہ ہے کہ فصل متعدی اور لازم دونوں طرح مستعمل ہے مگراس کا مفعول اکثر محذوف ہوتا ہے اس لئے لازم کے منزل میں ہوتا ہے اور یہاں بمعنی خرج لازم ہے اس لئے باء کے ذریعہ متعدی ہوا۔(ترویح الارواح)

قولہ: یذقه۔ چونکہ طعم بمعنی اکل معروف ہے اور پانی کھایا نہیں جاتا بلکہ پیا جاتا ہے پھر یہاں لم یطعمه کا کیا مطلب؟ مفسر علام نے یذقه سے اسی کا جواب دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ طعم بمعنی ذوق ماکول ومشروب دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔فلا استحالة فيه.

قولہ: بكثرة — چونکہ بظاہر شربوا کی ضمیر سے استثناء قلیل درست نہیں تھا کہ قلیل نے بھی اس نہر سے پیا تھا، لہٰذا مفسر علام نے بكثرة محذوف مان کر اشارہ فرمایا کہ یہاں مطلق شرب سے استثناء نہیں بلکہ اس شرب سے استثناء ہے جو کثرت کی قید سے مقید ہے اب استثناء درست ہوگیا اورآیت کا معنی ہوا کہ نہر سے پیا توسبھوں نے مگر اکثر نے زیادہ پیا اور اقل نے ایک چلو پیا۔

قولہ: بضعة عشر — اس لفظ کا اطلاق تیرہ سے انیس تک ہوتا ہے مگر یہاں تیرہ ہی مراد ہے جیسا کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ فرمایا ہم لوگوں میں مشہور تھا کہ اصحاب بدر کی تعداد اصحاب

طالوت کے برابر تھی یعنی تین سو تیرہ، اس مقام کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ اسّی ہزار بنی اسرائیل طالوت کے ساتھ بیت المقدس سے نکلے، جب لشکر روانہ ہوا تو طالوت نے اہل لشکر سے کہا اللہ تعالیٰ عنقریب تمہیں ایک دریا کے ذریعہ آزمائش میں مبتلاء کرے گا جو اس دریا سے سیر ہو کر پی لے گا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہوگا اور جو نہیں پیئے گا وہ میرے طریقہ پر ہوگا، چار ہزار کے سوا باقی سبھوں نے اس دریا سے پانی پی لیا اور ان چار ہزار نفوس نے طالوت کے ساتھ دریا عبور کر لیا باقی ۷۶ ہزار لشکری دریا عبور نہ کر سکے، جب لشکر طالوت نے جالوت کو دیکھا تو انھوں نے کہا آج ہم جالوت اور اس کے لشکر سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے اور ان میں سے بھی تین ہزار چھ سو اسی نفوس واپس ہو گئے اور طالوت اہل بدر کی تعداد کے مطابق تین سو تیرہ نفوس کے ساتھ باقی رہ گئے۔ (مگر مفسر علام کی تفسیر کے مطابق تین سو تیرہ کے سوا باقی سبھوں نے سیر ہو کر پانی پی لیا تھا) جن لوگوں نے ایک چلو پانی پر صبر کیا ان کے اور ان کے جانوروں کے لئے وہی ایک چلو پانی کفایت کر گیا اور ان کے قلب و ایمان کو قوت ملی اور جنھوں نے سیر ہو کر پی لیا تھا ان کے ہونٹ سیاہ ہو گئے تشنگی بڑھ گئی اور ہمت ہار گئے۔ (تبیان القرآن و خزائن العرفان)

قوله: وكان فی عسكر طالوت — حضرت داؤد علیہ السلام کا نام و نسب اس طرح ہے، داؤد بن ایشا بن حصرون بن قانص بن یہودا ابن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام، مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے والد ایشا طالوت کے لشکر میں تھے اور ان کے ساتھ ان کے سات فرزند بھی، حضرت داؤد علیہ السلام ان میں سب سے چھوٹے تھے اس وقت بیمار تھے اور رنگ زرد تھا بکریاں چراتے تھے، جب جالوت نے میدان میں آکر مقابل طلب کیا تو اس کی قوت اور جسامت دیکھ کر سب گھبرا گئے کیونکہ وہ بڑا قوی اور عظیم الجثہ تھا مروی ہے کہ اس کا قد ایک میل لمبا تھا اور ۳۰۰ رتل کا خود پہنتا تھا جب سارا لشکر اسے دیکھ کر گھبرا گیا تو طالوت نے اپنے لشکر میں اعلان کیا کہ جو شخص جالوت کو قتل کرے گا میں اس کے نکاح میں اپنی بیٹی دے دونگا اور آدھی سلطنت بھی اسے دے دوں گا مگر کسی نے اس کا جواب نہیں دیا تب طالوت نے اپنے نبی حضرت شمویل سے عرض کی کہ بارگاہ الٰہی میں دعا کریں، آپ نے دعا کی تو بتایا گیا کہ حضرت داؤد جالوت کو قتل کریں گے طالوت نے آپ سے عرض کی کہ اگر آپ جالوت کو قتل کریں تو میں اپنی لڑکی آپ کے نکاح میں دوں اور نصف ملک پیش کروں آپ نے قبول فرمایا اور جالوت کی طرف روانہ ہو گئے راستے سے تین پتھر اٹھا لیا اور اسے منجنیق میں ڈال لیا۔

صف قتال قائم ہوئی اور حضرت داؤد علیہ السلام دست مبارک میں فلاخن لے کر مقابل ہوئے جالوت کے دل میں آپ کو دیکھ کر دہشت پیدا ہوئی مگر اس نے بہت متکبرانہ باتیں کیں اور آپ کو اپنی قوت سے مرعوب کرنا چاہا آپ نے فلاخن میں پتھر رکھ کر مارا تو اس سے تین پتھر نکلے، ایک پتھر جالوت کی پیشانی پر لگ کر آر پار ہو گیا اور وہ مقتول ہو کر زمین پر جا گرا، دوسرا پتھر جالوت کے میمنہ پر جا کر گرا اور ان کو تباہ کر دیا، تیسرا پتھر ان کے میسرہ پر گرا اور ان کو یوں لگا جیسے ان پر پہاڑ آ کر گرا ہو وہ سب گھبرا کر پیٹھ موڑ کر بھاگے اور ایک دوسرے کے پاؤں تلے کچلے گئے۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کا سر لا کر طالوت کے سامنے ڈال دیا تمام بنی اسرائیل خوش ہوئے اور طالوت نے حسب وعدہ حضرت داؤد علیہ السلام کو نصف ملک دیا اور اپنی بیٹی کا آپ سے نکاح کیا مگر طالوت کو حضرت داؤد علیہ السلام سے

حسد پیدا ہو گیا اور انہیں قتل کرنے کی سازش بھی کی جس میں کامیابی نہیں ملی بعد میں اپنی غلطی پر نادم ہو کر توبہ کی اور وفات پائی پھر حضرت داؤد علیہ السلام سارے ملک کے بادشاہ ہوئے اور قتل جالوت کے سات سال بعد آپ نے نبوت کا اعلان کیا۔ (خزائن العرفان، روح البیان، تبیان القرآن، روح المعانی)

﴿تِلْكَ﴾ مُبْتَدَأٌ ﴿الرُّسُلُ﴾ صِفَةٌ وَ الْخَبَرُ ﴿فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ بِتَخْصِيصِهٖ بِمَنْقَبَةٍ لَيْسَتْ لِغَيْرِهٖ ﴿مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ﴾ كَمُوسٰى ﴿وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ﴾ اَیْ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ﴿دَرَجٰتٍ﴾ عَلٰى غَيْرِهٖ بِعُمُوْمِ الدَّعْوَةِ وَ خَتْمِ النُّبُوَّةِ وَ تَفْضِيْلِ اُمَّتِهٖ عَلٰى سَائِرِ الْاُمَمِ وَ الْمُعْجِزَاتِ الْمُتَكَاثِرَةِ وَ الْخَصَائِصِ الْعَدِيْدَةِ ﴿وَ اٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَ اَيَّدْنٰهُ﴾ قَوَّيْنَاهُ ﴿بِرُوْحِ الْقُدُسِ﴾ جِبْرَئِيْلَ يَسِيْرُ مَعَهٗ حَيْثُ سَارَ ﴿وَ لَوْ شَاءَ اللّٰهُ﴾ هُدَى النَّاسِ جَمِيْعًا ﴿مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ﴾ بَعْدِ الرُّسُلِ اَیْ اُمَمُهُمْ ﴿مِنْ بَعْدِ مَاجَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ﴾ لِاخْتِلَافِهِمْ وَ تَضْلِيْلِ بَعْضِهِمْ بَعْضًا ﴿وَ لٰكِنِ اخْتَلَفُوْا﴾ لِمَشِيْئَةِ ذٰلِكَ ﴿فَمِنْهُمْ مَنْ اٰمَنَ﴾ ثَبَتَ عَلٰى اِيْمَانِهٖ ﴿وَ مِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ﴾ كَالنَّصَارٰى بَعْدَ الْمَسِيْحِ ﴿وَ لَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَااقْتَتَلُوْا﴾ تَوْكِيْدٌ ﴿وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَايُرِيْدُ٥﴾ مِنْ تَوْفِيْقِ مَنْ شَاءَ وَ خُذْلَانِ مَنْ شَاءَ ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ﴾ زَكٰوتَهٗ ﴿مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعٌ﴾ فِدَاءٌ ﴿فِيْهِ وَ لَا خُلَّةٌ﴾ صَدَاقَةٌ تَنْفَعُ ﴿وَ لَا شَفَاعَةٌ﴾ بِغَيْرِ اِذْنِهٖ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ وَ فِیْ قِرَاءَةٍ بِرَفْعِ الثَّلَاثَةِ ﴿وَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ بِاللّٰهِ اَوْ بِمَا فُرِضَ عَلَيْهِمْ ﴿هُمُ الظّٰلِمُوْنَ٥﴾ لِوَضْعِهِمْ اَمْرَ اللّٰهِ تَعَالٰى فِیْ غَيْرِ مَحَلِّهٖ.

ترجمه: ﴿یہ﴾ "تلك" مبتداء ہے ﴿رسول ہیں﴾ یہ "الرسل" صفت ہے اور خبر (آنے والا جملہ ہے) ﴿ہم نے فضیلت دی ہے بعض کو بعض پر﴾ ایسے کمالات کے ساتھ خاص کر کے جو دوسروں کو حاصل نہیں ﴿ان میں سے کسی سے اللہ نے کلام فرمایا﴾ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام ﴿اور کوئی وہ ہے جسے بلند کیا﴾ یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ﴿درجوں﴾ دوسروں پر، دعوت کو عام کر کے، اور آپ پر نبوت ختم کر کے، اور آپ کی امت کو تمام امتوں پر فضیلت بخش کر، اور معجزات کثیرہ نیز متعدد خصوصیات عطا فرما کر ﴿اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو کھلی نشانیاں دیں اور اس کی مدد کی﴾ اسے تقویت بخشی ﴿پاکیزہ روح کے ذریعہ﴾ جبرئیل کے ذریعہ جو انھیں کے ساتھ رہتے جہاں وہ جاتے ﴿اور اگر اللہ چاہتا﴾ تمام لوگوں کو ہدایت دینا ﴿تو ان کے بعد والے آپس میں نہ لڑتے﴾ رسولوں کے بعد یعنی ان کی امتیں ﴿بعد اس کے کہ ان کے پاس کھلی نشانیاں آچکیں﴾ آپسی اختلاف اور ایک دوسرے کی تضلیل کرنا ﴿لیکن انہوں نے اختلاف کیا﴾ خدا کی مشیت کے سبب ﴿تو ان میں کوئی ایمان پر رہا﴾ اپنے ایمان پر ثابت قدم رہا ﴿اور کوئی کافر ہو گیا﴾ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسائی ﴿اور اگر اللہ چاہتا تو وہ نہ لڑتے﴾ یہ تاکید ہے (ماقبل کی) ﴿مگر اللہ جو چاہے کرے﴾ جسے چاہے توفیق دے (بھلائی کی) اور جسے چاہے رسوا کرے ﴿اے ایمان والو! ہمارے دیئے میں سے خرچ کرو﴾ اس کی زکوٰۃ ادا کرو ﴿وہ دن آنے سے پہلے جس میں نہ خرید وفروخت ہے﴾ یعنی فدیہ ﴿نہ دوستی﴾ نفع بخش دوستی ﴿اور نہ شفاعت﴾ بغیر اس کی اجازت کے اور وہ

فاضل مصنف کی دیگر تصنیفات

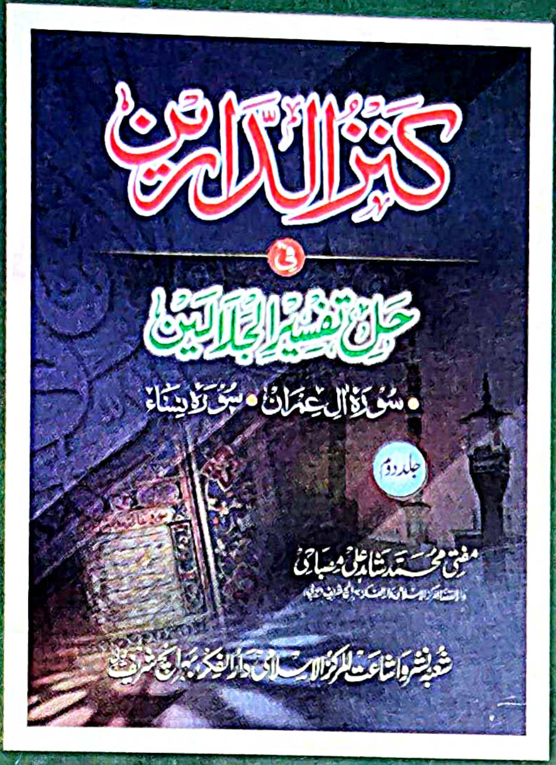

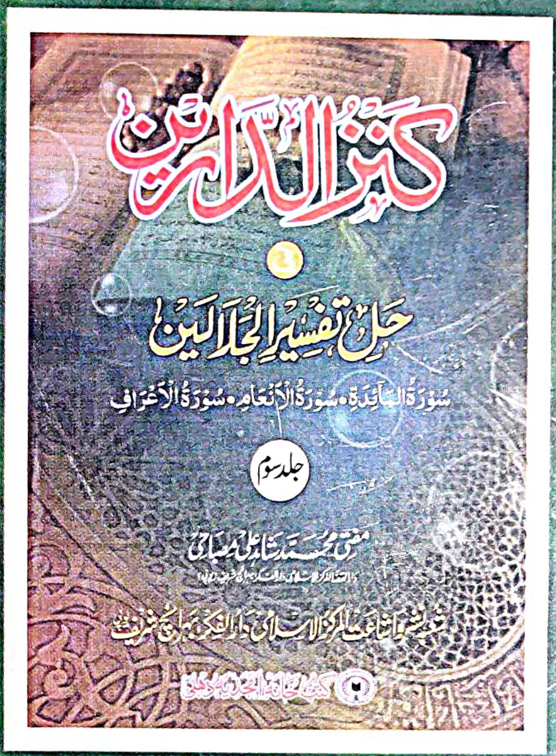

- شان غوث اعظم
- شان غریب نواز
- حقوق العباد
- فتاویٰ دار الفکر
- مکتوبات فقیہ ملت
- اعلاء کلمۂ حق

Rs.500/-

ISBN 93-89807-75-1
9789389807752

KUTUB KHANA AMJADIA®
425/7, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-6
Ph.: 011-23243187, 23243188
e-mail:kkamjadia@yahoo.co.uk
www.kutubkhanaamjadia.com • info@kutubkhanaamjadia.com